سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۸۱)

بزم مملوکیہ

جس میں

ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین، امرا اور شہزادوں کی عرفان دوستی علم نوازی اور معارف پروری کے حالات اور اُن کے دربار سے متوسل علماء و فضلاء اور ادباء و شعراء کے کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

۱۳۷۴ھ
۱۹۵۴ء

فہرست مضامین

بزم مملوکیہ

مقدمہ

دارالمصنفین میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کی ترتیب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اس کی ایک جلد تاریخ سندھ شائع اور دوسری غزنوی عہد کی مرتب ہوئی تھی کہ بعض اسباب و موانع کی بنا پر فی الحال سیاسی تاریخ کا سلسلہ ملتوی کر دینا پڑا مگر علمی و تمدنی تاریخ کی ترتیب کا کام جاری ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب جو تیموریوں کے علمی کارناموں پر مشتمل ہے، بزم تیموریہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے، ایک کتاب ان کے فوجی نظام پر تیار ہے، ایک اسلامی عہد کی عام تمدنی ترقیوں پر زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ کو تکمیل تک پہنچانے کا قصد ہے، اور جب حالات سازگار ہوئے تو سیاسی تاریخ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے گا۔

ہندوستان کے مسلمان خاندانوں میں تیموریوں کی عظمت اور ان کے کارناموں پر تو بہت لکھا گیا ہے، مگر ان سے پہلے کے سلاطین دہلی یعنی غلاموں، خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے عہد کے علمی و تمدنی حالات کیجانب کم توجہ کی گئی ہے، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کی کوئی اہمیت یا ان کے کارنامے نہیں ہیں، بلکہ ان کے حالات میں اس قسم کا تاریخی سرمایہ ہی کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ خود ان سلاطین نے اپنی تاریخ لکھانے کیجانب توجہ کی، اور نہ ان کے عہد میں کوئی ایسا مورخ پیدا ہوا جو ان کی عظمت کا مرقع تیار کرتا، جو دو چار معاصر تاریخیں ہیں بھی تو ان میں اس زمانہ کے مذاق کے مطابق رزم کی داستان سرائی میں زیادہ زور قلم صرف کیا گیا ہے، اور علمی و تمدنی حالات بہت کم اور محض ضمناً کہیں کہیں آ گئے ہیں، اور اس کی تلاش کے لیے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اردو کے اصحاب علم و قلم نے ان دردسری کو کم گوارا کیا ہے، اس کے مقابلہ میں تیموریوں کی تاریخ پر ہر قسم کا نہایت وافر ذخیرہ موجود ہے، اس دور کے عام مورخوں کے علاوہ خود ان کے درباری مورخین نے ان کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، اس لیے ان کی تاریخ لکھنا نسبتہً آسان ہے، یہی وجہ ہے کہ تیموریوں کے مقابلہ میں سلاطین دہلی کے

کارناموں کی تصویر دھندلی نظر آتی ہے، اگر ان کو بھی ابوالفضل، عبدالحمید لاہوری، عبدالباقی نہاوندی اور محمد کاظم جیسے مورخین مل جاتے تو تیموریوں کی طرح ان کی تاریخ بھی شاندار اور پرشوکت نظر آتی۔

سلاطین دہلی میں بہت سے باعظمت، علم دوست اور علما، نواز حکمران پیدا ہوئے جنھوں نے علم و تمدن کی بھی بڑی خدمت انجام دی، ان کے درباروں میں بڑے بڑے علما، و فضلا، ادبا، شعرا، اور مختلف فنون کے اصحاب علم و کمال کا اجتماع تھا، وہ صلحا، واخیار سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے پند و نصائح کو قبول کرتے تھے، جس کا ثمرہ ان کی حکومت پر پڑتا تھا، تاج الدین ریزہ، شہاب مہمرہ، خسرو، حسن سجزی، بدر چاچ اور مطہر کڑہ جیسے شعراء اور مولانا منہاج سراج، مولانا شمس الدین خوارزمی، مولانا معین الدین عمرانی، مولانا عبداللہ سلطانپوری اور مولفین فتاوی تاتارخانی جیسے علماء ان کے دربار کی زینت تھے، اس لیے علمی حیثیت سے انکا دور نہایت ممتاز ہے، مگر اردو میں اس کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔

اس کمی کو پورا کرنے کی بڑی ضرورت تھی، اس لیے بزم تیموریہ کے لائق مؤلف نے تیموریوں کی علمی بزم کی مرقع نگاری کے بعد سلاطین دہلی کی علمی تاریخ بھی مرتب کی ہے، زیر نظر جلد ممالیک کے عہد کے حالات میں ہے، اسمیں انکے علمی و ادبی خدمات کی تفصیل اور ان کے دربار سے متوسل علما، و شعرا، کا تذکرہ ہے، ان میں سے بعض علما، و شعراء کے حالات جس تحقیق و تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ اردو میں پیش کیے گئے ہیں اور انکی تلاش و جستجو میں مولف نے جو محنت و کاوش کی ہے، اصحاب نظر کو اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، ضمناً تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، اس کے بعد کی جلدیں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے علمی حالات میں ہوں گی، اس طرح اسلامی ہند کی علمی تاریخ کا پورا سلسلہ مرتب ہو جائے گا۔

فقیر معین الدین احمد
ناظم شعبۂ علمی، دارالمصنفین

۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء

دیباچہ

اہلِ نظر نے میری حقیر تالیف بزم تیموریہ کی قدردانی میری توقع سے زیادہ کی تو خیال ہوا کہ تیموری عہد سے پہلے کے سلاطین کی علم نوازی اور معارف پروری کی بھی تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے، اور جب اس ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر یہ کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس عہد کے شاہی درباروں سے متوسل علماء و فضلاء اور ادباء و شعراء کے حالات کچھ ایسے پراگندہ، منتشر اور نظروں سے اوجھل ہیں کہ ان کو یکجا کرنے اور تاریکی سے روشنی مین لانے کی کوشش میں، کتاب کی نوعیت بدلنی پڑے گی یعنی بزم تیموریہ کی طرح فضلاء و شعراء پر اجمالی نظر ڈالنے کے بجائے انکا تفصیلی جائزہ لینا ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر خاندان کیلئے ایک ایک جلد علیحدہ کرنی پڑی، موجودہ جلد ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین اور انکے امراء اور شہزادوں کی علم دوستی پر مشتمل ہے، اور اس علم دوستی کی بدولت جو فضلاء و شعراء علم و ادب کے افق پر مہر و ماہ بنکر چمکے، ان کے کمالات کو بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر ناظرین کو یہ کچھ بھی پسند آجائے تو یہی مؤلف کی کاوش و محنت کا صلہ ہو جائیگا، آیندہ جلدوں میں خلجیوں تغلقوں اور لودیوں کی بزم کی تصویریں ہوں گی،

بزم تیموریہ مین تیموری بادشاہوں کی عرفان دوستی کا ذکر نہین ہے، لیکن اس کتاب مین بعض سلاطین کے حالات مین وقت کے مشائخ کے فیوض و برکات کا ذکر بھی خاص طور پر کیا گیا ہے، اہل دل بزرگان دین کی نظر کیمیا اثر نے سلطان شمس الدین التتمش کو کس طرح خاک سے پاک کر دیا، اسکا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ اس لیے کہ اس سلطان کی سیرت کا یہ پہلو اب تک نظرون کے سامنے نہ تھا، راقم کو ایک گونہ مسرت ہے کہ اسی نے شاید پہلی دفعہ ستمبر ۴۵ء کے معارف مین اس سلطان کے عرفانی پہلو کو پیش کیا، بزم صوفیہ مین اس کو پھیلا کر لکھنے کا موقع نہ تھا، اس لیے اب

اس کتاب مین اسکو تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی گئی ہی جس کے بعد یہ کہنے مین تامل نہین کہ اس سلطان کا شمار اسلامی تاریخ کے ان حکمرانون مین کیا جا سکتا ہی جن پر انکی اعلیٰ سیرت اور اعلیٰ کردار کی بدولت مسلمانون کو ناز ہی، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کو بھی ایسے ہی فرمانرواؤن کی صف مین لاکر کھڑا کیا جا سکتا ہی، جیسا کہ ناظرین کو خود اس کتاب مین ان کے حالات سے اندازہ ہوگا، گو ناصر الدین محمود اپنے باپ سلطان شمس الدین التمش یا اپنے خسر غیاث الدین بلبن کی طرح ایک حکمران کی حیثیت سے زیادہ کامیاب نہین رہا، ان سلاطین کے اوصاف و محاسن کے ذکر مین جابجا ملفوظات خواجگان چشت کے حوالے ہین بعض اہل علم کا خیال ہی کہ ہندوستان مین شروع دور کے خواجگان چشت کے ملفوظات فرضی ہین، اسلیے انکو ماخذ بنانا صحیح نہیں، اسکی طرف بھی توجہ راقم ہی نے پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۵ء کے معارف (ص ۷، ۸) کے ذریعہ دلائی، پھر ۱۹۴۹ء مین بزم صوفیہ کی تمہید مین یہ واضح کیا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگون نے انکو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد مین ان کے اسمائے گرامی انکی طرف منسوب کر دیے گئے ہین، پھر اس پر تفصیل کیساتھ اکتوبر ۱۹۵۰ء و اکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۴ء کے معارف مین بحث کی، ان تمام مباحث کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہی کہ جو رسالے خواجگان چشت کے نام سے منسوب ہین، وہ اگر ان کے قلم اور ہاتھ سے نہیں لکھے گئے تو کم از کم قدیم العہد ضرور ہین، اور ان کو احتیاط کیساتھ ماخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے تذکرہ اخبار الاخیار مین کیا ہے وہ بھی ملفوظات خواجگان چشت کو ان کی تصانیف تسلیم کرنے مین متامل ہین، پھر بھی وہ ان کے حوالے بار بار دیتے ہین، اس کتاب مین بھی ان سے جابجا استفادہ کیا گیا ہی، ناقدین کی تنقیدون سے بچنے کی خاطر ان ملفوظات سے جہان کوئی روایت نقل کیگئی ہی وہان دوسرے مستند مجموعۂ ملفوظات اور تذکرون کے متوازی حوالے بھی دیدیے گئے ہین تاکہ یہ روایتیں محض یہ کہکر مجروح نہ کر دی جائین کہ یہ ان ملفوظات کے مجموعون سے لی گئی ہین جن کو بعض اہل علم فرضی سمجھتے ہین، اس سلسلہ مین بزم صوفیہ کے بعض واقعات کی تکرار بھی اس کتاب مین ہوگئی ہی لیکن یہ واقعات بزم صوفیہ مین محض اجمالی طور پر آئے ہین، انکو تفصیل سے لکھنے کا موقع اس کتاب مین ملا تو تکرار ناگزیر ہوگئی،

راقم کو اس کی بھی خوشی ہی کہ اس کتاب کے ذریعہ بعض فارسی شعراء کا تعارف اردو مین پہلی دفعہ کیا جا رہا ہی، شعراء کے

تنقیدی مطالعہ سے جو طوالت آگئی ہے امید ہے کہ ناظرین پر گران نہ گزریگی بعض طویل قصائد اسلیے بھی نقل کر دیے گئے ہین کہ

گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آج ہمارے اسلاف کے یہ قصائد ہی کیا بلکہ انکی ساری فارسی شاعری دفتر پارینہ ہی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم اپنی رواداری اور وسعتِ قلب کی بنا پر فارسی زبان کو چھوڑ کر ہندوستان کے رہنے والون کی ملی جلی زبان اُردو کو قبول نہ کر لیتے تو آج ہماری علمی اور ادبی زندگی کو یہ فارسی شاعری کس قدر متمول کر چکی ہوتی، اب یہ تمام شعراء ہمارے لیے گویا اجنبی سے بنگئے ہین، اور ہماری ثقافتی زندگی سے دور ہوتے جا رہے ہین، پھر بھی انکے علمی و ادبی کارنامون کا مطالعہ ضروری ہے کہ ان ہمارے ماضی کی علمی تاریخ بنی اور بالآخر انہی کے کمالات کی بدولت ہماری موجودہ علمی ذوق کی نشو و نما ہوئی۔

ان شعراء مین امیر خسرو پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے متعلق کوئی نئی بات لکھنی آسان نہین لیکن اس کتاب مین ناظرین کو کوئی بات بھی نئی نظر آجائے تو مؤلف اپنی قلمی کاوشون کو رائگان نہین سمجھے گا،

شعراء کے کلام حتی الوسع بڑی احتیاط سے نقل کیے گئے ہین، مگر بعض بدخط قلمی نسخون اور تذکرون سے انکو نقل کرنے مین بڑی مشکلون کا سامنا کرنا پڑا ہے بعض مطبوعہ نسخون مین بھی اشعار صحیح نقل نہین ہوئے ہین، اس لیے اگر اشعار کی کتابت مین غلطیان رہ گئی ہون تو ہم اس کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہین، مطبع کی غلطیون کی تصحیح آخر مین کر دی گئی ہے انکو ناظرین درست کر لین بعض اشعار کے الفاظ مین "یائے مجہول" کے بجائے "یائے معروف" ہی لکھی گئی ہے، کیونکہ بعض اساتذہ نے ان کو اسی طرح نقل کیا ہے:

اس کتاب مین کہین "جیتل" اور کہین "چیتل" لکھا گیا ہے "جیتل" زیادہ صحیح ہے لیکن بعض مستند نسخون مین "چیتل" بھی مرقوم ہے، اسی طرح تنکے اور ٹنکے دونون اصطلاحات نظر سے گذری ہین،

ممکن ہے اس کتاب کا نام "بزم مملوکیہ" عام فہم نہ ہو، کیونکہ ہندوستان کے غلام سلاطین کے لیے عام طور سے "مملوک" کی اصطلاح استعمال نہین ہوئی ہے، لیکن حال کے اہل قلم ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کرنے لگے ہیں، اسلیے بزم تیموریہ کی مناسبت سے "بزم مملوکیہ" ہی نام زیادہ پسند آیا،

اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ مین علی گڈھ کا بھی سفر کرنا پڑا، اور وہاں حبیب گنج اور مسلم یونیورسٹی کے کتب خانوں کی کتابون سے استفادہ کیا، بزرگ محترم جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی، جناب ڈاکٹر محمد عزیر صاحب لکچرار شعبۂ اردو، اور ڈاکٹر عشرت حسین انور صاحب لکچرار شعبۂ فلسفہ کی مہمان نوازیون کا صمیم قلب سے رہین منت ہون، جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی انتہائی لطف و کرم کا اظہار کرکے ان خصوصی خاندانی روابط و مراسم کا ثبوت دیا، جو ان کے والد بزرگوار مولانا حبیب الرحمن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے دار المصنفین والون کے ساتھ قائم ہین۔

علی گڈھ کے قیام کے زمانہ مین مجھ خلیق احمد نظامی ریڈر شعبۂ سیاسیات سے معلوم ہوا کہ محترمی پروفیسر محمد حبیب صدر شعبۂ سیاسیات نے کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے تاج المآثر کی نقل منگوائی ہے، اس سے پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا جس کے بغیر میری یہ کتاب ایک حد تک ناقص رہتی، ان دونون حضرات کی اس علمی امداد کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں، سید بشیر الدین صاحب لائبریرین لٹن لائبریری کا بھی ممنون ہون کہ انھون نے امیر خسرو کے مطبوعہ دیوان وسط الحیوۃ کا ایک نسخہ دار المصنفین کو نذر کرکے میری بہت سی مشکلات آسان کردین، یہ نسخہ ناقص رہ جانے کی وجہ سے چھپنے کے بعد شائع نہ ہو سکا، اس کے کچھ نسخے مسلم یونیورسٹی مین محفوظ رہ گئے ہین، لٹن لائبریری مین مشتاق احمد صاحب اسسٹنٹ لائبریرین اور شاہد شروانی صاحب جس اخلاق سے پیش آئے اس کا بھی مشکور ہوں۔

عم محترم جناب بشیر الحق صاحب بیدل دسنوی عظیم آبادی اور جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی بھی لائق تشکر ہین کہ انھون نے خدا بخش خان لائبریری پٹنہ اور کتب خانہ رامپور سے بعض ضروری اقتباسات نقل کرکے بھیجے۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ)

۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطب الدین ایبک

۶۰۲ - ۶۰۷ھ

۱۲۰۶ - ۱۲۱۰ء

سلاطین دہلی کی حکومت غلاموں کی بادشاہت سے شروع ہوتی ہے، اور یہ اسلامی مساوات و اخوت کا ایک بہت روشن پہلو ہے کہ غلاموں نے بھی مسند حکومت پر جلوہ افروز ہو کر اپنے آقاؤں ہی کی طرح کشور کشائی اور جہانبانی کی، اور جس تدبر اور ہوشمندی سے زمام سلطنت کو سنبھالا وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان غلاموں کی پرورش و پرداخت ان کے آقا اپنے خاندان کے افراد ہی کی طرح کرتے تھے، انھوں نے جو تعلیم و تربیت پائی اس سے ان کی گوناگوں صلاحیتیں ابھر آئیں، اور ان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی، اقبال نے بھی بڑھ کر ان کے قدم چومے اور انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایسے سیاسی، تمدنی اور علمی کارنامے انجام دیے جن پر آج بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

ایبک کی ابتدائی تعلیم

دہلی کے مملوک یعنی غلام سلاطین کی حکومت کا آغاز قطب الدین ایبک سے ہوتا ہے، وہ نسلاً ترکی یعنی ترکستان کا رہنے والا تھا، بچپن میں ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا، یہاں اس نے قاضی فخر الدین عبد العزیز کوفی کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد میں سے

تھے، اور نیشاپور اور اسکے مضافات کے حاکم بھی تھے[1]، اپنے علم و فضل، دینداری اور تقویٰ کی وجہ سے اپنے عہد کے امام ابو حنیفہ سمجھے جاتے تھے، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ہے:۔

امامے عالم ذوفنون متبحر متقی بسیار فضل متدین از فرزندان امام عالم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ در ایام و عہد خود ابو حنیفہ ثانی بود[2]

گویا قطب الدین کو اس کی قسمت نے ایسے گھر پہنچایا جو دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا تھا، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ہے کہ قطب الدین نے امام فخر الدین کے گھر میں کلام پاک پڑھنا شروع کیا، اور ان کی برکت سے کلام پاک کی ایسی تعلیم پائی کہ قرآن خواں کے نام سے مشہور ہو گیا،

قرآن در خانہ آن امام بزرگ آموخت و از برکت نظر او قرآن خوان شد و بدین نام معروف گشت و ترکان ببازی و دویدن و نرد و شطرنج باختن معروف شدند او بقرآن خواندن مشہور گشت و بسبب برکت قرآن خواندن اقبال و دولت و دوستکامی روے بدو آورد[3]۔

طبقات ناصری کے مؤلف کا بھی بیان ہے کہ قاضی فخر الدین نے اس زر خرید غلام کو اپنے بچوں ہی کی طرح کلام پاک پڑھوایا، اور سواری اور تیر اندازی کی بھی تعلیم دی[4]، فرشتہ رقمطراز ہے کہ قطب الدین اپنے آقا قاضی فخر الدین کے لڑکوں کے ساتھ مکتب جاتا، اور تھوڑے ہی دنوں میں کلام پاک پڑھنے لگا، لکھنے پڑھنے سے واقف ہو گیا، اور دوسرے آداب اور کمالات میں بھی اچھی طرح مہارت حاصل کر لی[5]، قاضی فخر الدین کی وفات کے بعد ان کے کسی لڑکے نے قطب الدین کو کسی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا، جس نے اس کو سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا، سلطان نے بڑی قیمت دیکھ خرید لیا، اس کی صورت خراب ہونے کے علاوہ اس کی چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی، اس لیے لوگ اس کو ایک شل

---

[1] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [2] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ڈے نی سن روس ص ۲۱ [3] ایضاً
[4] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [5] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۱، نولکشور پریس،

(خستہ انگشت) کہتے تھے[1]، آگے چل کر ایک شل کے بجائے عرف ایبک ہی اس کے نام کا جزء ہوگیا،

حالانکہ ایبک کے معنی صرف انگلی ہی کے ہیں،

ترقی مدارج وہ رفتہ رفتہ اپنے اوصاف و محاسن کا سکہ سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے درباریوں پر بٹھاتا گیا، سلطان شہاب الدین نے ایک رات بزم نشاط منعقد کی، خوشی کے عالم میں اس نے تمام غلاموں کو انعام میں چاندی سونے اور روپے پیسے عطا کیے، قطب الدین کو تمام غلاموں سے زیادہ دیا، لیکن جب محفل عشرت ختم ہوئی، اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنے سارا انعام ادنیٰ غلاموں میں تقسیم کر دیا، جب اس کی خبر سلطان کو ہوئی تو وہ اپنے ایک غلام کی بلند حوصلگی اور فیاضی سے خوش ہوا، اور اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا، اور اس کی جگہ اپنے تخت کے سامنے مخصوص کی[2]، اور پھر وہ روز بروز سلطان کی آنکھوں کا تارا ہوتا گیا، پہلے تو وہ امیر خور کے عہدہ پر مامور کیا گیا، اور جب غور، غزنین اور بامیان کے سلاطین نے مل کر خراسان کی طرف سلطان شاہ کے خلاف یورش کی تو اس لشکر میں وہ علفچیوں کا سردار تھا، ایک روز وہ اپنے لشکر کے مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے بڑھ کر اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا، قطب الدین ان سے بہادری سے لڑا، لیکن اس کے ہمراہی تھوڑے تھے، اس لیے وہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا، لیکن جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لاد کر سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا، سلطان نے اس کو پنجرے سے نکالا، اور طوق آہنی کے بجائے موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے[3]، اس کے بعد قطب الدین کے درجات اور بھی بڑھتے گئے، ۱۱۹۱ء ۵۸۷ھ میں شہاب الدین اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے راجہ کو اپنا باجگذار بنا کر غزنیں واپس

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۸ [2] ایضاً و طبقات اکبری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ج ۱ ص ۴۱،

[3] طبقات ناصری ص ۱۳۹، فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

جانے لگا تو قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا اقطاعدار (ایال) اور ہندوستان کا سپہ سالار بنایا،[۱]
قطب الدین نے اس جلیل القدر عہدہ کے فرائض اچھی طرح انجام دیے اور اسی کے ساتھ میرٹھ،
دہلی اور رنتھنبور کو تسخیر کرکے اپنے فن سپہگری کے بھی پورے جوہر دکھائے، چنانچہ ۵۸۸ھ/۱۱۹۳ء میں سلطان
شہاب الدین نے اس کو غزنین بلا کر اس کے کارنامے کی داد دی اور بے شمار قیمتی تحفے عطا کیے، غزنین
سے واپس ہوکر قطب الدین نے اپنی فوجی سرگرمیاں اور تیز کردیں، اور جب شہاب الدین غوری قنوج
اور بنارس کے راجہ جے چند سے جنگ کرنے کے لیے ہندوستان پہنچا تو قطب الدین اپنے آقا
کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھا، اور اس کے حضور میں ایک سو عربی گھوڑے، پچاس ہزار سوار، ہاتھی
اور اونٹ پیش کیے،[۲] سلطان ان تحائف سے خوش ہوا، اور اس کو پیشرو لشکر بنا کر آگے قنوج کی طرف
بھیجا، اس لڑائی میں قطب الدین نے اپنی وفاداری، جانبازی اور سپہگری کا کچھ ایسا ثبوت دیا کہ
سلطان شہاب الدین نے اس کو اپنا فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور ایک سفید ہاتھی عطا کیا،[۳]
قطب الدین کا ستارۂ اقبال چمکتا گیا، اور اس کی فوجوں اور اس کے فوجی سرداروں کے
لشکری گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز گجرات، راجپوتانہ، گنگ و جمن کے دوآب، بہار اور بنگال،
ہر طرف سنائی دینے لگی، اور ہر جگہ اس کی فوجیں فتح کا ڈنکا بجاتی اور نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل
ہوئیں، لیکن وہ اب تک اپنے کو آقا کا غلام ہی سمجھتا رہا۔

تخت نشینی جب شہاب الدین غوری شہید ہوا، اور سلطان محمود بن غیاث الدین اس کا شرعی
وارث بنا تو اس نے قطب الدین کی عزت اپنے چچا سے زیادہ کی، تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین
کو سلطان کا خطاب دیا، چتر اور امارت بادشاہی عطا کی، اور اسی کے ساتھ آزادی کا فرمان بھیجا،

---

۱ طبقات ناصری ص ۱۳۹، تاج المآثر (نسخہ پروفیسر محمد حبیب، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۲ و ۳ فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

قطب الدین نے خلعت اور فرمان کا استقبال دہلی سے چل کر لاہور میں کیا، اور اپنے آقا کے گھرانے سے اپنی وفاداری کی یہ قدر دیکھ کر پھولا نہ سمایا، محمود کا خلعت لے کر ۱۸ ذیقعدہ سنہ ۶۰۲ھ (مطابق جون سنہ ۱۲۰۶ء) میں لاہور میں تخت نشین ہوا[1] جس کے بعد ہندوستان کی سیاسی، تمدنی، عمرانی اور علمی تاریخ کا ایک نیا شاندار باب شروع ہوا،

لاہور اس وقت نہ صرف فوجی حیثیت سے ایک اہم مقام تھا، بلکہ یہ اربابِ فضل وکمال اور اصحاب زہد واتقیا اور صوفیہ ومشائخ کا مسکن بھی تھا، تاج المآثر میں ہے:

"وخطۂ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین ومطلع خورشید ارباب یقین ومنشا اصحاب فضل وتقوی وماٰمن زہاد وعباد ومسکن اقطاب واوتاد گشتہ است دار الملک دولت شد"

قطب الدین ایبک نے ایک اجنبی ملک میں اپنی نئی حکومت کی بنا ڈالی، اس لیے اس کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کو نہ صرف اپنی سلطنت کے حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی دھن رہی، بلکہ بہتر سے بہتر عدل وانصاف، نظم ونسق قائم کرکے لوگوں کے دلوں کی تسخیر کی بھی فکر رہی۔

شاہی القاب | اس نے تخت نشینی کے وقت جو القاب اختیار کیے تھے، ان میں مظفر، منصور، عادل، مجاہد، غازی، ظہیر الایام، مجیر الانام، کہف الاسلام والمسلمین اور ناصر الاسلام کے بھی القاب تھے،[2]

[1] طبقات ناصری ص ۱۴۰، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ۱۷ ذیقعدہ مرقوم ہے، [2] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں قطب الدین ایبک کے پورے القاب یہ درج ہیں: ملک مؤید مظفر منصور، عادل، مجاہد، غازی، قطب الدنیا والدین، کہف الاسلام والمسلمین، اکرم الملوک والسلاطین ظہیر الایام، مجیر الانام، جلال الدولۃ، کمال الملۃ، قاطع الکفرۃ والمتمردین، قاتل الفجرۃ والمشرکین، حامی البلاد، راعی العباد، ناصر الاسلام کاسر الاصنام شہریار الزمان، ابو الفوارس ایبک السلطانی نصرۃ امیر المومنین اعلی اللہ شانہ وخلد ملکہ وسلطانہ (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۲) تاج المآثر میں یہ القاب اس طرح درج ہیں: قطب الدنیا والدین، رکن الاسلام والمسلمین، کہف الملوک والسلاطین قاطع الکفرۃ والمشرکین، قاہرۃ الفجرۃ والمتمردین صفی الایام، رضی الانام، ظہیر الملۃ، مجیر الامۃ، المؤید من السماء، المنصور علی الاعداء، تاج المعالی عضد الخلافۃ شہریار، غازی خسرو ہندوستان، ابو الحرث ایبک سلطانی نصرت امیر المومنین خلد اللہ دولتہ واعلی رایتہ۔

مختلف لڑائیوں میں اپنی شجاعت اور بہادری کا جوہر دکھا کر اس نے مظفر منصور، مجاہد اور غازی کے القاب کو حق بجانب ثابت کیا، طبقات ناصری میں ہے کہ

"حق تعالیٰ او را شجاعت و کرمے بخشیدہ بود کہ در شرق و غرب عالم در عصر او بادشاہے

را نبود (ص ۱۳۷)

پھر تخت پر بیٹھ کر جس عدل و انصاف کا نمونہ پیش کیا وہی آیندہ نسلوں کے لیے روایت بن گیا،

فخر مدبر کا بیان ہے کہ قطب الدین نے تائید ایزدی، تدبر اور اصابت رائے سے اس ملک میں ایسا نظم و نسق قائم کیا اور ایسے قوانین و قواعد بنائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برابر بادشاہی اور حکمرانی کرتا رہا ہے اور عدل کی ایسی بنا ڈالی کہ اس کے لشکر میں ترک، غوری، خراسانی، خلجی، ہندوستانی، راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب ہی تھے لیکن کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ گھاس کی ایک پتی یا ایک چپاتی یا جنگل سے بکری یا آبادی سے کسی کی کوئی چڑیا پکڑ لیتا، یا کسی رعیت کا گھر برباد کر دیتا، تاج المآثر کے مؤلف نے بھی اپنے خاص انداز میں لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک کی عدل نوازی کی بنا پر کبک نے باز، دراج نے عقاب اور تدرو نے شاہین سے امن پایا، لومڑی اور ہرن شیر کے پاس اور بھیڑیا بکری کے نزدیک رہا کرتا تھا، اسکی حکمرانی کی اس عام پالیسی کی بنا پر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس کے "عادل" ظہیر الایام (زمانہ کی پشت) ظہیر الامت (امت کی پشت) رضی الانام (مخلوق میں مقبول) اور مجیر الانام (مخلوق کی جائے پناہ) جیسے القاب صحیح تھے،

اتباع خلفائے راشدین

وہ کہف الاسلام والمسلمین، ناصر الاسلام اور رکن الاسلام بھی کہلاتا تھا، اس نے ان القاب کا بھی اپنے کو مستحق بنایا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ میں خلفائے راشدین کے نمونے پیش نظر رکھتا تھا، چنانچہ سخاوت میں حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کی، عدل میں حضرت عمرؓ کی تقلید کی، دیانت میں حضرت عثمانؓ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا اور شجاعت و مردانگی میں

حضرت علیؓ کی مثال سامنے رکھکر اپنی سپہگری کا جوہر دکھایا،[۱] ظاہر ہے کہ ان محاسن کے ساتھ اس کی حکومت اہل ہند کے لیے کیسی رحمت الٰہی رہی ہوگی، افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخوں نے ان محاسن کا ایک اجمالی بیان دے کر ان کی تفصیل لکھنا غیر ضروری سمجھا، اگر وہ تفصیل بھی لکھتے جاتے تو آج اس عہد کے حکمرانوں کی تاریخ کس قدر روشن، تابناک اور باوقار ہوتی،

شریعت نوازی

فخر مدبر نے مختصر طریقہ پر یہ لکھا ہے کہ قطب الدین نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی زندگی اسلامی اور شرعی نہج پر تشکیل کرنے کی کوشش کی، مثلاً ان کی جائداد سے جتنے غیر شرعی خراج لیے جاتے تھے، ان کو ختم کر دیا، اور شریعت کے مطابق عشر لینے کا حکم جاری کیا، جس سے عام طور پر مسلمان خوش ہوئے، اس کے علاوہ تمام نامشروع بدعتیں بھی دور کر دیں، اور سنت کی پیروی کرنے اور کرانے کی عام تلقین کی، اور اس کو اس میں کامیابی بھی ہوئی، اس کی تصدیق تاج المآثر کے حسب ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے:

"شعار شرایع اسلام بہ غایت ظہور انجامید، ومناہج وشعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست وآفتاب سعادت از افق تائید بہ دیار ممالک نور انداخت وماہ جلالت از سپہر کامگاری برعرصہ ممالک سایہ افگند وروضۂ دین بہ عقل زرین نضارت از سر گرفت وبیضۂ اسلام برائے متین آرایش بے نہایت یافت

تاج المآثر کے مؤلف کا بیان یہ بھی ہے کہ شرع وسنت کی ترویج میں احکام حنفی کا خاص لحاظ رکھا گیا،

وعذبات وآیات شرع وسنت تنسیم صبح ہدی خافق گشت واعلام احکام حنفی سربذروۂ کیوان واوج گنبد گردان افراخت۔"

[۱] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۵۹-۵۴

چنانچہ شریعت کی پابندی، نیکی وخیرات، تسبیح وتہلیل کا عام رواج تھا،

در اظہار شرع و منار اسلام تاکید بسزا رفت وبنائے طاعات وارکان خیرات افراشتہ

آمد، ورسوم بدعت وقوانین ضلالت اندراس پذیرفت .... وزجل تسبیح وتہلیل والحان

مؤذنان بکیواں رسیدہ[1] ....

قطب الدین نے بچپن میں ایسے گھر میں زندگی گذاری تھی جس کے ہر فرد کے رگ وریشہ میں شریعت اور خصوصاً فقہ سرایت کرگئی تھی، اس لیے وہ بادشاہ بنکر شرعی اور فقہی احکام کی تعمیل کرانے میں سرگرم رہا، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ زمانہ بھی وہ تھا جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں قدم رنجہ فرماکر اس سرزمین کو اسلام کے انوار وتجلیات سے معمور کررہے تھے، ایک طرف وہ اپنی بے نفسی، سیرت کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جلالت وعظمت قائم کررہے تھے تو دوسری طرف قطب الدین اپنی نبرد آزمائی، عدل گستری، شریعت نوازی اور رعیت پروری سے اسلام کی سطوت وحشمت کا سکہ بٹھا رہا تھا، اور دونوں کی نیتوں میں اخلاص تھا، اس لیے جس دین اور سیاست کا پرچم دونوں نے لہرایا وہ اس سرزمین پر برابر لہراتا رہا۔

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نزول اجلال راجہ پتھورا کے زمانہ میں ہوا، اور ان کا وصال سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں ہوا، قطب الدین ایبک اپنے آقا شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آیا تو اس وقت حضرت خواجہ اجمیر ہی میں مقیم تھے، ان کی مدت قیام میں قطب الدین کئی بار اجمیر شریف گیا، لیکن تذکروں اور تاریخوں میں دونوں کی ملاقاتوں کا کوئی ذکر نہیں، قیاس یہی کہتا ہے کہ دونوں میں ضرور ملاقاتیں ہوئی ہونگی اور قطب الدین کو حضرت خواجہ معین الدینؒ سے مل کر جو فیوض حاصل ہوئے ہوں گے، ان کی بدولت اس میں اسلام کی خدمت کا جذبہ اور بھی زیادہ پیدا ہوا ہوگا۔

[1] تاج المآثر قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد حبیب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

لیکن تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے، اس لیے ہم بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے قاصر ہیں،

علم نوازی

قطب الدین کو اپنے لوازم شاہی کے سلسلہ میں معارف نوازی اور علم پروری کی بساط بھی بچھانی تھی، اس کا وقت تو زیادہ تر ایک نوزائیدہ سلطنت کے سنوارنے میں گذرا، پھر بھی غزنین اور غور کی روایات کے مطابق وہ علماء، فضلاء اور شعراء کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیتا اور ان کی سرپرستی کرتا رہا، تاج المآثر میں ہے:

"و توقیر و احترام علمائے دین کہ ورثۂ انبیاء و خزنۂ علوم شریعت و حقیقت اند و بشرف قربت و مزیت درجۂ اختصاص یافتہ واجب و متعین دانست و اعزاز و اکرام ایشان بر وفق کتاب و سنت مقدمۂ بختیاری و عمدۂ جہانداری شناخت۔"

ان علماء کی قدردانی کا ذکر ایک جگہ اور تاج المآثر میں اس طرح ہے:

"و ائمۂ و علمائے دین کہ نگین خاتم شریعت و واسطۂ قلادۂ سنت و در درج فتوی و عقد درج تقویٰ و مرکز دائرہ علم و قطب فلک فضل و ماہ آسمان معانی و خورشید سپہر معانی اند...... بلطف اعزاز و نواخت کرامت و تشریف اسپ و ساخت اختصاص یافتند۔"

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود و سخا میں مشہور تھا، بادشاہ ہونے کے بعد اسکی فیاضی و داد و دہش کے واقعات ضرب المثل ہو گئے، وہ انعام و اکرام میں لاکھوں روپئے تقسیم کر دیتا، اور اسکی یہ زرپاشی صرف اس کے اہل دربار ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ ہر محتاج اور ضرورت مند اس کی سخاوت سے فیضیاب ہوتا تھا، اسی لیے وہ لک بخش کے نام سے مشہور ہوا۔ شعراء اور فضلاء بھی اس کے خوان کرم سے متمتع ہوتے رہے، جن میں سے ہم یہاں پر بعض کا ذکر کرتے ہیں

بہاء الدین اوشی

مولانا بہاء الدین اوشی اوش سے ہندوستان آئے، اپنے زمانہ کے مشہور شاعر اور ادیب تھے۔

عوفی نے لباب الالباب میں ان کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

"الامام الاجل بہاء الدین محمد الاوشی، ایک خوشگو واعظ، جوان طبع، انشاء پرداز اور فصیح لطیفہ[1] پرداز تھے۔ ہمیشہ اپنے کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ اے بہا اوشی تو بہاؤ اوشی (یعنی اے بہاء اوشی تو اوش کی رونق ہے) ان کی نظم بھی پسندیدہ اور خوشنما ہوتی تھی لیکن ان کی نثر نظم سے بہتر تھی، اور تمام معاصر فضلاء نے انصاف کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ بدیہہ گوئی میں کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا۔[2]

ہندوستان آ کر قطب الدین ایبک کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور اس کی شان میں قصائد کہہ کر اپنی خوش گوئی اور فصیح البیانی کی داد لیتے، اور اس کے فیض و کرم سے سیراب ہوتے، مندرجۂ ذیل قصیدہ میں انھوں نے قطب الدین ایبک کی بہادری، فیاضی اور عدل پروری کا ذکر جس والہانہ انداز سے کیا ہے، وہ سلطان وقت کی ذات سے ان کی شیفتگی اور خود سلطان کی علم پروری کی دلیل ہی۔

اے قطب آسماں کہ ز سہم دز باسِ تو	در روز رزم رستم خونخوار بشکند
از شرم فیض قلزم مواج کفِ تو	در وقت بزم بحر گہر بار بشکند
قطبی و آفتاب ز نور تو وام خواست	گر رو کنی ز تو دل آن یار بشکند
در قدر تو بگرو فلک بر نیامدی	ہم کار و بار گنبد دوار بشکند
ناہید گر نہ گوید مدحِ تو در نوا	زخمہ اش بوقت زخم بر او تار بشکند
بے بوئے خلق تو نتواند صبا بعہد	کز جعد زلف یار یکے تار بشکند
بر ہر کہ بوئے خلق تو روزی گذر کند	او آرزوے نافۂ تاتار بشکند
اسرار روزگار ہر ست ورائے تو	ہر روز بکر نامۂ اسرار بشکند
تو مرکزی و چرخ چو پرکار گرد تو	یکسر اگر شود ز تو کار بشکند

[1] ان کے کچھ لطیفے لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۰ پر درج ہیں [2] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۰

خارے کہ پائے بے زرۂ خصم تو نخست	دستِ زمانہ خود سرآن خار بشکند
در گرد صیتِ تو نرسد خوش شر و صبا	سیار تیز رو نہ زطیار بشکند
بازار ظلم اگر بشود گرم در جہان	از عدلِ تو ستم را بازار بشکند
ار نشکند ردیف نکردم زبہر آن	تا یاد شعر طرہ بہنجار بشکند
باد احیات ذات تو جفت ثبات و عز	تا آنگہے کہ طاق نگونسار بشکند[1]

اوپر کہا جا چکا ہے کہ قطب الدین اپنی فیاضی کی وجہ سے لک بخش مشہور تھا، مولانا بہار الدین اوشی نے اس خطاب کے ساتھ اس کی مدح اس طرح کی ہے

اے بخشش لک تو در جہان آوردہ	کان را کف تو کار بجان آوردہ
از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان	وز لعل بہانہ درمیان آوردہ

ان اشعار کو تمام مورخوں نے نقل کیا ہے، لباب الالباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہار الدین ہندوستان سے مراجعت کرکے اپنے وطن اوش چلے گئے، اور وہاں وہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور ہوئے، روز روشن میں ان کی وفات کی تاریخ ۶۰۷ھ درج ہے۔

جمال الدین محمد قطب الدین ایبک کے ایک دوسرے درباری شاعر کا نام عوفی نے الصدر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے جس کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ عوفی کے اس بیان سے ہوگا۔

"فضل و بزرگی کے فلک پر ایک قطب اور مجد و بزرگواری کے آسمان پر ایک چاند تھا، اپنے فضائل میں عدیم المثال، اور فنون میں بے نظیر، بلاغت و براعت میں تمام معاصروں سے سبقت لے گیا تھا، برسوں ملوکِ جہال کی دولت سے فیضیاب ہوتا رہا......... اس کے مؤلفات

[1] لباب الالباب از محمد عوفی جلد اول ص ۱۸۹

تمام اطراف میں مقبول ہیں، .... مجلس آرائی شہابی اس کی ایک مختصر لیکن بہت مفید تصنیف ہے، اس سے اس کے فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کے اشعار میں لطافت اور فصاحت ہوتی ہے، اور دونوں زبان میں اس کے شعر ہیں۔" (جلد اول ص ۱۱)

قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدردانی کی اور اس کے التفات شاہانہ سے جمال الدین محمد کی زندگی عیش عشرت میں گذری، عوفی رقمطراز ہے کہ

"و از اقبال سلطان سعید با عیشے حمید روزگار گذاشت"[1]

جمال الدین محمد بھی شاہی لطف و عنایت کا معترف ہو کر آقا کی مدح میں قصیدے لکھتا اور اپنی شاعری کا جوہر دکھاتا، ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

خداوندا شہے گیتی ستانے	کہ شاہاں جہانش بندگانند
گہے آثار او در ہند بینند	گہے فرمان او در روم خوانند
چو خصمانرا از باس او یقین شد	ہم از ہستی خود اندر گمانند
گہے در خدمتش قائم چو تیراند	گہے نالاں ز بیمش چوں کمانند
ندارند از جنابت مجرمان باک	اگر از رحمت و عفوش بدانند

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے،

آن مظفر کامگار و آن موید نامدار	آن مکرم شہریار و آن مبارک پادشاہ
عالمی در صدر مسند لشکری در خسم زین	آسمانے در قبا و آفتابے در کلاہ
صورت بخشش چو بر تخت مبارک دید گفت	ایزت روشن رے آذات و ایزت زیبا روے شاہ
آنکہ حلم طبع او وقت طلوع آفتاب	زرد رخ دارد ز خجلت کوہ را مانند کاہ

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۱۱

آخر ماہ از شعاع روی او پنہان شود | اول مہ رخ نماید سر فرو افگندہ ماہ
فرط عدلش آہوان را پاسبان خواہد ز شیر | فیض اقبالش ز سنگ خارہ رویاند گیاہ
باس او گر شعلۂ در عرصۂ عالم زند | آتش فتنہ بظل رحمتش جوید پناہ
در بماند لذت عفوش کہ چندو تا کجاست | ہر زمانے تازہ گردد مہر جانے بر گناہ
چون بعوت پاے قدرت بر سر کیوان نہاد | گنبد آئینہ گون گردد از زبان صبح آہ
بر بساط بارگاہ و ساحت درگاہ اوست | گاہ قیصر بار خواہ و گاہ خاقان داد خواہ[1]

قاضی حمید الدین | قطب الدین ایبک کے دربار کے تیسرے پروردہ شاعر کا نام عوفی نے القاضی الامام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی لکھا ہے، عوفی اس کے علمی فضائل اور شاعرانہ کمال کا بہت مداح ہے، اور اس کو "قدوۂ افاضلِ عصر و والی و متصرف بر ولایت نظم و نثر" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ

"رسالت و منشآت او دریں بلاد مشہور است و برزبانہاے فضلا مذکور"

ان رسائل و منشآت کا نام معلوم نہ ہو سکا، البتہ اس کے کلام کے نمونے لباب الالباب میں ہیں، سعد الدین مسعود نے ایک بار اس کو ایک قطعہ لکھ بھیجا، اس قطعہ کی ردیف عقیق تھی، جب یہ قطعہ علی بن عمر المحمودی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں، اسی حالت میں اس نے قطعہ کا حسب ذیل جواب لکھ کر سعد الدین مسعود کو ارسال کیا،

فرزانہ سعد دولت و دین صدر اہل فضل | دور از تو ہست چشم من از درد چون عقیق
در جزع دیدگانم دُرّی کہ داشتم | گشت از رمد بعینہ آن در کنون عقیق
از کان عقیق زاید و از بحر چشم من | بر عند و عکس آید ہر دم برون عقیق

---

[1] لباب الالباب ج ا ص ۱۱۸، ۱۱۹، اس تذکرہ میں جمال الدین محمد کے کلام کے اور بھی نمونے ملیں گے۔

زین پیش بحر ردیم ہر گز شبہ نداد	واکنوں چہ شد کہ دادم این دو ہزار عقیق
از دیدہ در دو دیدہ چو بہتر شود مرا	سازم ردیف مدح توائے ذوفنون عقیق[۱]

عوفی نے السید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"مدتہا دیوان انشا، سلطان شہید برسم او بود"

عوفی نے "سلطان شہید" کا لقب قطب الدین ایبک اور معزالدین سام شہاب الدین غوری دونوں کے لیے استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ظہیر الدین سلطان معزالدین ہی کی ملازمت میں ہوگا، کیونکہ عوفی نے قطب الدین ایبک کے حریف تاج الدین یلدز سے ظہیر الدین کے گہرے تعلقات کی کچھ تفصیل لکھی ہے، ظاہر ہے کہ قطب الدین ایبک کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد ظہیر الدین یلدز کے دربار سے منسلک نہیں ہوسکتا تھا، ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس کی دو رباعیاں پیش ہیں، اس سے اسکے کلام کے رنگ کا کسی قدر اندازہ ہوگا،

(۱)

یک ذرہ چو نیست در منت لبتگی	منمائے دل ریش مرا خستگی
کم کن جفا و جور چند انک دلم	خو باز کند از تو بآہستگی

(۲)

اگر سیفیی با تو طریق جور سپرد	جفات گفت و بیاز روت از جنون دیدہ
بعافیت نظرے کن بعافیت میری	مقابلہ چہ کنی مرسفیہ را بسفہ

تاج المآثر اس عہد کی مشہور و معروف تاریخ تاج المآثر قطب الدین ایبک ہی کی خواہش پر لکھی گئی ہے، اسکا مؤلف حسن نظامی نیشاپوری تھا،[۲] وطن میں سیاسی اختلال و انتشار سے جب اس کی قدر نہ ہوئی، تو قسمت آزمائی

---

[۱] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۰۵ [۲] پروفیسر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مقالہ میں حسن نظامی نیشاپوری کو چہار مقالہ

(باقی حاشیہ ص ۱۵ پر)

کے لیے غزنی پہنچا، یہاں کے زمانۂ قیام میں بہت سے علماء و فضلاء کے ساتھ اس کے روابط قائم ہوئے اور یہیں سے ہندوستان کی دولت کی شہرت سن کر اپنے چند دوستوں کے ساتھ دہلی روانہ ہوا، اور سفر کی ناقابل برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد دہلی پہنچا، اور قاضی القضاۃ شرف الملک[۵] کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی جب اس کی علمی صلاحیتوں کی شہرت ہوئی تو اس کے دوستوں نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ سلطان وقت کی خواہش کے مطابق اس کے عہد کی تاریخ قلمبند کرے، قطب الدین ایبک نے اسی زمانہ میں اپنے فتوحات کا حال لکھنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حسن نظامی نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنی شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد بھی تصنیف جاری رکھی،

یہ کتاب اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے حالات میں پہلی تاریخ ہے، شروع میں سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر آخری پانچوں حملوں کا ذکر ہے پھر قطب الدین ایبک کے عہد حکومت کی تفصیل ہے، اس کے بعد آرام شاہ کا تو ذکر نہیں، لیکن شمس الدین التمش کے عہد کے پہلے سات سال کے سیاسی و حربی واقعات ہیں[۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴) کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی کا لڑکا بتایا ہے (روداد ادارہ معارف اسلامیہ ۱۹۳۶ء) کشف الظنون جلد اول ص ۱۱۲ میں تاج المآثر کے مؤلف کا نام صدر الدین محمد بن الحسن النظامی مرقوم ہے،

[۵] پروفیسر حبیب کے نسخہ میں "صدر اعلیٰ شرف الملک" مرقوم ہے۔ [۲] اس کتاب کے تاریخی واقعات کی سرخیاں یہ ہیں: (۱) فتح اجمیر (۲) رسالت فرستادن برائے اجمیر (۳) تفویض ایالت اجمیر بہ پسر رائے پتھورا (۴) فتح دہلی (۵) صفت قلعۂ دہلی (۶) صفت لشکرگاہ در حدود دہلی بموضع اندپت (۷) ذکر ایالت کہرام و سامانہ (۸) صفت سواری بادشاہ از جہت شکار و لوازم آں (۹) انہزام جتوان و کشتن او در جنگ (۱۰) ہزیمت کفار (۱۱) استخلاص میرٹ و دہلی۔ (باقی صفحہ ۱۶ پر)

یہ تاریخ شروع سے آخر تک بہت ہی مرصع، مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے، تحریر میں طرح طرح کی صنعتیں دکھائی گئی ہیں، جنگ کے اسلحہ مثلاً تیغ، نیزہ، تیر، خم کمند وغیرہ، بزم کے لوازم مثلاً ساقی، مے، حباب بر پیالہ، ارباب طرب، چنگ، بربط، کمانچہ، دف، جشن، عشرت وغیرہ، قدرتی مناظر مثلاً ماہ نو، شب کواکب، گل، گلزار وغیرہ، مختلف موسموں مثلاً بہار، خزاں، تابستان وغیرہ، مختلف فصل مثلاً خریف، ستا، خزان، وغیرہ کے بیان میں ورق کے ورق رنگ دئے ہیں، اسی طرح ہاتھی، گھوڑے، خربزے، قلم، آگ، طبیب، بیماری اور صحت وغیرہ پر صفحے کے صفحے بھرے ہیں، بظاہر صفت (صنعت) وصف نگاری کا کمال دکھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس وصف نگاری میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵) (۱۲) عصیان ہثیرراج، برادر رائے اجمیر (۱۳) نہضت مبارک بر صوب غزنہ (۱۴) رجوع شاہجہان بمقرہ عز و دولت و مرکز سعادت (یعنی دہلی) (۱۵) مسجد آدینہ (۱۶) نہضت مبارک بر جہت قلعہ کول و خطہ بنارس (۱۷) استخلاص حصن قلعہ کول و ضبط آن زمین (۱۸) جنگ بنارس با جے چند کہ رائے قنوج بود (۱۹) اتفاق عزیمت رایات اعلی بہ طرف غزنہ (۲۰) نہضت مبارک بہ طرف کول و تفویض ولایت آن موضع بہ ملک الامرا حسام الدین علیک (۲۱) مراجعت بحضرت دہلی (۲۲) فتح اجمیر کرت دوم (۲۳) فتح قلعہ تھنکر (۲۴) تفویض ایالت تھنکر بہ بہاء الدین طغرل (۲۵) فتح کالیور و مراجعت بدار الملک (۲۶) جنگ نہروالہ و انہزام رائے نہروالہ (۲۷) فتح قلعہ کالنجر (۲۸) صفت حصار کالنجر (۲۹) تفویض قلعۂ کالنجر بہ ہزبر الدین حسن ارنب (ارنال) (۳۰) مراجعت خداوند سلطان السلاطین از خوارزم و غزنہ کوکر (۳۱) شہادت خداوند سلطان السلاطین معز الدین والدین محمد سام انار اللہ برہانہ (۳۲) مرتب شدن امرائے اطراف در سلک خدمت و مسلم شدن ممالک ہند و سند بہ ملک قطب الدین ایبک (۳۳) وفات خداوند سلطان سعید قطب الدین والدین ایبک

پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ) کے نسخہ میں شمس الدین التمش کے عہد کے واقعات نظر سے نہیں گذرے جو شاید نقل کرنے سے رہ گئے ہیں۔

لفظی صنائع زیادہ ہیں، نثر مرجز (یعنی وہ نثر جس کے دونوں فقروں کے کلمات مقابل ہم وزن ہوں، مگر ہم قافیہ نہ ہوں) کے نمونے ہیں، کہیں سجع مطرف کی مثالیں ہیں، (یعنی دو فقروں کے کلمے وزن میں اور ردی میں متفق) اور کہیں سجع متوازی ہیں (یعنی دو فقروں کے کلمے وزن اور ردی دونوں میں متفق) اور کہیں پہلے فقرے کے تمام الفاظ دوسرے فقرے کے تمام الفاظ کے وزن اور ردی میں پوری مطابقت رکھتے ہیں، یعنی بالکل مرصع ہیں، یہ آرٹ اس عہد میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، مگر اب یہ آرٹ خصوصاً نثر مسجع و نثر مرصع موجودہ ذوق پر گراں گزرتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس میں بارہ ہزار سطریں ہیں جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں، بقیہ سطروں کو منظوم منثورات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا،

اس میں شک نہیں کہ حسن نظامی نے یہ کتاب لکھ کر ادب و انشاء میں اپنی غیر معمولی مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے، مگر شاید اس زمانہ میں مرصع و مسجع انشاء پردازی کے لیے ہندوستان کی فضا سازگار نہیں ہوئی تھی، اس لیے حسن نظامی کا طرز انشاء مقبول نہیں ہوا، چنانچہ اس عہد کی تاریخوں میں طبقات ناصری کی زبان تو بہت آسان اور عام فہم ہے، تاریخ فخر الدین، مبارک شاہ کی تحریر طبقات ناصری کی طرح سادہ تو نہیں لیکن تاج المآثر کی طرح پر تکلف بھی نہیں، ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کہیں کہیں ترصیع تکرار لفظی و معنوی، خطابت اور شاعرانہ تخیل سے کام لینے کی کوشش تو کی ہے، لیکن وہ مرصع نہیں ہونے پائی ہے، بلکہ اس کی رنگیں بیانی میں موجودہ مذاق کے مطابق بھی ادبی شان ہے، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی زیادہ لفظی اور معنوی تصنعات نہیں ہیں، یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کی زبان تو بہت ہی سادہ ہے، مسجع اور مرصع انشاء پردازی، درحقیقت پرشکوہ اور پر تکلف تمدن کا نتیجہ ہے جو اس وقت پیدا نہ ہوا تھا، تیموری بادشاہوں کے دور میں ابوالفضل نے اکبر نامہ میں جو طرز اختیار کیا تو وہ اس دور کے تمدن کا لازمی نتیجہ تھا، سلاطین دہلی کے زمانہ میں تمدن کے مظاہر میں شوکت و جلال کا تو مظاہرہ تھا لیکن تصنع اور تکلف سے وہ

پاک تھا، اسی لیے اس عہد کی زبان بھی بہت زیادہ پر تکلف نہیں تھی۔ اس کا اطلاق امیر خسرو کی زبان پر کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نظم و نثر دونوں میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے اور ہر رنگ میں زبان و قلم کا جوہر دکھاتے تھے۔

تاج المآثر کے انشاء کے تکلف، تصنع اور آورد کے باوجود اس کے تاریخی واقعات میں سقم نہیں پایا جاتا۔ اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مورخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی، اور اسی کی بدولت قطب الدین ایبک کی زندگی کے حالات بعد کی نسلوں کو معلوم ہوئے، ورنہ ہندوستان کے پہلے مسلمان فرمانروا کے بعض اہم کارناموں پر تاریکی کا پردہ پڑا رہتا۔ تاریخ فخرالدین مبارک شاہی کے مؤلف نے قطب الدین ایبک کے تھوڑے بہت حالات اسی کو سامنے رکھکر قلمبند کیے ہیں، طبقات ناصری سے قطب الدین ایبک کے حالات ضرور معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ کچھ ایسے مختصر ہیں کہ ایبک کی ابتدائی زندگی خصوصاً اس کی سپہگری اور نبرد آزمائی کی تفصیلات اس سے ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ تاج المآثر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی ہوشمند سپہ سالار اور شیر دل سپاہی تھا، بڑی تیز رفتاری سے اپنے ہمراہ فوجیوں کو راستے طے کراتا، جتوان کے خلاف ہانسی کی طرف فوج لے کر بڑھا تو ایک رات میں تقریباً ۸۰ میل کی مسافت طے کی۔ اپنے نیزوں سے میدان جنگ میں قوی ہیکل ہاتھیوں کو گرا کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ کول کی جنگ میں تین ہاتھیوں کو اپنے تیروں سے ڈھیر کر دیا۔ اپنے آقا معزالدین سام کے ساتھ بنارس کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا تو راستے میں چار خونخوار شیر اپنی تلوار سے ہلاک کر دیئے۔

قطب الدین ایبک کی بعض جنگی فتوحات کو بھی طبقات ناصری کے مولف نے حذف کر دیا ہے، مثلاً ہانسی کے پاس قطب الدین ایبک اور جتوان کی جنگ کا ذکر طبقات ناصری میں بالکل نہیں، حالانکہ اس لڑائی میں قطب الدین کی فتح و کامرانی اس کی سپہگری کا بڑا کارنامہ ہے جو تاج المآثر ہی

کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اس کے مؤلف نے اپنے مخصوص زور قلم سے اس جنگ کی پوری تصویر کھینچی ہے، جس کے بعض حصے یہاں پر اس لیے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں کہ اس کی عبارت آرائی کے نمونے بھی سامنے آجائیں، [1]

رمضان المبارک ۵۸۸ھ میں جتوان نے ہانسی میں نصرۃ الدین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا،

"وچوں ماہ معظم رمضان سنہ ثمان ثمانین وخمسمایہ کہ موسم رحمت وموعد مغفرت است استقبال نمود، بدرگاہ ہمایوں خبر تازہ شد کہ جتوان لعین غرور شیطان در دماغ گرفتہ است وکلاہ سروری وسرکشی بر سر نہادہ ودر پایۂ قلعہ ہانسی بجنگ نصرۃ الدین سالارے برآوردہ بالشکرے یک دل کہ موقف جان سپاری وہنگامۂ سواری ....

قطب الدین کو خبر ملی تو اپنی شجاعت کا جوہر دکھانے کے لیے بے تاب ہوگیا،

"واز وصول ایں خبر در دل خسرو شیر دل آتش حمیت زبانہ زد وگوہر شجاعت خاصیت پیدا کرد وبجہت نصرت اسلام سوسن وار کمر بست وچوں گل تازہ خندان شد"

اور بڑی تیزی سے دشمن کی سرکوبی کے لیے بڑھا،

"و بادکردار سوئے آتش پیکار روئے نہاد وسمند باد رفتار ابر کردارش درگرد چشمہ خور نہان کرد وخاک با ماہ ہمراز گردانید"

اس کے ساتھ تیز رفتار سوار بھی تھے، جو شیروں کی طرح بہادر اور بہت ہی مشاق اور چابک دست تیرانداز اور شمشیر زن تھے،

"شیر فلک پیش شمشیر ایشان چوں شیر عود سوز خوار بودے وشیر بیشہ چو شیر گرمابہ بے قدر نمودے واز عقاب خدنگ ایشان سر طائر پہلو تہی کردے وقبہ زرین شیر گراں گردوں تیغ زنگ

---

[1] ان اقتباسات میں بیچ بیچ کی بعض عبارتیں خصوصاً فارسی اور عربی اشعار حذف کر دیے گئے ہیں،

چون تن خارپشت پر خار پیکان شدے، ماہی سپہر دولابی بساں کشف سر در کشیدے و کژدم

ایں طاس آب گوں میش در دم نہاں کردے و دل در ہر خرچنگ نارنگی بساں آثار شگافتہ

گشتے و ہر یک بنوک ناوک در شب بہ حکم بے آزار نقط سپید از سابقہ چشم برداشتے ....

لشکر کے علم پر چاند کا نشان تھا، اور قطب الدین کا چتر سیاہ تھا.

حاز ماہ رایت خسرو تاج خورشید بود، و از گوشۂ چتر سیاہش سایہ بر گردوں افتادہ

و ابر خاک مواکب و کتائب او بدیدہ آب می زد و باد غاشیہ رخش آتش پائے او

بر دوش می کشید۔

ان سواروں کی ہیبت سے پورا ہندوستان لرزتا تھا،

و کشورہند از نہیب سواران دشت محشر شد و مرکز خاک از بے قراری فلکے دیگر گشت

گفتی آسمان از عکس تیغ و خنجر دریائے اخضر ست و روئے ہوا از رایات سرخ زرد دیبائے

پر از زر ....

سرخ اور زرد علم پر چاند کے علاوہ شیر کا بھی نشان ہوا کرتا تھا،

و اژدہائے فلک از بیم اژدہائے علم نگوں می شد و شیر چرخ از شیر رایت بجاں

امان می خواست ....

قطب الدین اپنے لشکر بے کراں کے ساتھ جو ان کے خلاف مہم پر روانہ ہوا،

و خسرو با چنیں لشکر بے کراں .... و از شرہ کارزار و شغف پیکار شتابندہ از

ابر و باد بر روئے گردوں و صحن ہامون در دل شب تار رواں شد ....

اس نے اپنی فوج کے ساتھ رات بھر میں بارہ فرسنگ کی مسافت طے کی،

خسرو فیروز جنگ کہ ہمیشہ افسر وگاہ او برتر از گنبد مہر و ماہ باد در یک شب دوازدہ

فرسنگ براند، رہے کشندہ کہ مرغ از فراز کہسار آن دشوار گذشتے و باد از مساحت
دشت آن عاجز آمدے۔

چتوان نے اس فوج کی آمد پر پریشان ہو کر راہ فرار اختیار کی لیکن جب قطب الدین کی فوج
باگر کی سرحد تک پہنچ گئی تو چتوان مجبوراً جنگ کے لیے آمادہ ہوگیا۔

وبا آنکہ چتوان را مکنت مقاومت و مجال جنگ نبود اما چہ بنا کام خود را در کام
اژدہائے قتال دید و راہ ہزیمت و گریز بستہ و رایت دولت و اعلام نصرت خسروی
کشادہ بہ ضرورت حال نہ از سر اختیار کہ .... خنجر کین از نیام عداوت
برکشید و باد کردار گرد فتنہ برانگیخت و بہ تیغ آبدار آتش حرب افروخت

لڑائی شروع ہوئی تو ادنے بھینسے کے چمڑے کے نقارے پر ضرب لگائی گئی اور دوسرے
جنگی ڈھول باجے مثلاً تبیرہ، سپید مہرہ، طبل، دمامہ، نائے رومین کی آواز سے میدان جنگ
گونج اٹھا

واز نعرۂ جدال بر کوس چرم گوزن خروش برآوردہ و بانگ تبیرہ و آواز سپید مہرہ جان
بر سر گرفت .... و عدعد و عد طبل و دمامہ بعیوق برآمد و دم نئے رودین نفخ صور
پیدا آورد ....

دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے:

و ہر دو لشکر چون دو دریائے اخضر در تموج آمدند و بسان دو گروہ پولاد بریک دیگر
حملہ کردند و ہوائے نبرد از گرد سیاہ در شعر سیاہ شد و زمین جنگ از خون دلیران لعل پوش گشت

مؤلف نے قطب الدین کی نبرد آزمائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے جنگ کے ایسے
شعلے بلند کیے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، خون سے میدان جنگ رنگین ہوگیا، مخالف سرداروں کے

سروں کے ڈھیر لگ گئے۔

وشہریار سپر شکار بزخم پولاد از سنگ خارہ آتش می افروخت واز کشتہ وخستہ ممر باد بستہ می کرد واز خون بہ نعل اسپ رنگ لعل بدخشاں می داد و سر سروراں در پائے بادپایان چوگوی وزخم چوگان می افگند واز زبان زبان سنان آبدارش آتش حرب زبانہ می زد وبہ لمعان برق زخم شہاب دار روئے ہوائے فروخت واز خون بہ سنگ وریگ رنگ یاقوت رمانی ولعل بدخشانی می بخشید واز بیم چہرہ بے رنگ زہرہ گونہ زرد زریرمی یافت ....

جتوان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا

جتوان کہ مایہ شر وفساد واصل کفر وعناد بود وہم نشین وہم ندیم ندم شد واعلام شرک ورایات ضلالت او بدست قہر نگوں گشت

مذکورۂ بالا جنگ کی تفصیل کے علاوہ رائے پتھورا کے بھائی ہرراج کی باربار بغاوتوں کا ذکر بھی تاج المآثر ہی میں ملتا ہے۔ طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح کول کی فتح، گوالیار پر قبضہ، کالنجر کی تسخیر وغیرہ کی جو تفصیلات تاج المآثر میں ہیں وہ طبقاتِ ناصری میں نہیں ہیں، البتہ جب قطب الدین ایبک نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو اس وقت سے اس کی موت تک کے حالات تاج المآثر میں زیادہ نہیں ہیں۔ اس مدت کے واقعات کے لیے طبقاتِ ناصری ہی کا مطالعہ مفید ہے۔ تاج المآثر میں کہیں کہیں سنین کی غلطیاں بھی ہیں، لیکن بقول پروفیسر عندلیب شادانی، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ غلطیاں مؤلف کی ہیں یا کاتب کی ہیں۔ طبقات ناصری کے مؤلف نے نثر عاری کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ معلومات کم سے کم سطروں میں فراہم کر دیے ہیں لیکن تاج المآثر کا مؤلف اپنے قلم کی زنگارنگی اور بوقلمونی دکھانے میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ سطروں میں کم سے کم معلومات فراہم ہوتے ہیں۔ لڑائی کے بعد منہدم مندروں اور ہندو مقتولین کی

تعداد بتانے میں تو اس کا قلم بالکل ہی بے قابو ہو جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی تحریر میں اور بھی زیادہ غلو پیدا ہو گیا ہے، مثلاً ہانسی میں جب ان کو شکست ہوئی تو لکھتا ہے کہ یہ علاقہ شرک سے بالکل ہی پاک ہو گیا،

"بہ خنجر آب دار خاک رزمگاہ بخون آن مخذول سرشتہ شد و عرصۂ ممالک از نجاست شرک آن شستہ آمد"

البتہ مؤلف نے اپنے عہد کی دہلی کی جامع مسجد کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں عقیدت اور مفید معلومات کے علاوہ اثر اور کیفیت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً اس کی دیوار کے بارہ میں رقمطراز ہے،

دیوارش کہ ھی اعلی من مناط الثریا دست ارتفاع در کمر جوزا زدہ بسان سد سکندر دیناء ہرمان بہ سنگ خارہ استحکام یافت

منبر و محراب پر جو آیتیں لکھی تھیں اور جو نقش آرائی کی گئی تھی، اس کے متعلق لکھتا ہے،

و منبر و محراب بہ لطائف کتابت و دقائق صنعت آراستہ شد و باشکال غریب و نقوش بدیع ساختہ و پرداختہ گشت .... و طاق سپہر آسا و رواق فلک فرسائے آن کہ از غایت نزہت غیرت بہشت برین ست و از کمال صنعت رشک نگارخانہ چین بہ طغرائے رحمانی مزین و موشح شد و بہ توقیع نامۂ یزدانی مشرف و مکرم گشت

پھر اس مسجد کے قبے اور اس کے پورے حسن کے بارہ میں بیان کرتا ہے،

و قبہائے زریں بت خانہا مانند چتر آئینہ کردار خورشید و تاج گوہر نگار ناہید بر شرفات آں نہادہ آمد و بہ میامن رائے مبارک چنین بقعۂ متبرکہ نزہت ہائے اہل صفا و مہبط اجابت دعا شد، گفتی رضوان روضہ از بہشت بدنیا فرستادہ است و ملک آن را چوں کعبہ قبلہ و مزار خویش ساختہ ہوائے انس افزائے آں صافی تر از چشم ہائے نور و صحن غم زدائیں آراستہ تر از چہرۂ حور ....

بعض انگریز مورخوں نے اس کتاب کی عبارت آرائی کے طومار سے گھبرا کر اس کی تاریخی اہمیت کم کرنی چاہی ہے، لیکن ہر زمانہ کے مسلمان مورخوں نے اس کو ایک مستند اور معتبر ماخذ قرار دیا ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں:

"مورخان آخر دار الملک دہلی نیز از معتبران عہد و صدور عہد بودند، چنانچہ خواجہ صدر نظامی مصنف تاج المآثر و مولانا صدر الدین عوفی مؤلف جامع الحکایات و قاضی صدر جہان منہاج جوزجانی مؤلف طبقات ناصری و کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی کہ در عہد علائی فتحنامہائے سلطان علاء الدین نوشتہ است و ساحری ہا کردہ ہر چہار معتبر و معظم و مکرم و مبجل بودند۔" (ص ۱۴)

تاریخ الفی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، آئین اکبری اور تاریخ فرشتہ کے مولفوں نے تاج المآثر سے پورا استفادہ کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ابتک کسی اہل قلم یا کسی ادارہ نے اس کو چھاپ کر شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے[1]۔

اوپر کہا گیا ہے کہ تاج المآثر میں بارہ ہزار سطریں ہیں، جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں، اس میں موقع بموقع مصنف نے اپنا کلام بھی درج کیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا، اپنے ممدوح سلطان قطب الدین ایبک کی تعریف میں ایک قطعہ کہتا ہے:

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسیا	در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آں جا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں	اکنوں خروش و نعرۂ اللہ اکبر است

---

[1] ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی نے ۱۹۳۶ء میں ادارۂ معارف اسلامیہ کے دوسرے اجلاس (لاہور) میں تاج المآثر پر ایک پرمغز اور مفید مقالہ پڑھا تھا، جس میں یہ اعلان کیا تھا کہ اسکو اڈٹ کر کے وہ جلد ہی شائع کرنے والے ہیں، لیکن یہ ابتک شائع نہ ہو سکی ہے۔

اس کے عدل و انصاف کے متعلق کہتا ہے:

فلک تختی کہ بید ابرنخستش بہم خسپند یک جا باز و تیہو
ز عدل او در اقصای ممالک کنار شیر بالین کرد آہو

وز تنگنای بیضۂ ز تدبیر عدل او نقاش طبع ہیکل مرغاں ستاں نہاد

ہمای عدل تو چوں پر و بال باز کند تدرو چینہ بروں آرد از چلاچل باز

گرگ از نہیب عدل تو اندر دیار تو از بیم میش بارقہ گیرد و سگ از شبان

در انصاف او تا باز بودے سماع کبک زنگ باز بودے
بجز مطرب کسے رہ زن نبودے برہنہ کس بجز سوزن نبودے
نکردے ہیچ آب از سنگ فریاد قبائے گل نگشتے پارہ از باد
کبوتر از عقاب آموختے پند بجان گرگ خوردے میش سوگند

قطب الدین کی سخاوت کے بارہ میں کہتا ہے:

پس بناشد سخاوت او را زادہ کوہ و دادہ دریا
گر جہانے بیک عطا بدہد از کف خویش نشمرد بہ سخا

قطب الدین ایبک کی وفات پر بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

مشتری را ز بہر کینۂ او باز حمل کار زار بایستی
روئے مریخ ہمچو ایام زین فزع ہم چو قار بایستی
از پے تشنگان ماتم او آفتاب آبدار بایستی
بدل عود زہرہ را زین غم خون دل در کنار بایستی
تا نوید بجوئی مرا تیغ او با عطارد قرار بایستی

ماہ در عقدۂ ذنب زیں ہول
خستہ و سوگوار بالینی

صبح دراعہ چاک کردہ زغم
شب سر گیسواں بتاب زدہ

فلک خرقہ پوشش بے خلیش
سبحہ بر تارک تراب زدہ

بادبے سایۂ مبارک او
خاک در چشم آفتاب زدہ

آہواں در غمش ز سینہ گرم
شعلہ در ناف مشک ناب زدہ[1]

صفت بہار کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں گل افشانی کرتا ہے:

فشاند از سوسن و گل سیم و زر باد
زہے رادی کہ رحمت باد بر باد

بداد از نقش آذر صد نشاں خاک
نمود از سحر مانی صد اثر باد

مثال چشم آدم شد مگر ابر
و لیل نفس عیسیٰ شد مگر باد

کہ در بارید دم دم بر چمن ابر
کہ جاں آورد خوش خوش در سحر باد

برائے بلبل مست شبانہ
کند عرض صبوحی جام زر باد

گل خوشبوی تر سم او و در رنگ
ازیں غماز صبح و پردہ در باد

برائے چشم برنا اہل کوئے
عروس باغ را شد جلوہ گر باد

مورے و موئے کے ساتھ صنعت لزوم مالا یلزم میں اس کی ایک نظم بھی ملاحظہ ہو:

اگر مورے سخن گوید و گر موئے رواں دارد
من آں مورم سخن گویم من آں مویم کہ جاں دارد

تنم چوں سایہ موئیست و دل چوں دیدۂ موران
ز ہجر خالیہ موئے کہ چوں موران میاں دارد

بچشم مور در گنجم چو موئے از زاری و نالہ
اگر خواہد مرا مولئے بہ موئے در نہاں دارد

تنم چوں موئے زر اندود و زیں مور چوں افشاں
نہ موئے کاں گرہ گیرد نہ مورے کاں زباں دارد

(بزم مملو...)

[1] ان اشعار میں جا بجا عربی کے اشعار بھی ہیں جو طوالت کے خیال سے حذف کر دیے گئے ہیں۔

من از باموری و باموئے شبا روزے شوم ہمرہ — نہ مور از من خبر یابد نہ مور از من نشان دارد

من آن موئیم کہ از زاری پئے مورے بہ پوشاند — من آن مورم کہ از سستی کم از موئے توان دارد

من از چہ مور موئے زاکشم چو دانہ ذی خانہ — ز موئے از موبہ دانندم کہ ایں یک موجاں دارد

فخر مدبر | اس عہد کے ایک دوسرے اہل قلم فخر مدبر نے ایک رسالہ بحرالانساب لکھکر سلطان قطب الدین ایبک کے حضور میں پیش کیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر مولف کے زمانہ تک کے ۱۳۶ شجرے قلمبند ہیں، اس کے ابتدائی حصہ سے قطب الدین کے اوائل زندگی کے حالات اور پھر ۵۸۷ھ میں اس کے کہرام اور سمانہ کا اقطاع دار مقرر ہونے سے ۶۰۲ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد تک کے کچھ واقعات معلوم ہوتے ہیں، اس ابتدائی حصہ کو سرای۔ ڈے ۔ بی۔ سن روس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرورودی کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن سے شائع کر دیا ہے، سر ڈسن روس نے غلطی سے اس کے مصنف کا نام فخر الدین محمد ابن منصور المرورودی الصدیقی مبارک شاہ بتایا ہے، حالانکہ اصل مصنف مبارک شاہ المعروف بہ فخر مدبر تھا، فخر الدین مبارک شاہ مرورودی غوری سلاطین میں سے سلطان غیاث الدین غوری کے دربار کا ایک ممتاز شاعر تھا جس کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی۔ اس نے غوریوں کے نسب ناموں کو منظوم کیا، جس کا نام نسبت نامہ رکھا، شاید اسی نسبت نامہ کے دھوکے میں بحرالانساب کے مصنف کو بھی سر روس نے فخر الدین مبارک شاہ مرورودی سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، بحرالانساب کے مولف کا نام محمد بن منصور بن سعید بن ابی الفرح تھا، اس کا لقب مبارک شاہ تھا۔[۲] لیکن عرف عام میں فخر مدبر کہلاتا تھا، باپ کی طرف سے اپنے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں شمار کرتا ہے، اور ماں کی طرف سے اس کا شجرہ غزنین کے

[۱] پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے اس کا نام سلسلۃ الانساب بھی لکھا ہے (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۹ء ص ۸۰)

[۲] اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن)، اکتوبر ۱۹۳۸ء کے ایک مضمون "فخر مدبر" میں ابی الفرج مرقوم ہے۔

سلطان امیر بیاتگین سے ملتا ہے، اس کا پردادا، ابو الفرح سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار کا ایک معزز عہدیدار تھا، جو مختلف اوقات میں ۲۱ عہدوں پر فائز ہوا، اس کا باپ منصور علم و فضل میں اپنے زمانہ میں بڑا مشہور رہا، فخر مدبر کے بارہ میں صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کی زندگی زیادہ تر لاہور اور ملتان میں گذری جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستانی نژاد تھا، اور سلطان شمس الدین ایلتمش کے عہد میں زندہ تھا، کیونکہ اس نے اپنی کتاب اداب الحرب والشجاعۃ اسی کے نام سے معنون کی ہے، سلطان شمس الدین ایلتمش ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا، پہلے کہا جا چکا ہے کہ فخر الدین مبارک شاہ المرو روزی کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی، اس لیے ظاہر ہے کہ بحر الانساب کا مصنف جس نے آداب الحرب والشجاعۃ بھی لکھی، مبارک شاہ فخر مدبر ہی ہے نہ کہ فخر الدین مبارک شاہ مرو روزی[1]

ڈے نی سن روس کی شائع کردہ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرو روزی صرف ۸۰ صفحے پر مشتمل ہے، جس کے شروع میں ساتوں اقلیم کا بیان ہے، پھر انبیاء کا کچھ ذکر ہے، اس کے بعد علماء، سلاطین، والیانِ ولایت وغیرہ کی اہمیت بتائی گئی ہے، ۲۱ ویں صفحہ سے قطب الدین کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور اس کی تخت نشینی کے بعد تک کے کچھ واقعات ہیں، لیکن یہ واقعات تفصیل سے نہیں لکھے گئے ہیں، اسی طرح قطب الدین کے اوصاف مثلاً سخاوت، عدل پروری، دیانتداری شریعت نوازی، شجاعت، مردانگی اور علم پروری پر ایک عام اجمالی تبصرہ ہے، جس میں غیر متعلق باتیں مثلاً ترکستان کے عجائب و غرائب، وہاں کے پتھر، وہاں کے قبائل، ان کی خصوصیات، ان کی زبانیں، ان کے رسم الخط اور ان کی شاعری وغیرہ زیادہ آگئی ہیں، قطب الدین کے اوصاف کو ذکر کرنے میں اس کو خلفائے راشدین کا مقلد بتایا گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں قطب الدین کے محاسن

[1] تفصیل کے لیے دیکھو انگریزی مضمون فخر مدبر، اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء، نیز دیکھو برٹش میوزیم کیٹلاگ، فارسی مخطوطات، جلد دوم ص ۴۸۶-۸۷

کی تفصیل لکھنے کے بجائے خلفاء راشدین ہی کے اخلاق وفضائل کی تفصیلات زیادہ لکھی گئی ہیں، اس طرح قطب الدین کی ذات زیادہ نمایاں ہونے نہیں پاتی، کتاب کے صفحہ ۶۲ سے ۸۴ صفحے تک کتاب الانساب کا دیباچہ ہے، ان صفحات اور دوسری غیر متعلق باتوں کو حذف کر دیا جائے تو قطب الدین سے متعلق صرف چند اوراق ہی کام کے نکلیں گے، لیکن معاصر ماخذ ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ مفید باتیں ضرور پائی جاتی ہیں، طرز تحریر سے مؤلف ایک قادر الکلام اہل قلم معلوم ہوتا ہے، اس کی عبارت تاج المآثر کی طرح بہت زیادہ پر تکلف، مرصع اور مبالغہ آمیز نہیں، اور طبقات ناصری کی طرح سادہ اور سلیس بھی نہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے شستہ اور پاکیزہ ہے۔

امام صغانی اس عہد کے ایک مشہور عالم ربانی امام رضی الدین ابو الفضائل الحسن صغانی تھے، جن پر آج بھی اسلام کی علمی دنیا کو ناز ہے، جلال الدین سیوطی نے ان کا نسب نامہ یہ لکھا ہے، "الحسن ابن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی العدوی والعمری الامام رضی الدین ابو الفضائل الصغانی"[1] نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، ان کے آباؤ اجداد چاغان (یا چغان) کے رہنے والے تھے، معجم البلدان میں ہے کہ صغان کو اہل عجم نے چغان کر دیا، لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ چاغان (صغان) چاغان (چغان) کا معرب ہے، معجم البلدان کے مطابق صغان ماوراء النہر میں ترمذ کے قریب ایک علاقہ ہے، نزہتہ الخواطر میں ہے کہ یہ مرو کا ایک قریہ ہے، امام صغانی کے والد بزرگوار صغان سے آکر ہندوستان میں سکونت اختیار کی، بغیۃ الوعاۃ، مآثر الکرام، تذکرہ علمائے ہند اور نزہتہ الخواطر میں ہے کہ امام صغانی لاہور میں پیدا ہوئے۔ موخر الذکر تین تذکروں میں یہ بھی ہے کہ لاہور میں نشو و نما ہوئی، لیکن سیوطی اور معجم المطبوعات کے مرتب نے ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ لاہور میں تو پیدا ہوئے لیکن غزنی میں

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷

میں نشو ونما پائی۔ بغیتہ الوعاۃ، مآثر الکرام، تذکرۂ علماء ہند اور معجم المطبوعات[1] میں انکی ولادت کی تاریخ ۵۷۰ھ لکھی ہوئی ہے، لیکن نزہتہ الخواطر میں ۵۵۷ھ ہے جو بظاہر صحیح نہیں۔

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی، اور بہت جلد ان کا شمار ارباب فضل و کمال میں ہونے لگا، اور ایک فقیہ، محدث اور عالم ربانی کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، نزہتہ الخواطر کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک نے ان کو لاہور کی قضاۃ پیش کی، لیکن یہ انہوں نے قبول نہیں کیا، اور مزید علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے ہندوستان سے باہر نکل کھڑے ہوئے، ہندوستان سے نکلے تو پہلے غزنین آئے۔ جہاں کچھ دنوں درس و تدریس میں مشغول رہے، پھر عراق آئے، جہاں علوم و فنون کی تحصیل کی تکمیل کی، اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے، بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے لیے اپنی مشہور و معروف کتاب مشارق الانوار لکھی[2]، جس کے صلہ میں ان کو خلعت بھی عطا ہوا، بغداد سے مکہ معظمہ زیارت خانہ کعبہ کیلئے آئے، اس کی جاروب کشی کرنے کے علاوہ یہاں کے محدثین سے سماع حدیث بھی کرتے رہے، وہاں سے عدن ہوتے ہوئے پھر بغداد آئے، خلیفہ مستنصر باللہ[3] نے ان کو فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس ہندوستان بھیجا جہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے، پھر یہاں سے حج کے لیے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے عدن اور پھر بغداد آکر علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر

---

[1] معجم المطبوعات، مصر جز ثانی ص ۱۲۸ [2] دیکھو مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف نمبر ۴ جلد ۲۲ ص ۲۵۲ [3] نزہتہ الخواطر میں خلیفہ بغداد کا نام ناصر لدین اللہ لکھا ہے، یعنی التمش کو ابو جعفر منصور المستنصر باللہ نے خلعت بھیجکر اس کی حکومت کے استقلال و خود مختاری کو تسلیم کیا، دیکھو تاج الدین ریزہ کا قصیدہ، باب التمش رضیہ کے عہد میں بھی خلیفہ مستنصر باللہ ہی نے علامہ صغانی کو ہندوستان بھیجا تھا کیونکہ رضیہ کے سکوں پر "المستنصر امیر المومنین" ہی کندہ ہے۔

رضیہ کے عہد میں دوبارہ ہندوستان آئے، اور یہاں کچھ دنوں قیام کر کے ۶۳۷ھ میں پھر بغداد واپس تشریف لے گئے اور ۶۵۰ھ میں وفات پائی. بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کے شاگرد دمیاطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ ایک جوتکا رہتا تھا، جس نے کسی خاص روز ان کی وفات کی پیشین گوئی کی تھی لیکن اس روز وہ بالکل توانا اور تندرست رہے اور خوشی میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کی دعوت کی، دعوت کے بعد ان کے مہمان تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک شخص نے ان کی موت کی اطلاع دی، شاید قلب کی حرکت بند ہونے سے موت ہوئی ہو، ابتداءً بغداد میں دفن کیے گئے، پھر ان کی وصیت کے مطابق ان کا جسد خاکی مکہ معظمہ منتقل کر دیا گیا،

لغت، حدیث اور فقہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان کے علمی پایہ کو ہر زمانہ کے جلیل القدر صلحاء و علماء نے تسلیم کیا ہے، علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ وہ علم لغت کے علمبردار تھے[2]، ذہبی کا قول ہے کہ علم لغت میں حرف آخر تھے، شیخ شرف الدین دمیاطی کا بیان ہے کہ وہ لغت، فقہ اور حدیث تینوں فن کے امام تھے[3]، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے عربی اشعار کے کچھ نمونے بغیۃ الوعاۃ میں درج ہیں۔

ان کی تمام تصانیف میں مشارق الانوار بہت مقبول ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"این کتاب حجت است میان من خدا، و اگر حدیثے بود مشکل شدے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے و صحیح کردے"[5]

مشکوٰۃ کی طرح یہ بھی حدیث کا ایک مجموعہ ہے جس میں دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں ہیں، مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے، اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷ [2] ایضاً [3] وہیں [4] نزہۃ الخواطر ص ۱۳۹ [5] فوائد الفواد ص ۱۰۳

علماء محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی، مدارس کے نصاب میں داخل ہوئی اور عالم اسلام کے ممتاز علماء نے اس کے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح اور حواشی لکھے، حدیث میں ان کی اور دوسری تصانیف یہ ہیں:

التکملہ علی الصحاح، یا التکملہ والذیل والصلہ، الدّار الملتقط فی تبیین الغلط. رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ، شرح البخاری، الشمس المنیرہ فی الحدیث. فی الضعفاء المتروکین فی رواۃ الحدیث. کشف الحجاب عن احادیث الشہاب. مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ[1]، امام صغانی کی قدر ہندوستان سے باہر ہی زیادہ ہوئی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" میں رقمطراز ہیں کہ ساتویں صدی کے شروع میں مشارق الانوار کے مصنف صغانی نے ہندوستان میں علم حدیث کی روشنی پھیلائی تاہم یہ روشنی گھر میں کم اور گھر سے باہر زیادہ پھیلی۔

امام صغانی نے فن لغت میں "العباب الزاخر واللباب الفاخر" بیس جلدوں میں لکھی، اسی طرح لغت میں ان کی دوسری تصنیف "مجمع البحرین" بارہ جلدون مین تھی، اس فن مین انکی اور دوسری تصانیف کے نام یہ ہین:۔

النوادر فی اللغات، التراکیب، الاضداد. الشوارد فی اللغات وغیرہ، ان کی طرف حسب ذیل تصانیف بھی منسوب ہیں: اسماء الاسد. اسماء الغادۃ، الاضداد، الافتعال، التجرید وحل الصغانی. تعزیہ بیتی الحریری. توشیح الدریدیہ، درالسحابہ، الذیب، السالکین العروض. فرائض الصغانی، مناسک الصغانی وغیرہ[2]

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷، ماثر الکرام ص ۱۸۱، فہرست کتب خانہ خدیویہ [2] کشف الظنون، تذکرہ علماء ہند، ص ۴۸، نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۱

شیخ شرف الدین دمیاطی، محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن السعد البلخی

ان کے ممتاز تلامذہ میں تھے، جنھوں نے اپنے عہد میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔[1]

فوائد الفواد (ص ۱۰۳) میں مولانا رضی الدین صغانی صاحبِ مشارق کے ذکر میں ہے کہ

"او از بداؤن بود"۔

پھر ان کے ذکر میں یہ بھی ہے کہ مولانا رضی الدین نے بداؤن سے کول آکر یہاں نائبِ مشرف

کا عہدہ قبول کیا، مشرف کی صحبت اور ماتحتی پسند نہ آئی، اس لیے یہ ملازمت چھوڑ کر والیٔ کول کے

لڑکے کو پڑھانے لگے جس کے معاوضہ میں ان کو سو ٹنکے ملا کرتے تھے، اس ملازمت سے طبیعت اچاٹ

ہوگئی تو حج کے لیے والیٔ کول کے لڑکے کو اطلاع دیے بغیر چل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور گئے ہوں گے

کہ تھک کر بیٹھ گئے، والیٔ کول کے لڑکے نے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا، اور جب

ان کے پاس پہنچا تو واپس چلنے کی الحاح وزاری کی، لیکن وہ نہ مانے، بالآخر لڑکے نے ان کو اپنا

گھوڑا دیدیا، اسی پر انھوں نے سفر کیا، پہلے بغداد آئے، جہاں اس زمانہ کے مشہور محدث مولانا

ابن ازہری کے درس میں شریک ہوئے، مولانا ابن ازہری نے ان کے علم کی قدر کی، پھر ان کے

علم کی شہرت خلیفۂ وقت کے پاس پہنچی، تو اس نے ان کو بلا کر ان سے کچھ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد

وہ دہلی آئے، اور دہلی سے اپنے ایک استاد سے ملنے کے لیے بداؤن بھی آئے،[2]

فوائد الفواد کے اسی بیان کو سامنے رکھ کر مخدومی جناب سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

اپنی تاریخ ہند جلد دوم مطبوعہ حیدر آباد دکن کے صفحہ ۲۶۲ پر رقمطراز ہیں کہ امام صغانی کے حالات

اور تصانیف کا ذکر مآثر الکرام میں موجود ہے، اور اس میں انھیں غلطی سے لاہوری لکھ دیا ہے، لیکن

سب سے واضح اور معتبر حالات وہ ہیں جنھیں سلطان نظام الدین کی زبانی صاحب فوائد الفواد نے

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۴۸ [2] فوائد الفواد ص ۱۰۳

نقل کیا ہے، جناب سید ہاشمی صاحب نے اپنے اس خیال کو تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت کی جلد اول مطبوعۂ کراچی صفحہ ۲۴۳ میں بھی دہرایا ہے، لیکن نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحیؒ مرحوم نے مولانا رضی الدین صغانی کو جن کا ذکر فوائد الفواد میں ہے، مولانا رضی الدین حسن بن محمد صغانی صاحب مشارق الانوار سے علیحدہ شخصیت بتائی ہے، اور اول الذکر کے کچھ حالات فوائد الفواد ہی کے حوالے سے لکھے ہیں، (ص ۱۵۶) جو شیخ حسن بن محمد صغانی کے حالات (ص ۱۴۱ - ۱۳۷) سے جدا ہیں، شاید فوائد الفواد کے مرتب امیر حسن سنجری نے سہواً حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات کو کچھ خلط ملط کر دیا ہو، اور اگر خلط ملط نہیں ہوا، اور اس کو صاحب مشارق الانوار ہی کا ذکر سمجھا جائے تو پھر "او (یعنی صاحب مشارق) از بداؤں بود" کے اجمالی بیان سے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بداؤں ہی ان کا مولد تھا، ممکن ہے کہ صرف منشا رہا ہو، شاید اپنے مولد لاہور سے آکر بداؤں میں نشو و نما اور تعلیم پائی ہو، گو بعض تذکرہ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کا منشا غزنین بھی بتایا گیا ہے،

عہد قطبی کے بعض مدارس سلطان وقت کے ذوق کی تقلید اسکے ملوک و امرا بھی کرتے تھے، چنانچہ بختیار خلجی نے جب بنگال فتح کیا تو اس نے اور اسکے ساتھ کے امراء نے تعلیم کی اشاعت کے لیے جابجا مدارس قائم کیے، طبقات ناصری میں ہے:

"چون محمد بختیار آن مملکت (یعنی بنگال) را ضبط کرد .... بر موضعے کہ لکھنوتی است دار الملک ساخت و اطراف آن ممالک را در تصرف آورد و خطبہ و سکہ در ہر خطہ قائم کرد و مساجد و مدارس و خانقاہات در آن اطراف بسعی جمیل او و امراے او بنا شد (ص ۱۵۱)

معلموں کی قدر اس زمانہ میں معلموں کی قدر و منزلت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ تاج الدین یلدز کا ایک لڑکا اپنے استاد سے پڑھ رہا تھا، کہ استاد نے تادیب کے لیے غصہ میں ایک کوڑا لڑکے کے سر پر مار دیا، جس سے اس کو سخت چوٹ آگئی اور وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا، تاج الدین یلدز کو خبر ہوئی تو استاد کو بلایا اور زاد راہ دیکر کہا کہ قبل اس کے کہ لڑکے کی ماں کو خبر ہو تم یہاں سے چلے جاؤ، (طبقات ناصری ص ۱۳۳)

ناصرالدین قباچہ

۶۰۷-۶۲۵ھ
۱۲۱۰-۱۲۲۸ء

ناصرالدین قباچہ اور شمس الدین التتمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے، اور دونوں علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے، التتمش دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور قباچہ کا دارالسلطنت اچہ قرار پایا، اس کی مملکت میں ملتان سے دیول تک کے علاقے علاوہ سیوستان، تبرہندہ (بھٹنڈہ) کہرام اور سرستی وغیرہ بھی شامل تھے، وہ آزاد فرمانروا تو اپنے خسر قطب الدین ایبک کی وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء کے بعد ہوا لیکن اچہ اور ملتان کی ایالت اس کے سپرد ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء ہی سے تھی، اس طرح بائیس سال تک یہاں اس کا دربار قائم رہا۔ ملتان اس وقت تک بڑا مذہبی، علمی اور ثقافتی مرکز بن چکا تھا، سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے صوفیہ ومشائخ یہاں شریعت وطریقت کی شمع روشن کیے ہوئے تھے، مقامی علماء کے علاوہ باہر سے فضلا وشعراء آکر علم وادب کی مجلسیں گرمائے ہوئے تھے، چنانچہ اس عہد کے ملتان کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ

قبۃ دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام عالم بود، فحول علماء آنجا حاضر بودند" (ص ۶۰)

اسی قبۃ الاسلام میں ناصرالدین قباچہ نے ایک مدت تک حکومت کی، غزنین، غور اور پھر دہلی کی روایات اس کے سامنے تھیں، اس لیے عرفان نوازی اور علم دوستی کو اس نے

بھی لوازم شاہی قرار دیا، التتمش کا وہ حریف بن گیا تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ مذہبی اور علمی حیثیت سے بھی ملتان کو دہلی سے بہتر بنانا چاہا ہوگا، اس کے دربار میں علم و فن کی جو بساط بچھائی گئی اس کی زینت و آرائش کی تو تصویر دکھائی دیتی ہے، البتہ مشائخ سے اس کے تعلقات کی تفصیل بہت زیادہ نہیں ملتی ہے، حالانکہ قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کے پایۂ تخت میں جب بڑے بڑے مشائخ کا اجتماع تھا تو اس نے اپنے کو ان سے قریب تر کرنے کی بھی ضرور کوشش کی ہوگی۔

مشائخ سے تعلقات لیکن مشائخ سے اس کے تعلقات کی صرف دو روایتیں ہم کو ملی ہیں، ایک سے تو اس کی عقیدت مندی اور دوسری سے ان بزرگانِ دین کی طرف سے اس کے تکدر کا اظہار ہوتا ہے، ۶۲۱ھ میں چنگیز خانیوں نے سندھ پر یورش کی تو بڑھتے ہوئے قباچہ کے دار السلطنت ملتان تک پہنچ گئے، سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں یکجا جلوہ فرما تھے، قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی، حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیر دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو، پھر قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھو، دوسرے دن قباچہ نے ایسا ہی کیا، اور اس کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی، قطب صاحب اور حضرت جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور منت سماجت کی کہ وہ ملتان کو خیر و برکت سے محروم نہ کریں، کیونکہ ان ہی کے فیوض سے ملتان میں امن و امان ہے، لیکن قطب صاحب نے فرمایا، جلال الدین غزنی جائیں گے اور ہم دہلی، ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کو حاصل رہے گی۔[۱]

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۰۵ و سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۸۴

دوسری روایت ہے کہ جب ناصر الدین قباچہ اور سلطان شمس الدین التمش کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہوئی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف ہوا، کیونکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، یہ سلطان اپنے زہد و تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا تھا، ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی جو ایک متدین عالم تھے، اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی معاندانہ سازش سے مطلع کر دیں، دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ نے مولانا شرف الدین اصفہانی کو تو فوراً موت کی سزا دیدی، اور حضرت بہاء الدین زکریا کو اپنے یہاں طلب کیا، اور جب وہ اس کے یہاں پہنچے تو اس نے تعظیماً ان کو اپنے داہنی جانب بٹھایا، قباچہ نے ان کا مکتوب ان کے ہاتھ میں دیا، شیخ نے اس کو پڑھ کر پوری درویشانہ شان و عظمت سے کہا کہ بیشک یہ میرا خط ہے، تحریر بھی میری ہے، قباچہ نے پوچھا، آپ نے یہ کیوں لکھا، شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا، میں نے حق تعالیٰ کے لیے لکھا ہے اور حق لکھا ہے، تمھارا جو جی چاہے کرو، اور تم کر ہی کیا سکتے ہو، تمھارے ہاتھ میں کیا ہے، قباچہ نے یہ جواب سنا تو مشتعل ہونے کے بجائے خاموش ہو گیا، اور پھر کھانا لانے کے لیے حکم دیا، اس کو علم تھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا کسی دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے، قباچہ نے سوچا کہ اگر شیخ کھانے میں شریک ہوں گے تو اسی بہانہ ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا، مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے، یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔[1]

شعراء کی سرپرستی قباچہ کا دربار شعراء و فضلاء کا گہوارہ رہا، تاتاریوں کی غارتگری، دہشت انگیزی اور

[1] فوائد الفواد ص ۲۰-۱۱۹۔ سیر الاولیاء ص ۷۹۔ سیر العارفین ج ۱ ص ۲۹-۲۸

خوں ریزی سے گھبرا کر خراسان، غور اور غزنین کے جن اکابر و اشراف نے ہندوستان کا رخ کیا، ان میں شعراء و علما، بھی تھے، قباچہ کے دربار میں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، طبقات ناصری میں ہے کہ

او (یعنی قباچہ) در حق همگنان انعام و اکرام وافر فرموده" (ص ۱۴۳)

محمد عوفی جس کا ستارۂ اقبال قباچہ ہی کے دربار میں چمکا، اپنے تذکرہ لباب الالباب میں رقمطراز ہے،

"یہ دربار علما، و فضلا، سے پُر ہے، یہ ایک ایسا آسمان ہے جس میں ارباب کمال کے ستارے چمکتے ہیں، یہ ایک ایسا بوستان ہے، جہاں فضل کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں (ج ۱ ص ۱۴)

عوفی نے ان علما، فضلا، اور شعراء میں صرف دو چار کا ذکر کیا ہے، ان کے نام مع القاب کے حسب ذیل ہیں،

(۱) الاجل المحترم شمس الدولہ والدین سید الندمار تاج الفضلا مفخر القدما، محمد الکاتب البلخی۔

(۲) الاجل فخر الشعراء ضیاء الدین السجزی، بقیہ دو کے نام لباب الالباب کے مرتب ای، جی، براؤن کو غالباً قلمی نسخے کے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکے، اس لیے لباب الالباب کے مطبوعہ نسخہ کے ص ۴۱۸ و ص ۴۲۲ میں ان کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، مگر اورنٹیل کالج میگزین لاہور (نومبر ۱۹۳۸ء) کے ایک مضمون نگار نے گلِ رعنا مولفہ لچھمی نرائن کی مدد سے نمبر ۱۶۸ کے شاعر کا نام فضلی ملتانی بتایا ہے۔

شمس الدین محمد بلخی

عوفی شمس الدین محمد بلخی کے شاعرانہ کمال اور ذاتی اوصاف و محاسن، لطافت طبع، خلق و کرم اور دوست پروری وغیرہ کا بڑا معترف ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

"وہ ایک ایسا جوان ہے جس کی نظیر چرخ پیر نے نہیں دیکھی ہے اور چکر لگانے والے آسمان نے اس کے جیسا جامع صفات کسی اور کو نہیں پایا۔" (ص ۲۱۴)

شمس الدین بلخی اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا، عوفی کا بیان ہے کہ وہ اس فن میں مشہور خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے بھی بہتر تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"در خط بدرجۂ کہ ابن البواب انگشت بر حرف او نتواند نہاد و ابن مقلہ دیدہ از مشاہد

دلبران خط او بر نتواند داشت۔" (ص ۲۱۴)

عوفی رقمطراز ہے کہ شاعری میں شمس البلخی الوری کا ہم پایہ تھا۔ "در شعر عدیل الوری" (ص ۲۱۴)

اور تاج الفضلا، اور مفخر القدما جیسے القاب سے اس کو یاد کیا ہے، قباچہ کے دربار میں

اس کی شاعری کو اور بھی زیادہ فروغ ہوا، اور اس نے سلطان کی مدح کے قصائد میں اپنی شاعری

کا جوہر خوب دکھایا، اس کا سرپرست اور مولی قباچہ کا وزیر عین الملک بھی تھا۔ اس کی مدح میں بھی

شمس الدین نے قصیدے لکھے جن کا ذکر آئے گا۔

فضلی ملتانی | فضلی ملتانی بخارا میں عوفی کے ہم درس اور ہم مکتب تھے یہیں دونوں نے امام فخرالدین

کی "جامع الصغیر" حفظ کی جب مولانا فضلی ملتانی قباچہ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوئے تو اپنے

علم و فضل کی بدولت انکو ایسا عروج ہوا کہ ابنائے کبار و علمائے نامدار میں ان کا شمار ہونے لگا (لباب الالباب

جلد دوم ص ۲۳۴) وہ اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر بھی تھے اور خود قباچہ ان کی شاعری کا قدردان تھا۔ اس

قدردانی کی وجہ سے ان کو بھی سلطان کی ذات سے گرویدگی تھی، چنانچہ اس کی شان میں قصائد لکھکر اپنے

جذبات و تاثرات کا اظہار کیا ہے، ایک قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

اے ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمدہ	نامۂ تائید تو انّا فتحنا آمدہ
ناصر دین خسرو دنیا قباچہ شاہ شرق	اے مہ چتر تو بر گردون مینا آمدہ
از پئے اعلائے دین نصر من اللہ در ازل	بر سر منصور شاہی تو طغرا آمدہ
منظر نصرت ز کیوان در گذشتہ از علو	مسند قدرت بر از عرش معلا آمدہ
ظلم بہ افتنہ پنہاں کردہ روی از ہیبتت	امن سر پوشیدہ از عدلت بصحرا آمدہ
گر مثالت فی المثل رفتہ سوی فغفور چین	بے توقف ز و جواب تو اطعنا آمدہ

ابر نیساں کم زدہ لاف سخاوت چون گفت | در گہر بخشی فزوں از ہفت دریا آمدہ
بادۂ جام تو اے اسکندر ثانی بہ بزم | چوں زلال چشمۂ حیوان مصفا آمدہ
چون کشی لشکر بعزم رزم لشکرگاہ تو | جملۂ ہامون و دشت و شیب و بالا آمدہ[1]

ناظرین کی ضیافت کے لیے مولانا فضلی کی کچھ رباعیان بھی پیش کی جاتی ہیں:-

کردی سیم ز آن شرب گیسو کز راست | نیکوست رخت ولیک بدخو کز راست
در پہلوے تیر مژۂ مردم کش | احسنت زہے کمان ابرو کز راست

آغاز نہاد فتنہ بازش چہ کنم | چوں داشتہ ام محرم رازش چہ کنم
بسیار ز خشم دست بر دست زدم | کوتاہ نشد دست درازش چہ کنم

ہر لالہ کہ چشم کوہساری بودست | صد قطرہ ز خون تاجداری بودست
مسپر بقدم سبزۂ بستان گستاخ | کان وسمۂ ابروی نگاری بودست

ضیاء الدین سجزی

ضیاء الدین سجزی کو عوفی نے فخر الشعراء لکھا ہے، یہ اپنے زمانہ کا قادر الکلام شاعر تھا۔ اس کے قصیدہ کا نمونہ آگے پیش کیا جائے گا۔

مولانا منہاج الدین جوزجانی

طبقات ناصری کے مولف مولانا ابو عمر منہاج الدین عثمان الجوزجانی کا علمی اقبال بھی ہندوستان مین قباچہ ہی کے دربار مین چمکا، انھون نے اپنا نسب نامہ یہ لکھا ہے، منہاج الدین ابو عمر عثمان بن سراج الدین محمد بن منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن امام عبد الخالق جوزجانی۔ یہ خاندان در اصل غوزگان یا جوزجان کے علاقہ کا رہنے والا تھا، جو غور سے شمال مغربی گوشہ مین اور ہرات سے شمال مین دریاے مرغاب سے آگے جبال ہرات کے قریب واقع ہے، اسی لیے اس خاندان کے ہر فرد کے نام کے ساتھ وطنی نسبت جوزجانی کا بھی جزء ہے، اس خاندان کی

[1] لباب الالباب ج ۲ ص ۴۲۵

مورثِ اعلیٰ امام عبد الخالق اپنے زمانہ کے جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے، ان کی شادی غزنین کے سلطان ابراہیم شاہ کی لڑکی سے ہوئی، اس شادی سے جو فرزند تولد ہوا، اس کا نام بھی ابراہیم رکھا گیا، یہ خاندان اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز رہا، طبقات ناصری کے مؤلف کے والد سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان افصح العجم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے[1]، ان کی ماں سلطان غیاث الدین محمد سام کی بیٹی شہزادی ماہ ملک کی رضاعی بہن اور ہم مکتب تھیں، وہ شہزادی کے ساتھ فیروز کوہ کے شاہی محل میں رہتی تھیں، ذہین منہاج الدین ۵۸۹ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے شہزادی ماہ ملک کے محل میں شاہی خاندان کے بچوں کی طرح پرورش پائی، چنانچہ خود لکھتے ہیں،

"آن ملکۂ جہان این ضعیف را در حجرۂ بادشاہی خود چون فرزندان در پرورش بادشاہانہ داشتے و شب و روز در صغر سن در حرم او بودے و در نظر مبارک او تربیت یافتے" (طبقات ناصری ص ۲۸)

شہزادی ماہ ملک کے محاسن کا اعتراف جا بجا کیا ہے، لکھتے ہیں کہ اس کو پورا کلام اللہ حفظ تھا، اور اسی کے ساتھ اس کو شہادت کے تمام واقعات بھی زبانی یاد تھے، اور ہر سال دو رکعت نماز میں پورا کلام پاک ختم کیا کرتی تھی، اسی مذہبی فضا میں مولانا منہاج کی تربیت ہوئی، ان کے ننہالی خاندان کی عظمت کا اندازہ ان کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ اس خاندان کو خلافت بغداد کے فرامین بھی عطا ہوئے تھے، خلیفہ مستضی باللہ نے ان کے نانا کو تولک، قہستان اور جبال ہرات کی قضاءت دی تھی، ان کے دادا کو بھی پایۂ تخت سے خلعت عطا ہوا تھا[2]، ان کے والد کو ۵۸۲ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علی کرماخ ناظم لاہور کے ماتحت عساکر سلطانی کا قاضی مقرر کیا، فوج کے کوچ کے وقت بارہ اونٹ ان کے دفتر کے سامان کی باربرداری کے لیے سرکار شاہی سے مقرر تھے[3]، ۵۹۱ھ میں بہاء الدین سام بامیان اور طخارستان کا فرمانروا ہوا تو اس نے اپنی

---

[1] طبقات ناصری ۱۱۷، [2] ایضاً [3] ایضاً

سلطنت میں ہر دیار کے علماء و فضلا کو جمع کرنا شروع کیا، خود طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ علمائے عالم کا اس پر اتفاق تھا کہ اس عہد کے مسلمان بادشاہوں میں بہاء الدین سام سے بڑھ کر کوئی حکمراں علم پرور نہ تھا، اسی علم پروری کی خاطر مولف طبقات ناصری کے والد مولانا سراج الدین کو اپنی سلطنت میں آنے کی دعوت دی، جب طلبی پہنچی تو اس وقت فیروزکوہ میں مقیم تھے، وہ جب اس کے یہاں پہنچے تو اس نے ان کا خیر مقدم بہت عزت و احترام کے ساتھ کیا، اور ان کو اپنی مملکت کا قاضی، خطیب اور محتسب بنا کر اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا، اور دو مدرسوں کی تولیت بھی تفویض کی،[۱] طبقات ناصری کے مولف کی عمر اس وقت تین سال کی تھی، جس زمانہ میں سلطان تکش خوارزم شاہی نے خلیفہ ناصر لدین اللہ سے بغاوت کی تو خلیفہ نے دار الخلافت سے سلاطین غور و غزنیں کے پاس امداد طلب کرنے کے لیے سفراء بھیجے، سلطان غیاث الدین محمد سام نے اس کا جواب امام شمس الدین ترک اور مولانا سراج الدین کے معرفت بھیجا،[۲] یہ سفارتی مشن مکران کی راہ سے بغداد روانہ ہوا، راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، اور مولانا سراج الدین ان ہی ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے،

اٹھارہ سال کی عمر تک مولانا منہاج الدین فیروزکوہ ہی میں رہے،[۳] اسی زمانہ میں سلطان غیاث الدین محمود بن غیاث الدین ابو الفتح محمد سام کو خوارزمی پناہ گزینوں نے قتل کیا، سنہ ۶۱۳ھ میں انھوں نے سیستان کے دار الخلافت زرنج کی راہ لی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ غور اور غزنیں کی تمام مملکت خوارزم شاہیوں کے زیر نگیں آ گئی تھی، مولانا منہاج الدین بست ہوتے ہوئے سیستان کے دار الخلافت پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا، اور وہاں کے سلطان ملک الغازی یمین الدولہ بہرام شاہ نے ان کو بڑے اعزاز و احترام سے سات مہینے تک رکھا، ان کو خلعت عطا کی اور ان کے اخراجات کے لیے روپیہ اور غلہ برابر دیتا رہا، وہاں سے خراسان آئے، سنہ ۶۱۷ھ میں وہ

۱؎ طبقات ناصری ص ۱۰۷، ۲؎ ایضاً ص ۱۴۷، ۳؎ ایضاً ص ۴۸، ۴؎ طبقات ناصری مؤلفہ عبد الحبیب حبیبی ص ۲۳۲، اور طبقات ناصری کلکتہ ص ۴۴۳

تولک میں تھے، اور یہاں تقریباً چار سال تک چنگیز خانیوں کی یورش دیکھتے رہے، اسی دار وگیر کے زمانہ میں جب کہ ان کی عمر تیس سال کی تھی، ان کی شادی ایک رشتہ دار امیر کی لڑکی سے ہوئی، شادی کے بعد چنگیز خانیوں کی شورش سے گھبرا کر ہندوستان منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا، لیکن ابھی یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ۶۲۱ھ میں حصار تولک سے ملک تاج الدین حسن سالار خرپوست نے ان کو رسالت کے فرائض انجام دینے کے لیے اسفزار بھیجا، مغلوں کی یورش سے قافلوں کی آمد ورفت بالکل بند ہوگئی تھی، مولانا منہاج اسی راستہ کو دوبارہ کھلوانے کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ اسفزار سے قہستان گئے، وہاں سے تون، قائن اور اسفزار ہوتے ہوئے پھر تولک واپس آئے، ۶۲۲ھ میں غور کے حکمران ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی کے یہاں خانسار پہنچے، اور اس کے حکم سے دوسری بار قہستان گئے، اس مرتبہ بھی ملک رکن الدین کی خواہش کے مطابق قافلوں کی آمد ورفت کے راستے جاری کرنے کیلئے وہاں پہنچے، پھر فراہ، سیستان، کرہ، طبس، مومن آباد اور قائن ہوتے ہوئے خانسار آئے، یہاں آکر ہندوستان کے سفر کی تیاری میں سامان سفر خریدنے کے لیے فراہ گئے، اس وقت ملک تاج الدین نیالتگین خوارزمی ملاحدین سے شکست کھا کر وہیں مقیم تھا، اس نے مولانا منہاج کی آمد کو غنیمت سمجھا، اور ان کو قہستان کے والی شمس الدین محتشم کے پاس پیام مصالحت لے جانے پر آمادہ کیا، مولانا منہاج قہستان پہنچکر شمس الدین محتشم سے نبیہ میں ملے، اور شرائط صلح طے کر کے فراہ واپس آئے، لیکن تاج الدین نے شاید ان شرائط کو تسلیم نہیں کیا، اور وہ ملاحدوں سے جنگ پر آمادہ ہوگیا، اس سلسلہ میں اس نے مولانا منہاج کو پھر قہستان بھیجنا چاہا، لیکن دوسری مرتبہ انھوں نے جانے سے انکار کیا، تاج الدین نے برہم ہو کر ان کو سجستان میں قید کر دیا، ۴۳ دن قید میں رہے تھے کہ ملک رکن الدین خسنار نے ان کی رہائی کی سفارش کی، اور وہ رہا کر دیئے گئے، مولانا منہاج نے شکریہ میں اس کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا،[۱]

[۱] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۷۰، ۴۹۱

سنہ ۶۲۴ھ مین عازم ہندوستان ہوئے، غزنین ہوتے ہوئے مٹھان کوٹ پہنچے، وہان سے کشتی پر بروز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاول سنہ ۶۲۴ھ کو اوچہ آئے، اور پھر ناصر الدین قباچہ کے دربار مین حاضر ہوئے، جہان ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، اوچہ کا مدرسہ فیروزی ان کے سپرد کیا گیا، اور قباچہ کے لڑکے علاء الدین بہرام شاہ کے لشکر کے قاضی بھی مقرر ہوئے[1]، یہان ان کو معاشی اور قلبی اطمینان حاصل ہوا، تو انھون نے اپنے علم وفضل کا جوہر دکھایا، ان کا ذکر سلاطین دہلی کے سلسلہ مین بھی آئے گا، جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے عہد کے کس قدر جید عالم اور ممتاز فاضل تھے،

وزیر عین الملک کی علمی سرپرستی | قباچہ کے دربار کی علمی فضا اس کے وزیر عین الملک ملک الوزراء فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری کی علم دوستی اور علم پروری سے اور بھی زیادہ روشن اور منور تھی، وہ علوم وفنون کا دلدادہ اور اپنے آقا کی طرح شعراء کا بڑا مربی اور سرپرست تھا، شعراء سلطان اور وزیر دونون کی شان مین قصیدے کہتے، اور دونون سے داد پاتے تھے، عین الملک کی مدح مین تاج الفضلاء مولانا شمس الدین بلخی ایک قصیدہ مین کہتے ہین :-

یوسف کنعان حسنی دو دعناب تو ہست	سال وماہم پائمال دست گرگان یافتہ
در دریائے ملاحت صورت زیبائے تو	اشکم اندر عشق خود ہم رنگ مرجان یافتہ
آب حیوان لعل تست ومعجز عیسی خرد	دایم از خاک در دستور گیہان یافتہ
صاحب جمشید رتبت فخر دنیا عین ملک	آنکہ ملک از رائے او تمکین وامکان یافتہ
از سواد موسی کلکت ید بیضائے ملک	ہمچو موسیٰ از عصا اعجاز ثعبان یافتہ
خصم بدکیش ترا چرخ کمان دش زدہ عید	از حسامت بر بساط کینہ فرمان یافتہ
تا جہان باشد بقائے دولت و جاہ تو باد	اے جلالی عز وجاہ از فضل یزدان یافتہ

---

[1] طبقات ناصری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۴۳ ۲ لباب الالباب ج ۲ ص ۲۱-۲۳

ضیاء الدین سجزی نے بھی عین الملک کی مداحی کی ہے جس کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں، ان سے قصیدہ نگار کے ممدوح کی فیاضی اور علم دوستی کے ساتھ اس کے کلام کا رنگ اور اس زمانہ کی قصیدہ گوئی کے طرز کا بھی کچھ اندازہ ہوگا،

زین طراوت تا ابد خالی نہ بینی باغ را — زانکہ او دولت سرائے صاحب دریا عطاست

خواجۂ آفاق عین الملک کز تعظیم او — آسمان مرتبت را آفتاب کبریاست

آصف جمشید رتبت فخر دین و دولت آن — کاستان چرخ سایش سجدہ جائے اصفیاست

اے حسن خلق حسین اسمی کہ از بہر شرف — بخت بر درگاہ امرت بندۂ فرمانرواست

صاحبا در بندگیت ایام برنائی تمام — صرف کردم جاہ تو بر صدق وین دعوی گواست

ملجاء خود جز جناب جاہ تو نشناختم — از جوانی تا گہ پیری کہ ہنگام عناست

عہد برنائی گذشت اکنون و مویم شد سپید — در زمانہ نا امید بہاے دیگر در قفاست

در جوانی چون عزیزم داشتی از راہ لطف — حق پیری را کنون گر شاکرم داری رواست

با دعا سازم کہ در مدح تو عاجز یافتم — خاطر خود را اگرچہ مبلغ حمد و ثناست

رتبت صدر وزارت جاودان جاہ تو باد — کز ترقی جاہ تو پیرایۂ عز و بقاست[1]

عین الملک کی مدح میں لباب الالباب میں ایک قصیدہ درج ہے، مگر قصیدہ نگار کا نام مرتب لباب الالباب کو معلوم نہیں ہو سکا. گو اس کے کچھ حالات کتاب میں موجود ہیں، وہ بامیان کا رہنے والا تھا، صاحب قلم اور صاحب سیف بھی تھا، اس نے منگان اور سیرک کی ایالت بھی کچھ دنوں تک کی ہے، سلطان جلال الدین کی طرف سے اس کو بغروش کا لقب عطا ہوا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان ممالک میں اس کی قدردانی کم ہو گئی تھی، اسی لیے وہ قسمت آزمائی کے لیے

---

[1] لباب الالباب ص ۴۲۶-۲۷

ہندوستان پہنچا، یہاں قباچہ کے دربار سے وابستہ ہوا، اور عین الملک کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی اور بقول عوفی اپنے قلم مشکبار سے اس کی مداحی شروع کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ سوال و جواب کی مشکل صنعت میں لکھا ہے، لیکن اس صنعت کے باوجود قصیدہ کا ہر شعر زورِ بیان، سلاست اور روانی کی اعلیٰ مثال ہے، بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

گفتم بدان نگہ کہ خورشید انوری — گفتا زدی نکوترم ار نیک بنگری

گفتم کہ دل ربائی جانان ز عاشقان — گفتا بزلف عنبری و چشم عبہری

گفتم مہ چہاردہ بر سپہر حسن — گفتا مہ مراست ہزار از تو مشتری

گفتم بہ بندگئی تو اقرار می کنم — گفتا چو تو بسیست کنونم بچاکری

گفتم کہ جان بنزد تو آرم بخدمتے — گفتا کہ تحفہ الیست زبے سیمی وزری

گفتم گہر فشانی زاوصاف شاعریست — گفتا کہ زرستانیست آئین دلبری

گفتم کہ شعر من گہر بحر خاطرست — گفتا کہ شعر خواہم دیبای ششتری

گفتم ثنائے صاحب آفاق خوانمت — گفتا کہ چون بخوانی : خوانم برابری

گفتم کہ عین ملک جہان فخر دین حق — گفتا کہ آن حسین ابو بکر اشعری

گفتم بیان اوست بہ از تیغ خسروی — گفتا بنان اوست بہ از رمحِ صفدری

گفتم گہر برآرد غواص کلک او — گفتا ز بحر وصل گہ آشناوری[1]

سدید الدین محمد عوفی

عین الملک کے گلدستۂ علم و ادب کا گل سرسبد سدید الدین[2] (یا نور الدین)

[1] لباب الالباب جلد دوم ص ۱۹۱ [2] مولانا ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۴۱) میں عوفی کا نام صدر الدین بتایا ہے، لیکن ڈاکٹر محمد نظام الدین صدر شعبۂ فارسی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد نے بڑی محنت و کاوش کرکے صحیح نام سدید الدین بتایا ہے گو عام طور سے وہ نور الدین کے لقب سے مشہور ہے، دیکھو ڈاکٹر نظام الدین کی کتاب

Introduction to The Jawami'ul Hakayat wa Lawamiu riwayat, p. 4, 5

محمد عوفی تھا، وہ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کی اولاد سے تھا، اسی لیے اپنے نام کے ساتھ
عوفی لکھتا ہے، عوفی کے دادا قاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحیی بن طاہر بن عثمان
العوفی ماوراء النہر کے مشہور علماء میں تھے، اس کے ماموں سید الحکماء ملک الاطبا شرف الزمان
امام مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی اپنے عہد کے ممتاز طبیب تھے، اور ماوراءالنہر کے سلطان
قلیچ طمغان خاں ابراہیم بن حسین کے دربار سے منسلک تھے،

عوفی بخارا میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم یہیں امام رکن الدین مسعود بن امام زادہ، تاج الدین
عمر بن مسعود بن احمد اور مولانا قطب الدین سرخسی سے حاصل کی، مزید تحصیل علم کے لیے تقریباً بیس
سال تک ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف دیار مثلاً سمرقند، اموی، خوارزم، مرو، شہرنو،
نساء، نیشاپور، ہرات، اسفزار، اسفرائن، سجستان اور فرہ کی سیاحت کی، اور یہاں کے علماء، فضلا
اور شعراء سے مستفید ہوا ۵۹۷ھ میں سمرقند میں اس نے مولانا صدر الامام شرف الدین محمد
ابن ابی بکر النسفی سے حدیث پڑھی اور ان سے روایت حدیث کی اجازت لی یہیں وہ شاہ قلیچ طمغاج خان ابراہیم کے لڑکے
قلیچ ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان کی ملازمت میں داخل ہو کر اس کے دیوان انشاء کا
نگران مقرر ہوا، اس ملازمت کے دوران میں سمرقند کے دربار کے تمام فضلاء اور شعراء کی صحبت
میں رہا،[1] مگر یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آیا، جہاں سے
پھر نکل کر خوارزم پہنچا، یہاں کے مشہور شیخ شرف بن المؤید بغدادی سے فیوض حاصل کرنے
کے علاوہ شیخ الاسلام، علاء الدین الحارثی سے حدیث کی قرأت بھی کی،[2] خوارزم سے شہرنو آیا
لیکن راستہ میں اس کا مال و اسباب لٹ گیا، شہرنو پہنچ کر اس نے نصرۃ الدین کبود جامہ کی خدمت
میں حسب ذیل رباعی لکھ کر بھیجی،

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۷۵ و ۹۴ [2] ایضاً ص ۲۰۹

اے شاہ بہ بذل بحر و کانے دگری   در قالب ملک و عدل جانے دگری

زان روے کبود جامہ می خوانندت   کز رفعت و قدر آسمانے دگری

نصرۃ الدین نے عوفی سے ملاقات تو نہیں کی لیکن اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھیج دیا[۱]۔

عوفی شہر نو سے خراسان کی طرف بڑھ گیا، اور نسا پہنچا، جہان وہ مجد الدین محمد الپایئزی سے ملا، جو اس وقت خوارزم شاہیون کا شہنشاہ نامہ مرتب کر رہا تھا[۲]۔ نسا سے عوفی ۶۰۳ھ مین نیشاپور آیا، اور وہان کے گاؤن مین بھی گھوما، وہان سے اسفرائن پہنچا، یہان سلطان خوارزم شاہ کے دبیر عماد الدین کے یہان مقیم رہا[۳]، یہان سے پھر نیشاپور آیا، اس مرتبہ نیشاپور کے قیام کے زمانے مین تمام اکابر فضلاء و شعراء کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا، سلطان خوارزم شاہ کے صاحب دیوان استیفا صدر الدین کے ساتھ وہ کر شعر و شاعری کی مجلس گرم رکھی، دونون ایک دوسرے کی سخن سنجی و سخن فہمی کی داد دیتے تھے[۴]۔ اسی شہر کے مشہور ادیب، شاعر اور کاتب اور سلطان سنجر کے دبیر منتخب الدین کی صحبت مین وہ کر ان کی تصنیف رقیۃ القلم پڑھی، جس سے اس کو فن کتابت مین بھی درک حاصل ہوا[۵]۔ یہین مولانا سرخسی کے ساتھ ان کے اشعار پر اشعار کہکر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا[۶]۔ یہین اور دوسرے شعراء اور ارباب ذوق کے سامنے اپنے فارسی اور عربی اشعار سنا کر ان سے داد لی[۷]۔

نیشاپور سے ہرات آیا تو وہان کے فاضل اجل امام بدر الدین بن نور الدین ہروی اور شیخ فخر الدین خطاط کی صحبت مین علمی و ادبی فیوض حاصل کیے[۸]۔

ہرات سے سجستان کی طرف روانہ ہوا، پہلے وہ اسفزار آ کر مقیم ہوا، جہان وہ سلطان

---

[۱] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۳۰ [۲] ایضاً ج ۲ ص ۵۴۳ [۳] ایضاً ج ۱ ص ۱۷۴ [۴] ایضاً ص ۴۴-۴۳

[۵] ایضاً ص ۸۰ [۶] ایضاً ص ۲۱۸ [۷] ایضاً ص ۲۵۰-۲۴۶

محمد خوارزم شاہ کے وزیر ضیاء الدین ابوبکر بن احمد البجاجی سے ملا جس کی فیاضی اور داد و دہش کا برابر معترف رہا، یہیں اس نے امام شرف الدین عنبری سے سنکر شہاب الدین محمد بن ہمام کے کچھ اشعار جمع کیے، جو خراسان کے مشہور شاعر، عالم اور خطاط تھے[1]، یہیں اس نے مہذب الدین منصور بن علی سے گہرے تعلقات پیدا کیے جس نے اس کی شان میں ایک عربی قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے:[2]

ما ابصرت ایام عمری طرفی   فرما کریما کالسدید العوفی

اسفزار سے فرہ آکر امام شرف الدین محمد بن محمد فراہی سے ملا جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے، اسفزار سے سجستان کے دار السلطنت پہنچا، جہاں کے تمام مشاہیر فضلاء سے ملا، سجستان سے اپنے وطن بخارا کی طرف مراجعت کی[3]، دوران سفر میں وہ مرو اور اموی کے فضلا سے بھی ملا، ان فضلاء اور شعراء کی صحبت میں اس کے علم و ادب کی جلا اچھی طرح ہوئی اور جب وہ وطن پہنچا تو اس وقت اس کا شمار ایک جید اہل علم میں کیا گیا لیکن جب خراسان پر تاتاریوں نے یلغار کی تو اس کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اور وہ غزنیں ہوتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا، لاہور پہنچا تو اس زمانہ کے مشہور شاعر حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب اور ادیب شرف الدین احمد و ماوندی کی صحبت سے متمتع ہوا[4]، لاہور سے ۶۱۷ھ سے پہلے ناصر الدین قباچہ کے دربار میں اچہ پہنچا، یہاں اس کو شاہی امام و واعظ کے عہدہ پر مامور کر کے اس کے علم و فضل کی قدر دانی کی گئی، ۶۱۷ھ

---

[1] لباب الالباب ج ا ص ۱۷۳ [2] ایضاً ص ۱۵۹ [3] لباب الالباب میں عوفی نے اپنی سیاحت کا ذکر ضمنی طور پر کیا ہے، اس لیے ہم نے اس کے سفر کی جو ترتیب قائم کی ہے ممکن ہے وہ صحیح نہ ہو، اس کی سیاحت کی تفصیلات لباب الالباب جلد اول کے مقدمہ، جوامع الحکایات و لوامع الروایات کے اردو ترجمہ کے دیباچہ اور ڈاکٹر نظام الدین کی تصنیف میں بھی ہیں، ہم نے ان سب سے بھی استفادہ کیا ہے [4] لباب الالباب ج ا ص ۱۱۳ و ج ۲ ص ۲۸۳

میں عید الفطر کے موقع پر اس نے عربی میں جو خطبہ دیا تھا، وہ لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۵ پر منقول ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہو کر کنبھایت پہنچا، یہاں اس نے قاضی ابی علی المحسن بن علی محمد بن داؤد المتوفی ۳۸۴ھ کی کتاب الفرج بعد الشدۃ کا فارسی ترجمہ شروع کیا، اور اپنے آقا کے نام سے اس کا انتساب کیا، اس انتساب میں اس نے سلطان کے لیے جو القاب استعمال کیے ہیں، اس سے اس کے ساتھ اس کے احترام و عقیدت کا پتہ چلتا ہے، لکھتا ہے:

قدر فرمان ملک معظم خسرو اعظم مالک رقاب امم مولی ملوک الترک والعجم ناصر الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین اعدل الملوک واکرام السلاطین سلطان ارض اللہ ناصر عباد اللہ حافظ بلاد اللہ المؤید بنصر اللہ محمد مالک الدنیا مظہر العلیا ابوالفتح قباچہ[۱]

جب عوفی کو ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک نے اپنی سرپرستی میں لیا، اور اس کو مالی و معاشی اطمینان حاصل ہوا، تو اس نے شاہی ملازمت کے زمانے ہی میں اپنے وہبی اور کسبی علوم کا جوہر اپنی کتاب لباب الالباب لکھ کر دکھایا، یہ کتاب دو جلدوں میں اڈورڈ براؤن نے اڈٹ کر کے محمد بن عبد الوہاب قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۹۰۳ء میں انگلستان سے شائع کی ہے، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے چار ابواب میں شعر و شاعری کی فضیلت اور معنی پر بحث ہے، پانچویں اور چھٹے میں مختلف سلاطین، ملوک، امراء اور وزرا کی فارسی شاعری کا ذکر ہے، ساتویں میں ماوراء النہر، خراسان، نیمروز، عراق، غزنین اور جبال کے ائمہ، علماء، اور فضلاء کی شاعری پر

[۱] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۴۰۵، نمبر ۳۰۷۔

تبصرہ ہے، دوسری جلد کی پانچ فصلوں میں آل طاہر، آل لیث، آل سامان، آل ناصر، آل سلجوق،
اور ناصر الدین قباچہ کے درباری شعراء کا بیان ہے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فارسی کے ابتدائی
دور کے شعراء کا تذکرہ ہے، جو دولت شاہ کے تذکرۃ الشعراء سے ڈھائی سو سال پہلے لکھا گیا ہے
اس لحاظ سے فارسی شعراء کے تذکروں میں قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے[1]۔ فارسی کے بہت سے
قدیم شعراء کے حالات اور ان کی شاعری کے نمونے صرف اسی کتاب کی بدولت ملتے ہیں، گو مصنف
نے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق شعراء کے حالات زیادہ تفصیل سے تو نہیں لکھے ہیں، پھر بھی فارسی
کے قدیم شعراء کی شاعری کے مطالعہ کے سلسلہ میں یہ کتاب اب تک بہت زیادہ قابل قدر سمجھی
جاتی ہے، اس کی عبارت شروع سے آخر تک مسجع اور مرصع ہے، جو عوفی کے ایک باکمال ادیب
اور نثر نگار ہونے کا ثبوت ہے،

یہ کتاب عین الملک کی سرپرستی میں لکھی گئی، اس لیے مؤلف نے دیباچہ کے ابتدائی چھ صفحوں میں
اپنے مربی اور محسن کی مدح و توصیف نثر اور نظم دونوں میں کی ہے، نثر میں جو القاب اپنے ممدوح کے لیے
لکھے ہیں وہ عین الملک سے اس کی عقیدت کے ساتھ اس کے اشہب قلم کی جولانی کی بھی دلیل ہیں،
دیباچہ کے علاوہ بھی جا بجا وہ عین الملک سے اپنے عقیدت مندانہ جذبات کا اظہار والہانہ انداز
سے کرتا ہے، ایک قصیدہ میں کہتا ہے

مردم دیدہ نگر چوں روح در خود آمدہ — بارہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ
دور بینی بین کہ چون زہ یک گرہ دم بدمہ — چوں عروس شادمان در فر دگوہر آمدہ
آن بہشتی لعبت میمون لقا را روز و شب — منزلی در مادی نگر در آب کوثر آمدہ
چوں مشعبد ہندوی زنگی فراست او بہ بیں — دست لعبت ہر زمان از رنگ دیگر آمدہ

[1] دیکھو مقدمہ لباب الالباب ج اول از براؤن ص ۱۱، و لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص ۴۰۰،

همچو لطف صاحب صاحب قران تصویرا | نزد اہل عقل و دل با جان برابر آمده
آصف ایام عین الملک فخر الدین کہ ہست | قدر او از مرکز افلاک برتر آمده
قدوهٔ دوران حسین آن صاحبی کز عزو جا | راه را خاک درش اورنگ و افسر آمده[1]

ایک قطعہ میں رقمطراز ہے :

تو آن وزیرے کانصاف پادشاه جهان | بحکم قست منور زہے ستوده وزیر
ہر آنکه جز تو کسے را وزیر پندارد | جلال و قدر تو واجب کند بر و تعزیر
تو ئی سزاے وزارت بہ یکسی نرسد | گزافه دولت واللہ بالعباد نصیر[2]

اپنے مربی کے لیے بار بار دعائیں کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

تا فلک گردان بود دستور عین الملک باد | دیدهٔ ملک جہاں را نور عین الملک باد
چون بناے ظلم از والی عدلش شد خراب | تا بود قصر سما معمور عین الملک باد
راے پیرش چون غم کار ممالک می خورد | دایم از بخت جوان مسرور عین الملک باد

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

اے آنکه پاسبانی قدر تراز حل | چون ماه و آفتاب بجاں گشت مشتری
تا نفخ صور نقش طراز جلال باد | صدر جہان حسین ابو بکر اشعری

عین الملک کے حق میں دعائیں کرتا ہوا عوفی اپنی کتاب کو ختم کرتا ہے، دعا کے آخری دو شعر یہ ہیں۔

زمانه را یسار تو باد جملہ یسار | سپهر را بہ یمین تو باد جملہ یمین
زخلق بر تو ثنا باد و از فلک احسنت | ز بخت بر تو دعا باد از ملک امین

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۴۴ [2] ایضاً ص ۵

یہ جذبات محض شاعرانہ نہیں ہیں، بلکہ اپنے سرپرست کی علم پروری اور علم دوستی کا سچے دل سے

اعتراف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

شعر را ہیچ فضیلت نیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدر ایوان جمال و ماہ آسمان کمال

و یگانہ لشہر و دوم مطرو سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل موید مظفر منصور مجاہد عین الملک

ملک الفور را است ضاعف اللہ جلالہ تمامت۔" (ص ۱۶ جلد اول)

ایک دوسرے موقع پر عین الملک کے متعلق رقمطراز ہے،

"با داب فضائل قدوہ سحبان وائل و صاحب و صابی در دیوان معالمت پیش او کی

صبی و دیگرے با قل۔" (جلد اول ص ۱۶۳)

عوفی کی دوسری مشہور تصنیف **جوامع الحکایات و لوامع الروایات** ہے جسکو اس نے

سلطان ناصر الدین قباچہ ہی کے حکم سے لکھنا شروع کیا تھا مگر ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ قباچہ

التیمش کے ہاتھوں شکست کھا کر دریائے سندھ میں ڈوب کر اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کردی،

عوفی بھی دوسرے فضلا، و شعرا، کی طرح التیمش کے دربار میں چلا گیا، اور اس کے وزیر نظام الملک[1]

محمد بن ابی سعد الجنیدی کی سرپرستی میں اس نے جوامع الحکایات و لوامع الروایات کو مکمل کر کے

اس معارف پرور وزیر کے نام سے معنون کیا، (دیکھو دیباچہ جوامع الحکایات) یہ کتاب چار جلد وں

میں ایک سو ابواب پر مشتمل ہے، اس میں دو ہزار ایک سو تیرہ حکایتیں ہیں، یہ اپنی خصوصیات

مثلاً حکایتوں کی رنگارنگی، بوقلمونی، دل نشینی اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی، اور بقول

مخدومی سید ہاشمی فرید آبادی "اول سے فارسی علم و ادب کی نہایت مقبول و منتخب کتاب مانی گئی ہے۔"

[1] جوامع الحکایات پر بحث عہد شمسی کے ذکر میں آنی چاہیے تھی، لیکن عوفی کے ذکر کے تسلسل کو قائم رکھنے کی خاطر

اس کتاب پر تبصرہ یہاں کر دیا گیا ہے جس کے لیے ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں۔

مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، اور ہر زمانہ میں ہر ملک کے مصنف اور مولف اس سے برابر استفادہ بھی کرتے رہے ہیں، اس کی بعض حکایتیں تاریخی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض قصوں میں مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی اور عمرانی نکات پیش کیے گئے ہیں، اور زیادہ تر ایسی کہانیاں ہیں جن میں اخلاقی اوصاف مثلاً عدل، حیاء، تواضع، عفو وکرم، حلم، بردباری، ہمت، رحم، ایثار، سخاوت، صبر، شکر، حزم، زہد، جد وجہد، سکوت ونطق، وفاداری، محافظت عہد، امانتداری اور دوسرے مکارم اخلاق کے سبق آموز پہلو کی وضاحت کی گئی ہے،

عوفی نے یہ تمام حکایتیں تاریخ اور دوسرے فنون کی کتابوں سے جمع کی ہیں، جن کے نام بھی جا بجا لکھ دیے ہیں، مثلاً آثار الباقیہ، کتاب الهند، تاریخ یمنی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم، تاریخ العباس، مجمع الامثال، ادیان العرب، عین الاخبار، شرف النبی، الفرج بعد الشدۃ، خلق الانسان، فوائد کتب حکایتی، مفتاح الحج، سر الدای، تفسیر ابن القلبی، تاریخ مقدسی، دستور الوزراء، خواص الاشیا، کتاب الحیوان وغیرہ، ان ماخذوں سے عوفی کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور کتاب کی تدوین میں غیر معمولی تحقیق وکاوش کا اندازہ ہوتا ہے،

عوفی نے جوامع الحکایات میں اپنے مربی اور محسن نظام الملک کی شان میں بھی بہت سے قطعات اور قصائد لکھے ہیں، ایک قطعہ کی ابتدا اس طرح کرتا ہے،

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آن — کاسمانست پے خدمت او پشت دوتاہ

آن جنیدی نسب وخلق کہ در راہ کرم — اوست بر جندا کابر بہ مثل خسرو شاہ

پھر اسی قطعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نظام الملک کا دربار اشراف وملوک کا قبلۂ حاجات تھا، اور اس کا جود وکرم بے پایاں تھا،

آنکہ درگاہ جلالش را اشراف وملوک — قبلۂ حاجت سازند بعسل جباہ

بحر الفاظش بر خلق جہاں گشت محیط — کہ درو وہم مہندس نہ کند ہیچ شناہ

اے شدہ بحر کفت عبرتِ کان و دریا — اے شدہ خاکِ درت مایہ دہ دولت وجاہ

نظام الملک کے صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف ہونے کی تعریف میں ہے۔

ہست از روئے کلکت سر نصرت بہتر — ہست از تیغ کبود تو رخِ خصم سیاہ

عرفی کو اعتراف ہے کہ اس کے علم و ہنر کی قدر نظام الملک کے دربار میں ہوئی، اس کا اظہار ایک لطیف پیرایہ میں کر کے اس کی مزید عنایتوں کا ملتجی ہوتا ہے۔

صاحبا قصۂ داعی بکرم اصغا کن — کہ مثل گشت کنوں قصۂ او در افواہ

داعی مخلص عرفی کہ از احداثِ زمان — می شود خون دل سکینش بروزی صد راہ

گرچہ در مرتبہ رابع عقد ہنر ست — صفر و آحاد بود حاصل او یعنی آہ

مدتے عمر برامد بحصول اغراض — ہمچو دربان گران معتکف ہر درگاہ

زنگ و بوئے کرم از کس چو ندید و نشنید — باچنیں تحفہ دگر باز تو آورد پناہ

ذات او ہست نباتے بہ کرم آبش دہ — چہ شود تازہ پس از وے ثمر تازہ بخواہ

او رواں کرد زبان را بمدیح تو دراز — تو از دست حوادث بکرم کن کوتاہ

تا کہ در نور و ضیا ماہ نباشد چون خور — تا کہ در مرتبہ فرزین نبود ہم چوں شاہ

دشمن جاہ تو در حبس ابد باد چنان — کہ بروں ناید از و ہرگز چون سایہ زچاہ

ایک اور قطعہ میں نظام الملک کے بذل اور اخلاق کے متعلق کہتا ہے۔

نظام الملک و سپہر کرم قوام الدین — کہ گرد بذل کفش خستہ سینۂ کانرا

محمد ابن ابی سعد صاحبے کہ دہد — برائے قوت نشو و نما مر ارکانرا (۹)

اگر نہ نفحہ اخلاق او مدد کردے — کجا بدی لطراوت اثر گلستان را

اگر نہ پرتو رائے منیر او بودے   زسایہ رنج بدی آفتاب رخشاں را

ہمیشہ صدر وزارت باد مشرف باد   مدام تا کہ بود دور چرخ گرداں را

ایک دوسرے موقع پر نظام الملک کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آں صاحب ستودہ کہ در دام فضائے عرش   شہباز قدر وجاہ ورا آشیان سزد

عادل نظام ملک محمد کہ دہر را   معمار رائے قاہر او قہرمان سزد

ہر قصر قدر او را از دولت جوان   ہندوے بر قدر زحل پاسبان سزد

برجیس کو بسعد جہاں راست میزبان   در منزل سعادت او میہمان سزد

مریخ کو است شعلۂ از نار چشم او   در روز حشر بر سر زخمش سنان سزد

ناہید آنکہ عود طرب بر کنار اوست   از بہر بزم قدر او درمیان سزد

تیر فلک محرر دیوان او بود   ز بیک تیز تازوی او قہرمان سزد

پیوستہ شاد باش کہ این ملک شرق را   قدرش روان فزاید ورائش جوان سزد

جوامع الحکایات میں نظام الملک کی مدح میں بہت سے اشعار ملیں گے، جن میں کبھی اس کے تدبر و دبدبہ، کبھی اس کی علم نوازی و ہنر پروری کبھی اس کی عدل گستری اور غربا نوازی اور کبھی اس کی شجاعت و نبرد آزمائی وغیرہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے، ایک جگہ نظام الملک کی ستائیش کے سلسلہ میں سلطان شمس الدین التیتمش کی بھی مدح کی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد کا ادنی آدمی بھی قیصر و کسریٰ اور خاقان و چین سے بہتر ہے،

نظام ملک محمد قوام دولت و دین   کہ مصر جامع دین را ز رائے اوست حصار

دگر بہ عہد شہنشاہ ما ندی پروینہ   ز رشک و غیرت نشناختی یمین و یسار

خدایگان سلاطین عہد شمس الدین   کہ کان دریا از یمین اوست یسار

کمین بندۂ او بہ قیصر و کسریٰ کمین چاکر او بہ زخان چین تتار

خدائے جل جلالہ وزیر سلطان را بفضل خویش ز احداث چرخ مامون دار

ہم نے عوفی کے مختلف قصائد و قطعات اوپر اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ وہ ایک ممتاز نثار اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک جلیل القدر اور قادر الکلام شاعر بھی تھا، اس کی وعظ گوئی، نثر نگاری، سخن سنجی اور پایۂ علمی کی داد دیتے ہوئے اس کے معاصر محمد بن عمر بن محمد سمرقندی نے جو اس کے فارسی ترجمہ الفرج بعد الشدۃ کا کاتب ہے، اس کو "واعظ الملوک والسلاطین"، "منشی النظم والنثر"، "ملک الکلام" اور "افضل العالم" کے القاب سے یاد کیا ہے،

عوفی کی ایک کتاب مدائح السلطان بھی تھی، جو غالباً اس کے قصائد کا مجموعہ تھا،

چچ نامہ ناصر الدین قباچہ ہی کے عہد میں سندھ کی مشہور و معروف تاریخ چچ نامہ عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی، اور اس کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہوئی، یہ تاریخ دراصل عربی میں لکھی گئی تھی، جس کو فارسی میں محمد بن علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے منتقل کیا، اور اب اس مترجم کی حیثیت مستقل مصنف کی ہو گئی ہے، محمد بن علی کا آبائی وطن کوفہ تھا، چچ نامہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن مالوف سے اچہ آیا، اور اپنی عمر کے ۵۸ ویں سال میں اس کو سندھ خصوصاً محمد بن قاسم کی فتوحات کی ایک تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس ارادہ کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ اچہ چھوڑ کر الور اور بھکر آیا، بھکر میں اس کی ملاقات اس زمانہ کے بہت بڑے عالم مولانا کمال الدین اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب الدین عثمان ثقفی سے ہوئی، جن کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ

"در فصاحت کان فضل است و در ملاحت جان عقل است، و در فنون علوم فارسی بے نظیر و در .... بلاغت بے عدیل شدہ بود"

مولانا کمال الدین اسمٰعیل سے محمد بن علی کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس عربی میں سندھ کی ایک تاریخ ہے، جس کو ان کے کسی مورث نے قلمبند کیا تھا محمد بن علی نے اس کا مطالعہ کیا تو اس کو یہ کتاب بہت پسند آئی، وہ خود لکھتا ہے،

> چون بندہ را بر آن کتاب اطلاع افتاد کتابے بود بجواہر حکمت آراستہ و بدرر عظمت و مو براستہ و اوصاف شجاعت و مردانگی اہل عرب و شام در وے مبرہن، و الوزاع شہامت و فرزانگی در وے متمکن ....

چنانچہ اس نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا، اور ۶۱۳ھ میں جب ترجمہ ختم ہوا تو اس کا نام فتح نامہ رکھا، لیکن بعد میں یہ کتاب چچ نامہ کے نام سے مشہور ہوئی، شروع میں سندھ کے راجہ چچ بن سلائج کی حکومت اور فتوحات کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے چچ نامہ کی شہرت زیادہ ہوئی، حالانکہ اس میں سندھ کے فاتح محمد بن قاسم ثقفی کے جنگی و حربی واقعات کی تفصیلات زیادہ ہیں اور اسی لیے اس کا نام فتح نامہ رکھا گیا تھا، لیکن یہ نام مقبول عام نہ ہوا، اس کا نام منہاج الدین والملک اور تاریخ قاسمی بھی بتایا گیا ہے۔

اس تاریخ کا ایک آدھ واقعہ تو افسانوی رنگ میں ہے خصوصاً یہ روایت تو بالکل بے سروپا ہے کہ داہر کی لڑکیاں جب مال غنیمت کے ساتھ خلیفہ ولید کے پاس بھیجی گئیں تو انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت لگائی اور خلیفہ نے غصہ میں محمد بن قاسم کو چرم گاؤ میں سلوا کر مروا ڈالا، اور جب اس کی لاش داہر کی لڑکیوں نے دیکھی تو اقرار کیا کہ انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت اپنے باپ کا بدلہ لینے کی خاطر لگائی تھی، خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنی بوٹیاں کاٹنے لگا۔ اس روایت کو موجودہ دور کے تمام محققون نے بالکل غلط بتایا ہے، دوسرے اس لیے بھی ناقابل قبول ہے کہ محمد بن قاسم کی معزولی سلیمان بن عبد الملک کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی، اور اس کی معزولی کے بعد یزید بن ابی کبشہ سکسکی جب سندھ کا والی

مقرر ہوا تو اسی نے محمد بن قاسم کو سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے گرفتار کیا، مجرموں کی طرح اسکو ٹاٹ کے کپڑے پہنائے اور پاؤں میں بیڑی ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کر دیا، جب محمد بن قاسم عراق پہنچا تو واسط کے جیل خانہ میں بھیج دیا گیا اور یہیں تکلیف اور مصیبت جھیل کر مسلمانوں کی تاریخ کے ایک بہت ہی جلیل القدر فاتح نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔[۱] اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف کا چچازاد بھائی اور داماد تھا، اور حجاج سلیمان کے حریف ولید کے لڑکے کا طرفدار تھا، حجاج کی موت کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے اس کے تمام متعلقین کو تہ تیغ کرنے ہی میں اپنی حکومت کی سلامتی دیکھی۔

لیکن اس روایت سے قطع نظر...... چچ نامہ سندھ کی ایک مستند تاریخ ہے، بعد کے تمام مورخوں مثلاً نظام الدین بخشی مولف طبقات اکبری، فرشتہ صاحب تاریخ فرشتہ، میر معصوم مولف تاریخ سندھ (یا تاریخ معصومی) اور میر علی قانع ٹھٹوی صاحب تحفۃ الکرام نے چچ نامہ سے پورا استفادہ کیا ہے، اس تاریخ سے اس زمانہ کے سندھ کے مذہبی، عمرانی اور معاشرتی حالات سے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، سندھ میں عربوں کے فتوحات، بنو امیہ اور بنو عباس کے مقرر کردہ والی اور انکے عہد کے واقعات تو صرف اسی کتاب سے معلوم ہوتے ہیں، اور ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب اپنے طرز بیان کی روانی، سادگی اور سلاست کے لحاظ سے بلند پایہ سمجھی جاتی ہے، ڈاکٹر داؤد پوتہ (ڈائرکٹر تعلیمات سندھ) نے اس کو اڈٹ کر کے ۱۹۳۹ء میں مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کیا ہے، انھوں نے اس کے شروع میں ایک پرمغز مقدمہ اور آخر میں توضیحات، تعلیقات اور اسناد کا اضافہ کر کے بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں، اس کتاب کے ادب و انشاء کے متعلق وہ بھی رقمطراز ہیں کہ اس کی عبارت سادہ سلیس اور بے ساختہ ہے، الفاظ میں معانی گم نہیں ہوتے، اور پھر یہی لکھتے ہیں کہ

---

[۱] یعقوبی ج ۱ ص ۳۵۶ بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا ابوظفر صاحب ندوی دارالمصنفین اعظم گڈھ ص ۱۲۲-۱۲۱

طرز انشاء کے لحاظ سے یہ سفرنامہ، سیاست نامہ، چہار مقالہ اور راحت الصدور کے پایہ کی کتاب ہے۔

۱۹۰۰ئہ میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرزا قلیچ بیگ فریدون بیگ نے شائع کیا تھا، اس کے حواشی میں جابجا تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے حوالے سے کارآمد تبصرے بھی ہیں۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ کتاب ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہے، اسی لیے اس کے مترجم علی بن حامد کوفی نے دیباچہ اور خاتمہ میں اس علم پرور وزیر کے لیے بہت سے توصیفی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وزیر عین الملک کے دربار میں اس کی بھی رسائی تھی، اور اس کی بزم کا وہ ایک ممتاز اہل علم تھا،

تعلیمی درسگاہیں

اچہ، ملتان اور بھٹہ اس وقت مشائخ علماء اور فضلاء کے بہت بڑے مرکز تھے، وہ خانقاہوں، مسجدوں اور نجی مدرسوں میں تعلیم وتکمیل اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، ان نجی مدارس کے علاوہ حکومت کی سرپرستی میں بھی دو مدرسوں کا ذکر آتا ہے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ مولانا منہاج الدین جوزجانی اچہ آئے تو ناصر الدین قباچہ نے یہاں کے مدرسہ معزی کا اہتمام وانتظام ان ہی کے سپرد کیا، پھر جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصر الدین قباچہ نے ان کے لیے خاص طور پر ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں وہ برابر درس وتدریس میں مشغول رہتے، تاریخ فرشتہ میں ہے

"چون مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بہ ملتان رسیدہ شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامۂ روزگار بودند با مداد و دران مدرسہ نماز گزاردہ تدریس گفتن بہ پرداخت"

شمس الدین التمش

۱۲۱۰ - ۱۲۳۶ء

۶۰۷ - ۶۳۳ھ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں شمس الدین التمش ایک عدیم المثال فرمانروا گزرا ہے، وہ غلامی سے ترقی کر کے نہ صرف دہلی کے تاج و تخت کا مالک بنا، بلکہ اپنی سپہ گری، سیاسی ہوشمندی عشق الٰہی اور علم نوازی میں اپنی نظیر آپ ہوا، تاریخوں اور تذکروں میں اس کا ذکر ایک ۔ ۔ ۔ ۔ بہادر سپاہی بیدار مغز حکمران، برگزیدہ ولی اللہ اور جلیل القدر اہل علم کی حیثیت سے کیا گیا ہے، ہماری اس کتاب کا دائرہ محدود ہے، اس لیے ہم یہاں اس کی عرفان نوازی اور علم پروری ہی کا ذکر کریں گے۔

ابتدائی زندگی

التمش ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا[1]۔ اس کا باپ ایلم خان اپنے قبیلہ کا سردار تھا، اور اپنی دولت و ثروت اور خدم و حشم کی وجہ سے اطراف و جوانب میں بڑی شہرت رکھتا تھا، اس کے کئی لڑکے تھے، لیکن وہ التمش کو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت ہی عزیز اور

[1] تاریخ فرشتہ میں ہے:-

"کتاب طبقات ناصری ناطق است بآنکہ سلطان شمس الدین التمش از بزرگ زادگان ترکان قراختائی است و پدر او کہ از قبیلۂ البری ست و بایلم خان اشتہار داشت بکثرت خیل و حشم و تبع معروف و مشہور عصر بود" (ج ۱، ص ۶۴، نولکشوریہ)

مگر طبقات ناصری کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں التمش کے ذکر میں صرف اتنا ہے کہ

"از قبائل البری ترکستان" (ص ۱۶۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

رکھتا تھا، ایلم خان کی یہ محبت اس کے دوسرے بیٹوں کو اچھی نہ معلوم ہوئی، اور انھوں نے التتمش کے ساتھ وہی سلوک کیا جو حضرت یوسف ع کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا، التتمش کے بھائیوں اور بھتیجوں نے اس یوسفِ ترکستان کو گلہ بانی اور شکار کے بہانہ دور دراز باغ وصحرا میں لے جاکر ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا، سوداگر اس کو بخارا لے گیا، جہاں اس شہر کے صدر جہان کے ایک عزیز نے اس کو خرید لیا، یہ خاندان اپنی بزرگی اور مذہبی فضیلت کے لحاظ سے ممتاز تھا، یہاں التتمش اپنے آقا کے لڑکوں ہی کی طرح پرورش پاتا رہا، اس نے بھی اپنے آقا کی خدمت گزاری میں غیر معمولی اخلاق ودیانت کا ثبوت دیا، اس زمانہ کا ایک واقعہ طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ صدر جہان کے خاندان کے کسی فرد نے التتمش کو ایک قراضہ بازار سے انگور لانے کو دیا، راستہ میں یہ قراضہ گم ہوگیا، وہ بیٹھ کر رونے لگا، رو رہا تھا کہ ایک درویش اس کے پاس پہنچا، اس نے اس پر شفقت کی، اور اس کو انگور خرید کر دیدیا، اور اس سے یہ وعدہ کرایا کہ جب اس کو دولت اور ملک حاصل ہو تو فقرا، اور اہل خیر کی تعظیم میں لگا رہے گا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرلیگا، التتمش نے یہ وعدہ کیا، اور جب وہ دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس کو یہی خیال رہا کہ اس کو دولت اور سلطنت اسی درویش کی بدولت ملی ہے[1]

تقدیر نے اس کو صدر جہان کے خاندان سے بھی جدا کیا۔ اور بخارا کے ایک سوداگر حاجی بخاری نے اس کو خریدا جس نے اس کو ایک دوسرے سوداگر حاجی جمال الدین چست قبا کے ہاتھوں فروخت کیا،[2] اپنے اسی آقا کی معیت میں وہ بغداد پہنچا، جہاں وہ کچھ دنوں مقیم رہا، بغداد اس وقت جلیل القدر مشائخ وعلماء کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے فیوض وبرکات کے چشمے جاری تھے، التتمش اپنی صغر سنی کے باوجود ان تمام بزرگان سلسلہ کے حلقہ میں حاضر ہوتا رہا حضرت خواجہ

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۷، تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۶۶ [2] طبقات ناصری ص ۱۶۸-۱۶۷ فرشتہ جلد اول ص ۶۴، طبقات اکبری جلد اول ص ۵۶۔

قطب الدین بختیار کاکی فوائد السالکین میں التتمش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین ایک ساتھ کہیں تشریف فرما تھے، وہ بھی اس مجلس میں شریک تھے، پرانے زمانے کے اولیاء اللہ پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بارہ سال کا لڑکا ادھر سے گزرا، تمام بزرگوں کی نظریں اس پر اٹھ گئیں، حضرت خواجہ معین الدین کی زبان مبارک سے فوراً یہ نکلا کہ

"این کودک بادشاہ دہلی خواہد شد، وحق او را از جہان نبرد تا بپادشاہی نرساند"

(فوائد السالکین مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۶)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بھی شمس الدین التتمش کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"او خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی را و شیخ اوحد کرمانی را رحمۃ اللہ علیہم دریافتہ بود و یکے ازینہا گفتہ بود کہ تو بادشاہ خواہی شد" (فوائد الفواد ص ۲۱۲، لکھنؤ اڈیشن)

سیر العارفین میں ہے کہ ایک بار التتمش شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اس وقت شیخ اوحد الدین کرمانی بھی وہاں موجود تھے، التتمش نے چند فراضے کمر سے کھول کر شیخ الشیوخ کے سامنے رکھے اور دعاؤں کا طلبگار ہوا، شیخ الشیوخ نے فاتحہ پڑھکر زبان مبارک سے فرمایا "اس شخص کے چہرہ سے انوار سلطنت چمکتے نظر آتے ہیں" شیخ الشیوخ اوحد الدین کرمانی نے بھی التتمش کو مخاطب کرکے کہا تمہاری برکت سے تمہاری دنیاوی سلطنت میں تمہارا دین بھی سلامت رہے گا۔[1]

بغداد ہی میں ایک بار اس کے آقا کی قیامگاہ پر اہل حال درویش مدعو تھے، جن میں حضرت قاضی

---

[1] سیر العارفین ج ۱ ص ۲۸، اردو ترجمہ، اس تذکرہ میں یہ روایت طبقات ناصری کے حوالہ سے درج ہے لیکن میرے پیش نظر نسخہ طبقات ناصری میں یہ روایت مذکور نہیں،

حمید الدین ناگوری بھی تھے، ان درویشوں کے لیے مجلس سماع منعقد کرائی گئی، یہ مجلس رات بھر رہی، التتمش مجلس کی شمع کو روشن رکھنے کی خاطر تمام رات سرِ شمع کو وقتاً فوقتاً قینچی سے کاٹتا رہا، درویشوں کو اسکی یہ خدمت پسند آئی، اور انھوں نے اس پر ایسی نظر ڈالی کہ مورخوں کا بیان ہے کہ اسی کی بدولت وہ ایک سلطنت کا مالک بن گیا[1]،

کچھ عرصہ کے بعد حاجی جمال الدین نے التتمش کو قطب الدین ایبک کے ہاتھوں فروخت کر دیا، ایبک نے اس کو اپنے لڑکے کی طرح اپنے ساتھ رکھنا شروع کیا، التتمش نے ایبک کی خدمت میں رہکر غیر معمولی ذہانت اور طباعی کا ثبوت دیا، اس لیے وہ مختلف عہدوں پر فائز ہو کر جلد ترقی کرتا گیا، پہلے وہ سرجاندار مقرر ہوا، پھر امیر شکار بنایا گیا، اور جب گوالیار فتح ہوا تو یہاں کا امیر مقرر کیا گیا، جہاں اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بھی خوبیاں دکھائیں، میدان جنگ میں بھی اس نے اپنی شجاعت اور نبرد آزمائی سے نمایاں کارنامے انجام دیے، چنانچہ اپنی بہادری ہی کے صلہ میں گوالیار سے برن کے نظم و نسق کیلئے بھیجا گیا، جس کے بعد وہ بدایون کے مقطع کے عہدہ پر مامور ہوا، بداؤن کے قیام کے زمانے میں اس سے ایک ایسا غیر اختیاری فعل سرزد ہوا کہ اس کا حوالہ حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے ملفوظات میں بھی دیا ہے، ایک روز التتمش چوگان کھیلنے کے لیے باہر نکلا، راستہ میں ایک بہت ہی ضعیف و نحیف فقیر ملا، اس نے التتمش سے بھیک مانگی، لیکن التتمش اس کو کچھ دیے بغیر آگے بڑھ گیا، فوراً ہی ایک توانا

---

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۹، طبقات اکبری میں ہے کہ بغداد میں التتمش کے آقا کے یہاں ہر شب رات کو مجلس سماع منعقد ہوتی تھی، التتمش سراپا خدمت بنکر اس مجلس میں حاضر رہتا اور سماع کے دوران میں رویا کرتا تھا، اسکے بعد طبقات اکبری میں ہے:-

"چون خدمت ملک التتمش درویشان را خوش آمد، نظر ہے انداختند، حضرت حق سبحانہ تعالیٰ برکت آن نظر او را بدرجۂ سلطنت رسانید (ج ۱ ص ۶۲) نیز دیکھو فرشتہ ج ۱ ص ۶۷-

تندرست سائل ملا جس نے التمش کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلایا بھی نہیں تھا کہ التمش نے اشرفی کی تھیلی کھول کر اس کو خیرات دی۔ یہ خیرات دے کر التمش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اس بوڑھے نے مجھ سے مانگا لیکن میں نے اس کو کچھ نہ دیا، اگر میں اس بوڑھے کو کچھ دیدیتا تو یہ اچھا تھا، لیکن دینے والا تو خدا ہے، ہم کون ہیں کہ یہ کہیں کہ ہم نے فلاں کو دیا اور فلاں کو نہیں دیا، خدائے عزوجل جس کو چاہتا ہے دلاتا ہے (فوائد السالکین ص ۳۰) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اس واقعہ اور التمش کے عارفانہ قول کو اپنے مریدوں سے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ

"معطی خداست، چوں خدائے تعالےٰ کسے را بدہد، مانع کرتواند بود" (فوائد الفواد ص ۱۲-۲۱۱)

جب شہاب الدین غوری نے گکھروں کے خلاف فوج کشی کی تو التمش بھی بداؤں سے ایک بڑی فوج لے کر اس کی مدد کے لیے پہنچا، لڑائی شروع ہوئی تو التمش نے اپنی بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے، لشکر میں اس سے زیادہ دلیر اور بہادر فوجی کوئی اور نظر نہ آتا تھا، گھکرون کی فوج دریائے جھلم کے اس پار تھی، شہاب الدین غوری کے لشکریون کا کوئی قابو غنیم پر چل نہیں رہا تھا، لیکن التمش نے برگستوان پہنے اپنا گھوڑا مردانہ وار دریا میں ڈال دیا، اور دریا پار کر کے دشمنون پر ٹوٹ پڑا، اور اس کی تلوار نے ہزارون دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، التمش کی اس جرأت اور بہادری کا نظارہ شہاب الدین غوری نے بھی کیا، اور جب گھکر پسپا ہو کر فرار ہو گئے تو شہاب الدین غوری نے التمش کو طلب کر کے شاہی انعامات عطا کیے اور قطب الدین ایبک کو مخاطب کر کے کہا

"التمش را نیکو داری کہ از وے کارے خواہد آمد"[1]

اور ایبک سے اس بات کی بھی سفارش کی کہ خط آزادی لکھ کر التمش کو آزاد کر دے، قطب الدین نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی، اسی کے بعد اس نے امیر الامراء کا خطاب پایا، ایبک نے اپنی لڑکی کو بھی اس کے

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۰-۱۶۹

حبالہ عقد میں دیا،[1] تمام اعیان سلطنت اس کی دینداری، سپہگری اور نظم و نسق میں اس کی بیدار مغزی کے معترف ہوتے گئے۔ اور جب قطب الدین کا انتقال ہوا، اور آرام شاہ حکمرانی کے لیے موزوں ثابت نہ ہوا تو ارباب حل و عقد نے التتمش ہی کو تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی۔

بادشاہ بنا تو ایک نئی سلطنت کی جڑ مضبوط کرنے میں منہمک رہنے، مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے اور بڑی سی بڑی فوجی مہم کی رہنمائی کرنے کے باوجود صوفیہ، علماء، فضلاء اور شعراء کی مجلسیں بھی یکساں طور پر گرم رکھیں۔

مشائخ سے عقیدت بادشاہت کے زمانے میں التتمش درویشوں خصوصاً بزرگان چشت کا اور بھی زیادہ معتقد اور گرویدہ ہوگیا، تذکروں میں ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہاتھ پر بیعت بھی کی،

مراۃ الاسرار میں ہے،

"سلطان شمس الدین مرید پاک اعتقاد خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی بود۔"[2]

خزینۃ الاصفیاء میں ہے

"از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است"۔ (ج ا ص ۲۷۶)

اسی تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ

"او (یعنی سلطان التتمش) از محبوبان و نظر منظور ثانی خواجہ معین الدین سجزی بود و کمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد۔"

التتمش اور حضرت عثمان ہرونی اگر ہم گنج اسرار کو حضرت خواجہ معین الدین کی تصنیف تسلیم کرلیں تو پھر اس کی روایت کے مطابق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان ہرونی نے ۶۱۲ھ میں جب دہلی میں

[1] فرشتہ ج ا ص ۶۵ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، نیز دیکھو سبع سنابل ص ۴۴۳

نزولِ اجلال فرمایا تو التتمش نسبت اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے ان سے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی،
حضرت خواجہ عثمان نے اس کو "طالب صادق" اور انسان کامل پایا، اور اس کو کلاہ ارادت عطا فرما
کنجل اسرار میں ہے کہ التتمش نے حضرت خواجہ عثمانی کی صحبت میں رہ کر علم لدنی اور معرفت باطن کے
تمام رموز حاصل کیے، اصلی الفاظ ملاحظہ ہوں:

"خلیفہ دہلی مدت از صحبت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ رموزات تلقین ارشادات
وحروف ہائے لدنی واستقامت معرفت باطن واطاعت وپاسبانی عالم جبروت وملازمت
عبادات خفیات وتلاوت حفظ قلوب باطن بدل وجان گرفت"

حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے التتمش کے دل کو غیر اللہ اور نفسانی خطرات سے محفوظ رکھنے
کے لیے اپنے مرید کامل حضرت خواجہ معین الدینؒ کو ایک رسالہ لکھنے کا بھی حکم دیا، اسی حکم کی تعمیل میں حضرت
خواجہ معین الدین نے کنجل اسرار نامی رسالہ لکھکر شمس الدین التتمش کے پاس بھجوایا، کنجل اسرار[1] کے دیباچہ
میں ہے کہ

"مصنف بحکم فرمان خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ مدتے برائے تصنیفات ملفوظات
از تعبرات معانی آیات وحدیثات حضرت رسالت مآب وتعریفات وقول مشائخ دریافتن
معانی اسرار حقیقت بروایت صحیح از ہفتاد وچند نسخہائے سلوک برائے استفہام سالکان متعدد

---

[1] اسکو حضرت خواجہ کی تصنیف تسلیم کرنے میں اسلیے تامل ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی خیر المجالس میں فرماتے ہیں:

"میرے حضرت پیرو مرشد سلطان الاولیا قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں
کی، اس واسطے کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور
باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی"۔ (اردو ترجمہ ص ۳۵)
لیکن ممکن ہے کہ کنجل اسرار کا شمار تصنیف میں نہ کیا گیا ہو، بلکہ پند ونصائح کا محض ایک مجموعہ تصور کیا گیا ہو۔

طالبان راہ حقیقت آغاز بتاریخ دہم ماہ محرم احدی اثنین و ستہ مایۃ ۶۲۱ھ کردم، و این ملفوظات را

برلبست و پنج معرفت جمع آوردم و گنج الاسرار (کنجیل الاسرار) نام نہادم و بخدمت سلطان شمس الدین رسانیدم

چنانچہ سلطان مذکور از دریافتن رموزات ملفوظات سالک راہ گشت و بہ عنایت اللہ تعالیٰ عنقریب الایام

بکشف و کرامات کمالیت یافت و یکے از واصلان گشت "

التمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ | سلطان شمس الدین التمش کو جو روحانی مدارج حاصل تھے، اور اس سے

حضرت خواجہ کو جو روحانی لگاؤ تھا، شاید اسی بنا پر ایک بار ان کو اجمیر سے چل کر دہلی میں آکر سلطان سے

ملنے میں تامل نہ ہوا۔ ان کے صاحبزادوں کے قبضہ میں اجمیر کے پاس ایک گاؤں تھا، وہاں کے مقطع نے

لگان مقرر کرنے میں ان کو کچھ زیادہ تنگ کیا، تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ وہ

دہلی جاکر سلطان سے ایک فرمان لے آئیں، حضرت خواجہ نے اپنے صاحبزادوں کی خاطر دہلی کا سفر کیا،

اور جب وہ اپنے مرید حضرت خواجہ بختیار کاکی کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے مرشد کی تشریف آوری

کی وجہ معلوم ہوئی تو انھوں نے مرشد کو سلطان کے پاس جانے سے روک دیا، اور خود سلطان کے یہاں

قدم رنجہ فرمایا، وہ کبھی سلطان کے پاس نہیں گئے تھے، حالانکہ سلطان اس کا برابر متمنی رہا، سلطان اپنے

مرشد کو اپنے یہاں دیکھکر متعجب ہوا، اور جب اس کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کس لیے زحمت فرمائی ہے

تو اسی وقت ایک فرمان لکھا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی بھی پیش کی،[۱]

---

[۱] سیر الاولیا ص ۵۳۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عہد شاہجہانی کے تذکرہ مرأۃ الاسرار کے مولف نے لکھا ہے (ص ۲۹۷)

" اس واقعہ کے ساتھ ایک بڑا نازک نکتہ ہے، اس پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ سلطان شمس الدین خواجہ قطب الاسلام

کا مرید تھا، اگر خواجہ بزرگ کا کوئی خادم ہی اس کے پاس چلا جاتا تو سلطان اسی کو اپنے دونوں جہان کی سعادت مندی سمجھتا

اور فرمان درست کرکے بھیجدیتا، لیکن کامل اولیا اللہ بیشتر جاہ اور مشیخت کو ترک کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اور

اپنے کو لوگوں کی نظروں میں حقیر دکھاتے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کمالات کے خرید و فروخت

(باقی ص ۶۹ پر)

اسی آمد کے موقع پر حضرت خواجہ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے دہلی کے تمام خواص و عوام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان کے پیر بھائی نجم الدین صغری ان سے ملنے نہ آئے[1]، جن کو التمش نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کر رکھا تھا، حضرت خواجہ خود ان سے ملنے گئے، اس کے باوجود نجم الدین صغری ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے، حضرت خواجہ نے یہ محسوس کر کے ان سے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے قطب صاحب دہلی میں مقیم ہیں، یہ شیخ الاسلام کی عزت و وقعت باقی نہیں رہی ہے، حضرت خواجہ نے ان کے بار خاطر کو دور کر دینے کا یقین دلایا، اور قطب صاحب کے پاس آ کر ان کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے، خود التمش دم بخود تھا، لیکن اپنے شیخ الاسلام سے باز پرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ سے اس حکم کو بدل دینے پر بڑی منت و زاری کی لیکن حضرت خواجہ نے اس کی بات نہ مانی، جب دونوں بزرگانِ دین دہلی سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب و ماہتاب کی تجلیوں سے محروم ہو رہا ہے، ہر طرف کہرام مچ گیا، تمام اہل شہر ان

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) کے لیے خود ہی بازار تشریف لیجاتے، اس کے علاوہ اولیا اللہ کا کام راستی اور دیانت ہے، اگر وہ کسی شخص سے ضرورت اور حاجت رکھتے ہوں تو وہ اسکو کس لیے چھپائیں، اور اپنے ناموس کا لحاظ کس مصلحت سے کریں، کیونکہ حق تعالیٰ ڈول کا دیکھنے والا ہے، عارفوں کے نزدیک لوگوں کے ظاہری مراسم اور ان کا برا بھلا کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، خواجہ کا امیر کے پاس حاجت لیکر جانا انکے مریدوں کیلیے رحمت تھی، تاکہ ان میں سے کوئی ایسے کام سے انکار نہ کرے اور شیخ بن جانے کے رتبہ پر نازنہ کرے، اصل تو یہ ہے کہ یہ گروہ اپنے حال پر مامور ہوتے ہیں اور اپنے اختیار کو درمیان میں نہیں لاتے، جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عشق آمد چوں خونم اندر رگ و پوست | تا کرد تہی مرا و پر کردہ بہ دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت | نامے است زمن برمن و باقی ہمہ اوست

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۷۳

دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلے، ان ہی کے جلو میں سلطان التتمش بھی تھا، قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ حال تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے تھے، لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھالیتے تھے، اور اس فراق پر عاشقِ زار کی طرح آہ و بکا کرتے تھے، حضرت خواجہ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو، تمھارے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا، جو مجھکو پسند نہیں، اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ خوشی میں پھولے نہ سمائے، خود سلطان التتمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ کے قدم چومے، اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی واپس آیا،[1]

التتمش اور حضرت بختیار کاکیؒ

قطب صاحب سلطان التتمش سے قریب بھی رہے اور دور بھی اور یہ قربت و دوری کی عجیب و غریب مثال ہے، وہ التتمش کو عزیز رکھتے تھے، لیکن اس کے جاہ و حشمت اور مال و منال سے رتی برابر بھی فائدہ اٹھانا شان درویشی کے خلاف سمجھتے تھے، ان کے گھر میں فاقہ پر فاقہ ہوتا، لیکن اس کی خبر التتمش کو ہونے نہ پاتی، التتمش نے اپنے حاجب اور وزیر کے ذریعہ کئی بار اس کی کوشش کی کہ وہ کچھ گاؤں قبول فرمالیں لیکن ہر بار انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، اور فرماتے کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگاں کو کیا منہ دکھائیں گے،[2] التتمش کو اپنے مرشد کی اس شان بے نیازی میں طرح طرح کے جلوے نظر آتے، اسی لیے اس نے اپنی شاہانہ شوکت و سطوت کے باوجود ان کے آستانہ کی جبین سائی کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کیا،

مراۃ الاسرار میں ہے کہ

"خواجہ قطب الاسلام ...... چون در شہر دہلی رسید سلطان شمس الدین مقدم او را

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۵-۵۶، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۵۳-۵۰، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۷۳

[2] راحت القلوب ص ۳۲، فوائد السالکین ص ۲۵، سیر الاولیاء ص ۵۳،

سعادت مندی دارین خود دانستہ از کمال اخلاص و ارادۂ صادق بخدمت پیوست، و در ہفتہ یک بار برائے زیارت خواجہ می آمد۔" (قلمی نسخہ دار المصنفین ج ۱ ص ۳۰۹)

سلطان ان سے عرفان و طریقت کی علمی و عملی تعلیم آخر عمر تک حاصل کرتا رہا۔[1]

قطب صاحب کے ملفوظات فوائد السالکین میں بھی التتمش کا ذکر بار بار اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے، ایک جگہ فرمایا

"آں مرد یکے از واصلانِ حق بود۔" (ص ۲۷)

التتمش کو ان سے جو غیر معمولی عقیدت تھی، اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ایک رات وہ (یعنی التتمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ مجھکو کب تک تکلیف پہنچاتے رہوگے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا اپنی عنایت سے آپنے رب العزت سے مجھ کو مملکت تو دلادی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت واپس گیا جب کہ میں نے اس کی بات قبول کی" (فوائد السالکین ص ۲۹)

بزرگان دین کی دعاؤں اور خواجگان چشت کی تعلیمات کی وجہ سے التتمش ویسا ہی مسلمان فرمانروا ہوا جیسا اس کو ہونا چاہیے تھا، قطب صاحب خود ہی فرماتے ہیں۔

---

[1] موجودہ دور کے اصحاب تحقیق نے یہ بھی بتایا ہے کہ التتمش نے اپنے مرشد سے انتہائی عقیدتمندی کا اظہار کرنے کی خاطر دہلی میں وہ مینار بنانا شروع کیا جو قطب صاحب کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے، اور دنیا کا بلند ترین مینار سمجھا جاتا ہے، اس کی اونچائی ۲۳۸ فٹ ایک انچ ہے، نیچے میں اس کا قطر ۴۷ فٹ ۱۳ انچ اور اوپر قطر تقریباً ۹ فٹ ہے، شاید حضرت خواجہ معین الدین سے اظہار عقیدت ہی کی خاطر اجمیر میں سلطان نے سنگ سرخ کی ایک عالیشان مسجد بنوائی جو ڈھائی دن کے جھونپڑا کے نام سے مشہور ہے، کہ یہ مسجد ڈھائی دن میں بنائی گئی، اسی لیے اسکا یہ نام رکھا گیا لیکن یہ قرین قیاس نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسجد میں ڈھائی دن اکر قیام کرتے ہیں، اس لیے اس نام سے مشہور ہوئی، یہ مسجد محمد عارف کے اہتمام میں علی احمد معمار نے تیار کی، اس کی دائیں محراب پر ۶۱۴ھ تاریخ تعمیر مرقوم ہے۔ بدایوں اور قصبۂ منڈوار (ضلع بجنور) کی وسیع جامع مسجدیں التتمش ہی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

"اس کا یعنی التتمش کا عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلے پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لیکر باہر نکل جاتا، اسکے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا، اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح سے معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دیکر تلقین کرتا کہ جب اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔" (فوائد السالکین ص ۲۹ - ۲۸)

فوائد السالکین کے مذکورۂ بالا طویل اقتباسات کی تائید فوائد الفواد سے بھی ہوتی ہے جبکہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے سلطان التتمش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مذہبی عقائد سے متعلق کوئی حکایت بیان فرمائی، مرتب فوائد الفواد نے یہ حکایت تو نقل نہیں کی ہے لیکن اسی کو مختصر مگر جامع جملہ میں اس طرح لکھا ہے۔

"بعد ازان عقیدہ او (یعنی التتمش) حکایت فرمود کہ شبہا بیدار بودے و ہیچ کس را بیدار نہ کردے۔" (ص ۲۱۳)

مورخوں میں عصامی نے اپنی منظوم تاریخ فتوح السلاطین میں بھی اس کو "صاحب ولایت"، "پارسا"، "صاحب شرع فرمانروا"، "غم خوار دین"، "خسرو دین پناہ"، "خسرو پاک دین" اور "خوش نفس" وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے[1]، خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان شمس الدین بہ طاعت وعبادت مولع بود، روزہائے جمعہ بمسجد رفتے وبادائے فرائض ونوافل قیام نمودے"[2]

بعد کے تذکرہ مراۃ الاسرار میں ہے

"سلطان شمس الدین کو پاک نہاد بود کہ از آب مہربانی خواجہ قطب پرورش وزندگی داشت، پادشاہ عادل ورحم دل ویکے از اولیائے حق بود" (قلمی نسخہ دار المصنفین)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی سلطان التتمش کا ذکر جابجا بہت ہی عزت واحترام اور لطف ومحبت سے کیا ہے، بلکہ اس کے بعض قول اور فعل کو بطور نصیحت اپنے مریدوں کے سامنے نقل بھی کیا ہے[3]، اور جب سلطان کا انتقال ہوا تو انھوں نے حسب ذیل شعر میں اس کی وفات کی تاریخ قلمبند کی۔[4]

بسال شش صد وسی وسہ بود کہ از ہجرت	نماند شاہ جہان شمس دین عالمگیر

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہی کی روایت ہے کہ سلطان کی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو

---

[1] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹ - ۱۱۷ [2] تاریخ فرشتہ ج اول ص ۶۷، طبقات اکبری ج اص ۶۳

[3] مثال کے لیے ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۲ - ۲۱۱، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی یہ بھی روایت ہے کہ التتمش کے سامنے آم پیش کیے گئے تو ان کو کھا کر خوش ہوا، پوچھا کہ اس پھل کا نام کیا ہے، بتایا گیا "انب"، انب ترکی میں ایک بری چیز کو کہتے ہیں، اس لیے اس نے کہا اس کا نام نغزک رکھا جائے، اور یہی نام مشہور ہوا،

[4] فوائد الفواد ص ۱۵۶، سیر الاولیاء ص ۵۶

خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا، تو اس نے جواب دیا کہ میری بخشایش میرے حوض کی بدولت ہوئی[1]، حوض سے مراد حوض شمسی ہے، جس کو سلطان نے سنہ ۶۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا، یہ حوض دو پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا، تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا، حوض کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک عمارت بھی قائم تھی، شہر کے لوگ تفریح کیلئے اس پر فضا مقام پر جمع ہوا کرتے تھے، اسی حوض کے متعلق امیر خسرو قران السعدین میں رقمطراز ہیں:

در کمرِ سنگ میانِ دو کوہ	آب گہر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطان سکندر صفات	در سدِ کوہ آئینہ ز آب حیات
تا خضر آب خوش او نوش کرد	آب خوش چشمہ فراموش کرد
شہر گر از وے نبود آب کش	کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش
آب کہ علت ز برائے تری است	تری آن آب ز علت بری ست
در نخورد آب وے اندر زمین	کے بزمین در خورد آبے چنین
در تہ آبش ز صفا ریگِ خرد	کور تواند بدل شب شمرد
موج بلندش کہ رسد تا بماہ	باز دہد آب با بر سیاہ
سیل وے آہنگ بہ کہسار کرد	کوہ بہ تر دامنی اقرار کرد
چو مد و جزرش ز نشیب و فراز	ز آب ز کوہ آمدہ و رفتہ باز
چو ترہ و قصر بلندش در آب	گشت ازان ساغر صافی حباب
رود بسے ز و شدہ تا آب چون	چون ز پلے آب اندر جستہ عون
گرد وے از اہل تماشا گروہ	دامن خیمہ شدہ دامان کوہ[2]

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۱۹ [2] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۳۳۔۳۴

فوائد السالکین مین قطب صاحب اس حوض کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب سلطان شمس الدین نے اس کے بنوانے کا ارادہ کیا تو ارکان سلطنت کے ساتھ زمین تلاش کرنے کو نکلا، اور جب اس جگہ پہنچا جہان پر کہ اب حوض ہے تو اسی سرزمین پر حوض کے کھدوانے کا ارادہ کیا، محل واپس آیا تو رات کو نماز پڑھ کر مصلے ہی پر سو گیا، خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہین گھوڑے پر سوار ہیں، وہ آپ کے سامنے جا کر گر پڑا، اور جب اٹھا تو گھوڑے نے زمین پر ٹھوکر ماری جس سے پانی نکلنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ حوض بنواؤ، چنانچہ اس نے اسی حکم کی تعمیل مین اسی جگہ حوض کھدوایا، جس کا پانی بہت ہی شیرین نکلا[1]، قطب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس حوض کو دو برکتیں حاصل ہوئیں، ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت تھی، دوسری یہ کہ یہاں بڑے بڑے بزرگان دین محو خواب ابدی تھے اور پھر اشکبار ہو کر اس آرزو کا بھی اظہار کیا، کہ

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۸، نظام الدین احمد نے طبقات اکبری اور فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں یہ روایت نقل کی ہے، اور دونوں مورخوں نے اس کی ابتدا ان جملوں سے کی ہے،

"در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کہ جامع آن شیخ فرید شکر گنج ست قدس سرہما آوردہ کہ سلطان را ہوائے ساختن حوض در سر افتاد......"

لیکن ان دونوں تاریخوں اور فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ کی روایتوں مین کچھ جزوی اختلافات ہین مثلاً طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ حوض کھدوانے سے پہلے شمس الدین نے قطب صاحب سے اجازت لی، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں یہ بھی ہے کہ جب شمس الدین خواب سے بیدار ہوا تو کچھ رات باقی رہ گئی تھی لیکن وہ اسی وقت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انکو اپنے ساتھ اس جگہ لے گیا، اور دونوں نے تاریکی میں چراغ سے دیکھا کہ زمین سے پانی ابل رہا ہے، (طبقات اکبری ص ۶۲) فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ میں ہے کہ سلطان نے صبح کو اس زمین کو جا کر دیکھا تو پانی بہہ رہا تھا، فرشتہ نے اس روایت کو نقل کر کے آخر مین یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حکایت تھوڑے تغیر کے ساتھ اور مشائخ کے ملفوظات میں بھی مذکور ہے (جلد ۱ ص ۶۶)

"مانیز امید داریم کہ ہم بہ نزدیک این حوض مسکن خواہیم ساخت۔"[1] (ص ۲۸)

قطب صاحب کا وصال شمس الدین التتمش سے چند ماہ پیشتر ہوا، یعنی قطب صاحب نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں رحلت فرمائی، اور التتمش ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں عالم جاودانی کو سدھارا، بعض تذکرہ نویس نے لکھا ہے کہ قطب صاحب نے وصال سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو ہمیشہ عفیف رہا ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، نماز جنازہ کے وقت جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو التتمش نے بھی اس کو سنا اور سنکر تھوڑی دیر خاموش رہا کہ شاید کسی بزرگ کو یہ سعادت حاصل ہو لیکن جب کسی نے امامت کے لیے سبقت نہیں کی تو یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرے حال سے کسی کو واقفیت نہ ہو، لیکن خواجہ کے حکم کے آگے کوئی چارہ نہیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک طرف تو اپنے کاندھے پر جنازہ اٹھایا اور بقیہ تین طرف اولیاء اللہ اپنے اپنے کاندھوں پر قطب صاحب کے جسد مبارک کو مدفن تک لے گئے۔[2]

---

[1] ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے عہد میں آکر اس حوض کو دیکھا تو اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ بھی اسی کے قریب ہے، اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے، طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے، اور اس کے غربی طرف عیدگاہ کیجانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں، جو چبوتروں کی شکل میں ہیں، اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں، چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں تماشائی بیٹھکر سیر کرتے ہیں، اور حوض کے وسط میں منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے، یہ گنبد دو منزلہ ہے، جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھکر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں، جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں، اس کے اندر ایک مسجد ہے، اکثر زاہد اور متوکل وہاں جاکر رہتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۰)

[2] خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۲۷۵

التمش اور دوسرے مشائخ مصلحت خداوندی سے ہندوستان کو نور اسلام سے منور ہونا تھا، اسلیے
التمش کے عہد میں ممالک اسلامیہ سے بکثرت مشائخ و صلحاء یہاں آئے، التمش ان میں سے ہر ایک سے
غایت تعظیم و تکریم سے پیش آتا، جب حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو التمش نے
علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے
سے نیچے اتر آیا، اور ان کو آگے کر کے خود ان کے پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، دوسرے دن جب
حضرت جلال الدین تبریزی قطب صاحب سے ملنے ان کی خانقاہ کو روانہ ہوئے، تو قطب صاحب بھی
اپنی خانقاہ سے نکل کر گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو چلے، راستے میں قران السعدین ہو گیا،[1]
التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھا تو ان کا اور بھی معتقد ہو
لیکن سلطان کی یہ عقیدت شیخ الاسلام کو پسند نہ آئی، اور انھوں نے[2] شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ
کو لالچ دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگوایا،[3] اور سلطان کے یہاں فریاد
کرائی، سلطان سن کر ششدر رہ گیا، وہ جانتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے، لیکن بادشاہ ہونے کے
باوجود اپنے کو شرعی قانون کے سامنے بے بس اور معذور پایا، مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی
شرعی تحقیقات کرانا ضروری تھا، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا
فیصلہ کیا، اور اس محضر میں ہندوستان کے دو سو علماء و صلحاء و ائمہ جمع ہوئے، حکم حضرت بہاء الدین
زکریا بنائے گئے،[4] جب حضرت جلال الدین تبریزی محضر میں ملزم کی حیثیت سے آئے تو سارے

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۳۲ و ۳۱ [2] شیخ نجم الدین صغری نے حضرت جلال الدین تبریزی پر جو الزام لگائے، ان کی تفصیلات فوائد السالکین اور سیر العارفین میں تھوڑے سے اختلافات کے ساتھ درج ہیں، سیر العارفین میں تفصیل زیادہ ہے۔

[3] فوائد السالکین (ص ۳۰) میں اس جھوٹے الزام کی نوعیت یہ ہے کہ "نظر بر امارد دارد۔" [4] فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کو حضرت جلال الدین تبریزی ہی نے حکم بنایا، لیکن سیر العارفین میں ہے کہ نجم الدین صغری نے انکو حکم بنایا۔

علماء، مشائخ اور ائمہ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، حضرت جلال تبریزی نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں [1]، سلطان التمش یہ دیکھ کر متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی تعظیم و توقیر کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی، لیکن شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیوں کہ وہ میرے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن یہ تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا، ان پر جو الزام ہے اس کی باضابطہ تحقیق ہو گی، جب مطربہ بلائی گئی تو اس نے اعتراف کیا کہ نجم الدین صغری کے ورغلانے پر اس نے یہ جھوٹا الزام رکھا تھا حضرت جلال الدین کی معصومیت ثابت ہو گئی تو سلطان نے کذب و بہتان کے جرم میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر دیا اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس عہدہ کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک بڑی مدت تک یہ عہدہ ان کے خاندان میں رہا [2]۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے فوائد الفواد میں ایسی کئی روایتیں بیان کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین مشائخ و صلحاء کا خیر مقدم بڑے احترام سے کرتا حضرت شیخ بدر الدین غزنوی

---

[1] فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت جلال الدین کے محضر میں آنے اور بیٹھ جانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا تشریف لائے، اور ان کی نظر حضرت جلال الدین کی جوتیوں پر پڑی، تو ان کو زمین پر سے اٹھا کر چوما اور سر آنکھوں پر رکھا، سلطان شمس الدین نے یہ توقیر دیکھی تو حضرت جلال الدین سے معذرت کا خواہاں ہوا، اور محضر کی کارروائی روک دی، لیکن سیر العارفین کچھ اور تفصیل ہے جس کو ہم اوپر نقل کر رہے ہیں [2] سیر العارفین ص ۳۷ و ۳۶، نیز دیکھو خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۱۸ و ۲۷۹۔

نے جو بعد میں قطب صاحب کے خلیفہ بھی ہوئے، دہلی آکر کسی کام سے التتمش سے ملنا چاہا، تو اوس نے اپنے محل سرا سے باہر نکل کر ان کی پیشوائی کی، ان سے بغل گیر ہوا محل کے اندر لے گیا. اور نذرانے بھی پیش کیے [۱]

حضرت شیخ نظام الدین اولیا ہی کی روایت ہے کہ قاضی قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو ان کو سلطان شمس الدین نے شاہی محل میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی، وہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نور الدین مبارک اور قاضی فخر الائمہ بھی موجود ہیں سلطان نے قاضی قطب الدین کاشانی کو دیکھتے ہی سلام کیا، اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا، [۲]

عصامی نے فتوح السلاطین میں سلطان التتمش اور قاضی حمید الدین ناگوری [۳] کی ملاقاتوں کا ذکر عجیب و غریب لیکن دلچسپ پیرایہ میں کیا ہے، قاضی حمید الدین ناگوری سلطان التتمش سے ملنے آئے تو

به تعظیم او شاه برخاستے نظر از جمالش بیاراستے

دربار کے مفتیوں کو سلطان کی یہ تعظیم پسند نہ آئی، کیونکہ ان کی نظروں میں قاضی حمید الدین ناگوری اس لیے کھٹکتے تھے کہ وہ سماع کے بڑے دلدادہ تھے، اوران کی وجہ سے یہ بدعت شہر میں تیزی سے پھیلتی جارہی تھی، مفتیوں نے سلطان سے اس فتنہ کا سد باب کرنے کی درخواست کی، سلطان نے ان مفتیوں سے اس کے سدباب کی تدبیر پوچھی، انھوں نے قاضی حمید الدین کو محضر میں طلب کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انھوں نے یہ بھی التجا کی کہ قاضی حمید الدین محضر میں آئیں تو بادشاہ اپنی طرف سے کسی تعظیم و تکریم کا اظہار نہ کرے، سلطان نے ان کی بات مان لی، یہ محضر دربار ہی میں منعقد ہوا

---

[۱] فوائد الفواد ص ۴۳، سیر الاولیا، ص ۱۶۵ [۲] فوائد الفواد ص ۲۳۶ [۳] ان کے حالات اس خاکسار راقم کی حقیر تالیف "بزم صوفیہ" میں ملیں گی،

اور جب قاضی حمید الدین تشریف لائے تو سلطان ان کے رخ پر نور کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور اس نے اپنے مفتیوں سے جو وعدہ کیا تھا، بھول گیا، پھر اس نے جس طرح حضرت حمید الدین کی تعظیم کی وہ عصامی کے اشعار ہی میں ملاحظہ ہو،

شہ شرق چو روئے قاضی بدید — فرود آمد از تخت و اندر دوید
بصد عزو اکرام بنواختش — ابا خویشتن ہم نشین ساختش
بسے بوسہ بر دست قاضی بداد — زبان را بپوزش گری بر کشاد

مفتیوں نے یہ دیکھکر سمجھ لیا کہ اب بحث و مباحثہ میں قاضی حمید الدین مجرم قرار نہیں پا سکتے۔ پھر بھی انھوں نے غنا کے متعلق ان سے سوال کیا تو قاضی حمید الدین نے یہ جواب دیا:

حرام است بر سامع اہل قال — مباح است بر سامعِ اہل حال

اور اسی کے ساتھ انھوں نے سلطان کو اس کے بچپن کا زمانہ یاد دلایا کہ بغداد میں ایک بار چالیس درویش جمع ہوئے تھے اور اس موقع پر ایک مجلس سماع منعقد کی گئی تھی جس میں وہ (یعنی قاضی حمید الدین ناگوری) بھی تھے، سلطان اس وقت ایک ادنی خادم کی حیثیت سے درویشوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا، اور رات بھر شمع کی لو قینچی سے کاٹ کاٹ کر اس کو روشن کرتا رہا، جس سے تمام درویش اس سے ایسے خوش ہوئے کہ ان ہی کی خوشی اور چاکری کی بدولت آج وہ ہندوستان کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے، حضرت حمید الدین ناگوری کی اس گفتگو کو عصامی نے جس مؤثر انداز میں منظوم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو،

بگفتا کہ یک شب چہل مرد راہ — ببغداد اندر یکے خانقاہ
سماعے بکردند تا صبح دم — در آن جمع من بودم و شاہ ہم
ولیکن شہا من بہ رقص و سماع — ہمی کردم آن قوم را اتباع

تو خود طفل بودی دراں روزگار — ولے آن شبت بود اقبال یار
ہمہ شب سر شمع بے گفت کس — بریدی بہ مقراض اے خوش نفس
دراں شب ترا ملک ہندوستان — بدادند زاں جاکہ ہی عارفان

عصامی کا بیان ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری نے سلطان التمش کو یہ واقعہ یاد دلایا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت حمید الدین کے پاؤں پر جاکر گر پڑا، عصامی نے اسی کے بعد کچھ ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حمید الدین کے تمام حریف متاثر ہوکر سماع کے قائل ہو گئے[1]، تیموری دور کے مورخون میں خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے مذکورۂ بالا واقعہ کو اپنی اپنی تاریخون مین ذکر کرکے لکھا ہے،

"بعد ازاں (سلطان التمش) از سماع لذت گرفتے. ونفس درویشان را معتقد بودے"[2]

سیر العارفین مین ہے کہ سلطان شمس الدین کے عہد مین ایک بار بارش نہیں ہوئی تو خشک سالی کی وجہ سے غلہ گران ہو گیا، سلطان نے اپنے ایک معتمد خاص کو دہلی کے تمام مشائخ کے پاس بھیجا کہ استسقاء کی نماز پڑھین، قاضی حمید الدین نے یہ پیام سنا تو سلطان کو کہلا بھیجا کہ محفل سماع منعقد کرائے، اسی مین تمام درویش جمع ہوکر بارش کے لیے دعا کریں گے، سلطان نے ان کے کہنے کے بموجب ایک محفل منعقد کی جس مین تمام ممتاز مشائخ مثلاً شیخ علی سجزی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ احمد نہروالی، شیخ بدر الدین سمرقندی، سید قطب الدین غزنوی، حضرت نظام الدین ابو المؤید غزنوی، شیخ محمود موینہ وغیرہ شریک ہوئے، سلطان نے اس محفل کے لیے فرش فروش کے عمدہ اور پاکیزہ سامان کیے، طرح طرح کے کھانے پکوائے اور خوش گلو قوالون کو جمع کیا، جیسے ہی محفل سماع شروع ہوئی، ویسے ہی قدرت الٰہی سے

[1] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹ - ۱۱۷ [2] تاریخ فرشتہ ج ا ص ۶۷، طبقات اکبری ج ا ص ۶۳

زور شور کی بارش بھی ہونے لگی۔[1]

سبع سنابل کی ایک روایت ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دونوں ساتھ تشریف فرما تھے، کہ سلطان ان کی خدمت مین پہنچا، کچھ اپنا مدعا ظاہر کر کے اثنائے گفتگو میں کہہ گیا

"من سگ درگاہ شما ہستم"

اسی روایت مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سلطان نے چھ ماہ تک قاضی حمید الدین ناگوری کے آستانہ کی ناصیہ سائی اس لیے کی کہ وہ اس کو اپنے حلقۂ ارادت مین قبول کر لین، لیکن انھون نے قبول نہین فرمایا، حالانکہ اس کی سفارش پر اس کے بھانجے شیخ سعد الدین تنبولی کو اپنا مرید بنا لیا تھا، جب سلطان شمس الدین کو قاضی حمید الدین سے بیعت کا شرف حاصل نہ ہوا تو اس نے حضرت خواجہ قطب الدین کا دامن پکڑا،[2] سبع سنابل کی یہ روایت کہان تک صحیح ہے، اس پر ہم بحث کرنے سے گریز کرتے ہین، لیکن یہ تسلیم کرنے مین تامل نہیں کہ التمش کو اپنے مرشد کے "یار غار"[3] سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، اور ان کی خدمت مین باربار حاضر ہوتا، ایک بار ان کے یہان پہنچا تو انھون نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اے شمس الدین! تم فقیرون، غریبون، مسکینون اور درویشون کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، خلق اللہ سے اچھا برتاؤ رکھو، رعیت پروری کرو، جو اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو دنیا مین دیر تک رکھتا ہے اور اس کے دشمنون کو دفع کرتا ہے۔ سلطان نے ان نصیحتون کو سنکر قبول کیا،[4]

سلطان التمش مشائخ ہی کو عوام و خواص کے اخلاق کو سنوارنے کا اہل سمجھتا تھا، چنانچہ

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲۱-۲۰ [2] سبع سنابل ص ۲۳۴ [3] قطب صاحب نے فوائد السالکین مین قاضی حمید الدین ناگوری کو اپنا "یار غار" بھی بتایا ہے (دیکھو فوائد السالکین مجلس اول) [4] سبع سنابل ص ۲۳۲

ان ہی میں سے بعض کو شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کیا کرتا تھا، سیر العارفین میں ہے کہ شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد سلطان التتمش نے شیخ الاسلام کا عہدہ قطب صاحب کی خدمت میں پیش کرنا چاہا لیکن قطب صاحب نے عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، تو اس عہدہ پر شیخ نجم الدین صغری مامور کیے گئے، شیخ نجم الدین صغری حضرت عثمان ہرونی کے مرید اور خلیفہ تھے، شروع میں درویشی کے سارے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حسنہ رکھتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے اپنے جاہ و وقار کی خاطر کچھ ایسی غیر درویشانہ حرکتیں کیں کہ سلطان التتمش ان کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے معزول کرنے پر مجبور ہوا، اور ان کی جگہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی[1] کو اس منصب پر مامور کیا، جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے، مولانا عبد الحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں سید نور الدین مبارک غزنوی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی است، مقتدا و شیخ الاسلام دہلی بود، در زمان سلطان شمس الدین، او را میر دہلی می گفتند" (ص ۲۸)

سیر العارفین کے مؤلف نے شاید جمال الدین بسطامی[2] اور سید نور الدین مبارک غزنوی کے نام کو خلط ملط کر دیا ہو، تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء الدین برنی نے سید نور الدین مبارک غزنوی کا جس طرح ذکر کیا ہے[3]، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ التتمش کے دربار میں ان کو بڑا درخور حاصل تھا، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ نجم الدین صغری سے پہلے وہی شیخ الاسلام رہے ہوں، وہ شریعت اور طریقت دونوں کے رہ نورد تھے،

عہد شمسی کے مشائخ نے اس دور کے لوگوں کو خدا ترسی، تقوی، تزکیہ نفس، عبادت اور ریاضت

---

[1] حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے حالات کے لیے اس عاجز راقم کی حقیر تالیف بزم صوفیہ ملاحظہ ہو [2] جمال الدین بسطامی ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شیخ الاسلام رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا [3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۴۱

کی جو تعلیم دی اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التتمش کی صغر سنی میں اس کو دیکھ کر شیخ اوحد الدین کرمانی نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی یعنی التتمش کی برکت سے التتمش کی دنیاوی سلطنت میں التتمش کا دین بھی سلامت رہا، اس کا اعتراف طبقات ناصری کے مؤلف نے بھی کیا ہے،

"پشت دین محمدی بدولت او قوی ورو ے ملت احمدی بصولت او بہی گشت (ص ۱۶۶)

اور پھر التتمش نے بچپن ہی میں ایک درویش سے فقراء اور اہل خیر کی تعظیم و تکریم کا جو وعدہ کیا تھا اس پر آخر زندگی تک جس طرح قائم رہا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، چنانچہ مولانا منہاج سراج فرماتے ہیں،

"ہرگز بادشاہے بحسن اعتقاد در آب دیدہ و تعظیم علما، و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماط سلطنت نیامدہ"۔ (طبقات ناصری ص ۱۶۷)

علما سے عقیدت مشائخ کی صحبت میں رہ کر التتمش نے نہ صرف علوم باطن و علوم طریقت حاصل کیے، بلکہ علما سے علوم ظاہری و علوم شریعت بھی حاصل کرنے کی کوشش میں برابر لگا رہا، قدرت کی طرف سے اس کو قوی حافظہ بھی ملا تھا، اس کے حافظہ کی تعریف خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کی ہے، فوائد الفواد میں ایک موقع پر فرمایا

"طبع حافظہ قوی داشت"۔ (ص ۲۱۳)

ظاہر ہے کہ اس قوی حافظہ کے ساتھ مشائخ و علماء کی صحبت میں اس کے علم و فضل کی جلا کس قدر ہوتی رہی ہوگی، اور اس کے اس وصف کی تعریف بعد کے عہد میں بھی کی گئی، محمد تغلق کے دور میں ابن بطوطہ آیا تو التتمش کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ "وہ نہ صرف نیک چلن اور انصاف پرور تھا، بلکہ عالم و فاضل بھی تھا"[1]

---

[1] سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۸

حضر، سفر اور حتی کہ میدان جنگ میں بھی علماء التمش کے جلو میں ساتھ رہتے تھے، محل کے اندر ہفتہ میں تین روز علماء کی مجلس ہوتی، اور رمضان المبارک میں یہ مجلس روزانہ ہوتی، ذی الحجہ اور محرم کے عشرہ میں بھی علماء روزانہ جمع ہوتے، جمعہ کے روز نماز کے بعد مشائخ اور علماء دونوں خاص طور پر بلائے جاتے،[1] بلبن اپنی ابتدائی زندگی میں ان مجلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، اور بادشاہت کے زمانے میں ان کو یاد کرکے کہا کرتا تھا کہ ان مجلسوں میں جو بزرگان دین شریک ہوا کرتے تھے ان کے جیسے بزرگ پھر دیکھنے میں نہ آئے،[2] بلبن ہی کی زبانی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں اس مجلس کا ایک وعظ نقل کیا ہے، جو گو طویل ہے لیکن یہاں پر ہم اس کو اس لیے نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ان مجلسوں کے مذاکرے کا رنگ کیا تھا، اور پھر یہ بھی معلوم ہو کہ اس زمانہ کے صلحاء و علماء، سلطان وقت کو بادشاہت کے فرائض سے آگاہ کرنے میں کس طرح حق گوئی اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، یہ وعظ مولانا سید نورالدین مبارک غزنوی کا ہے جو غالباً[3] شیخ الاسلام اور ایک خدا رسیدہ بزرگ ہونے کی حیثیت سے التمش کی خلوت و جلوت میں برابر ساتھ رہتے تھے،

مولانا سید نورالدین مبارک غزنوی نے اپنے وعظ میں فرمایا

"بادشاہوں کی زندگی کے جو لوازم ہیں جس طریقہ سے وہ کھاتے ہیں، شراب پیتے ہیں، جو کپڑے پہنتے ہیں، جس طرح وہ اٹھتے بیٹھتے اور سواری کرتے ہیں، تخت پر بیٹھکر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھاتے اور سجدے کراتے ہیں، خدا کے باغی حکمرانوں کے مراسم کی رعایت دل و جان سے کرتے ہیں، اور خدا کے بندوں کے معاملات میں جدت اختیار کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دین مصطفےٰ کے خلاف ہیں، شرک ہیں اور عقبیٰ میں موجب سزا ہیں، بادشاہوں کی نجات

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۵ [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۰

[3] اخبار الاخیار ص ۲۸

مذکورہ بالا باتوں میں نہیں ہے، ان سے خداوند تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی، اور وہ سنت مصطفےٰ کے خلاف ہیں، بادشاہوں کی نجات ان چار چیزوں کے عمل پر ہے،

(۱) وہ اسلام کی حمیت کو برقرار رکھیں، اور بادشاہت کے قہر و سطوت اور عز و ناز کو اعلائے کلمۂ حق اور شعار اسلام کو بلند کرنے، امر معروف و نہی منکر کے لیے احکام شرعی کو رواج دینے میں صرف کریں.........

(۲) دین کی حمایت ہی میں ایک بادشاہ کی نجات ہے، اور دین کی حمایت یہ ہے کہ وہ اہل اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان سے فسق و فجور، اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوت کے ذریعہ بالکل ختم کر دے، اور فاسق و فاجر کو سخت سے سخت سزائیں دیکر ان کے کام و دہن کے لیے فسق و فجور کو زہر سے بھی زیادہ تلخ کر دے، اور ایسے پیشہ وروں گناہگا کے لیے جو اسلام کے پیرو ہونے کے باوجود تمام عمر گناہ کبیرہ کرتے رہتے ہیں انکی دنیا انگوٹھی کے حلقہ سے بھی زیادہ تنگ کر دے، تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے معصیت سے باز آجائیں، اور دوسرے کسب و حرفت کی طرف مائل ہوں، اور اگر کوئی بدکار عورت سزا کے باوجود اپنے پیشہ سے باز نہ آئے، اور پھر بھی پوشیدہ طور سے معصیت کی ذلت و خواری میں مبتلا رہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، ہاں وہ اپنی بدکاری پر فخر نہ کرے، اور نہ اس کو جائز سمجھے، اگر اس قسم کی پیشہ ور عورتیں نہ ہوں تو بعض بدبخت اپنی نفسانی خواہشوں سے محرم عورتوں کو مغلوب کریں،

(۳) دین کی حمایت ہی میں بادشاہوں کی نجات ہے، اور یہ حمایت اس طرح ہوسکتی ہے کہ دین محمدی کے احکام کی اشاعت کے لیے اہل تقویٰ، زاہد، خداترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں، اور بددیانتوں، دھوکے بازوں، حیلہ گروں، دنیا کے عاشقوں اور فریب دینے والوں کو مسند حکومت پر نہ بٹھایا جائے، اور نہ طریقت کی رہنمائی کے لیے ان سے کہا جائے،

اور نہ ان کو فتاوے صادر کرنے کا حق دیا جائے اور نہ ان سے دینی علوم میں استفادہ کیا جائے،
بادشاہ اپنے ملک مین فلسفہ، معقولات فلسفہ کے معتقدون کو مطلق روا نہ رکھین، اور نہ فلسفہ
پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت کسی حال مین بھی دین، بلکہ مذہب کے گمراہوں، مذہب وسنت کے
دشمنون اور بد اعتقادون کی تذلیل وتوہین مین برابر کوشان رہین، اور بد دینی، بد اعتقادی اور
گمرہی کو مطلق جائز نہ سمجھین،

(۴) دین کی حمایت ہی مین بادشاہ کی نجات ہے، اور یہ حمایت عدل گستری اور انصاف پروری
مین بھی ہے، بادشاہ عدل وانصاف مین انتہا پسند ہو، ظلم وتعدی اس کے ملک مین مطلق نہ ہو،
جب تک پورے قہر، قوت اور سطوت سے ظالمون کو ظلم کو دور نہ کرے وہ عدل پروری
کا حق ادا نہین کرسکتا ہے،

اور جب وہ ان چار چیزون پر پورے عزم اور اعتقاد کے ساتھ عامل ہے، اور اس پر
عملدرآمد ہونے مین اپنی شاہی سطوت کا مصرف پورے طور پر لیتا ہے اور بادشاہت
اور سنت کے لوازم کو پورا کرتا ہے تو اگرچہ اس مین نفسانی خواہشات موجود ہون، پھر بھی
اس کا حشر انبیاء، واولیاء اور دینداروں کے ساتھ ہوگا لیکن اگر بادشاہ روزانہ ہزار رکعتین
پڑھتا ہے، تمام عمر روزے رکھتا ہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق مین خرچ
کرتا رہے، مگر وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنون کو قلع قمع
کرنے مین صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کرتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو
جاری کرانے اور نہی منکر کو مٹانے مین کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل وانصاف سے کام نہ لیتا ہو تو اس کی
جگہ دوزخ کے سوا اور کہین نہ ہوگی۔[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۴۴ - ۴۲ - فارسی عبارت کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔
(باقی ص ۸۸ پر)

ان مواعظ کے جو اثرات التتمش کے دل و دماغ پر مترتب ہوئے ہوں گے ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواعظ ایک عرصۂ دراز تک دہلی کے حکمرانوں کے لیے مشعل ہدایت بنے رہے، کیونکہ بلبن ان کو اپنے لڑکوں، بھتیجوں اور خاص خاص لوگوں کے سامنے بار بار دہراتا اور زار زار رونے لگتا۔ مولانا ضیاء الدین برنی نے سوا سو سال کے بعد فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اپنی تاریخ فیروز شاہی لکھی تو اس میں یہ مواعظ غالباً اس خیال سے نقل کیے تاکہ ان پر اگر بادشاہوں کی نظر پڑے تو ان ہی نصائح کے مطابق وہ اپنی زندگی بنائیں، اور اگر خواص و عوام پڑھیں تو اپنے حکمرانوں سے ان ہی مواعظ کے مطابق زندگی بنانے کی توقع رکھیں۔

حکمرانی کے نظریے

التتمش کی مجلسوں میں بادشاہت کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر باضابطہ مذاکرے ہوتے تھے، اور پھر ان مذاکروں سے جو نظریے قائم ہوئے ان کو برنی نے بلبن کی زبانی اپنی تاریخ میں قلمبند بھی کر دیا ہے[1]، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حکمرانی کوئی سہل کام نہیں، ایک حکمران خدا کا نائب ہے۔ اس کا دل منظر ربانی (یعنی خدا کا جھروکہ) ہے، ایک معمولی انسان کا دل بھی منظر ربانی ہوتا ہے، لیکن معمولی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ القا نہیں کرتا، لیکن ایک حکمران کے دل میں یہ القا دائمی رہتا ہے، اسی لیے مملکت کے تمام

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) التتمش کی ان مجلسوں میں کبھی کبھی سخت نوک جھونک بھی ہو جایا کرتی تھی، اس زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی شیخ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی فوائد الفواد میں یہ روایت درج ہے:

"وقتے مارا با سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدہٗ در پیش سلطان شمس الدین برائے زیر دست و زبر دست نشستن نزاعی رفتہ بود، من سخن گفتہ بودم کہ او کوفتہ شدہ بود۔" (ص ۱۹۳)

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰

کاروبار اس کے ذریعہ انجام پاتے ہین. اس کو جو عزت وعظمت حاصل ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ خدا کا شکر بھیجے، اپنے کو گوناگون فضائل سے آراستہ کرے، اپنے قول فعل اور حرکات وسکنات کو ایسا پسندیدہ بنائے کہ اہل اسلام مین اس کا اعتبار قائم ہو، اور آخرت میں اس کی نجات ہو، وہ اس طرح حکومت کرے کہ لوگون کے اوصاف واخلاق شریعت کے مطابق ہون، ان کے معاملات صحیح ہون، فسق وفجور ملک مین نہ ہون، وہ اپنے قہر، سطوت، قوت، شوکت، حشم، خدم اور خزانے کو کفر، شرک، فسق وفجور اور بدعات کے قلع قمع کرنے مین استعمال کرے، خدا اور رسول کے دشمنون کو ذلیل وخوار رکھے، عدل واحسان کے ذریعہ ملک کو ظلم وتعدی سے پاک کردے، لوگون مین ایسے اخلاقی فضائل پیدا کردے کہ ساری برائیان دور ہوجائین۔

وہ خداترس متقی، اور متدین قاضی، محتسب اور حکام مقرر کرے تاکہ رعایا انصاف اور دینداری سے مستفید ہوتی رہے اور امر معروف اور نہی منکر کی ایسی رونق ہو کہ قبۂ آسمان تک صرف شعار اسلام ہی ظاہر ہو۔

رعایا مین دینداری اور حسن اعتقاد ایسا ہو کہ ان مین غداری، مکاری، فریب، نفاق، بددیانتی، نفع خوری اور احتکار کے بجائے سچائی اور حق پرستی ہی پائی جائے،

ایک حکمران کو نیک، سچا، خداترس دیندار اور عبادت گذار ہونا چاہیے، کیونکہ الناس علیٰ دین ملوکہم، اگر اس مین خداترسی، دینداری، عبادت گذاری ہے تو اس کی مملکت کے تمام چھوٹے بڑے لوگ، عورت، مرد، بوڑھے، جوان ان ہی اوصاف حسنہ کے حامل ہو جائین گے، اور اگر بادشاہ اور اس کے حکام مین اوصاف ذمیمہ ہین، اور وہ فسق وفجور مین مبتلا رہتے ہین تو رعایا بھی فاسق وفاجر ہوجاتی ہے،

ایک حکمران اور اسکے تمام حکام وعمال کو باطن کی آرائش مین لگا رہنا چاہیے، ظاہر کی آرائش توسب ہی کرتے ہیں، باطن کی آرائش ہی حکمرانی اور بادشاہت کا ایک بڑا فرض ہے،

اگر مذکورہ بالا تمام باتوں پر ایک حکمران عمل کرتا ہو تو پھر وہ صحیح معنوں میں بادشاہت اور حکمرانی کی نعمت کا شکر گذار ہے،

ان اصولوں کا پابند ہونا آسان کام نہیں، چنانچہ سلطان بلبن نے شہزادوں کو ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی تلقین تو کی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا:

"می دانم کہ عمل کردن بدان وصیت ہا اندازہ من و تو نیست۔"[1]

مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التتمش نے ان اصولوں کو عملی جامہ پہنایا، اس پر بادشاہ ہونے کے باوجود جو خشیت الٰہی طاری رہتی، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہت کی عزت و عظمت کا شکر گذار رہا، اس نے خدا ترس متقی اور متدین بن کر اپنے اور شاہی حکام کو گوناگوں فضائل سے آراستہ کرنے کی کوشش کی، اور اپنی دینداری سے نہ صرف اپنے باطن کو سنوارا بلکہ مسلمانوں کے اخلاق کو درست کر کے شعار اسلام کی بھی رونق بڑھائی، چنانچہ طبقات ناصری کے مؤلف نے التتمش کے عہد کے دہلی کو "مرکز دائرۂ اسلام" "مہبط اوامر و نواہی شریعت" "حوزۂ دین محمدی" "بیضۂ ملت اسلامی" اور "قبۃ الاسلام مشارق گیتی" کہا ہے،[2] اور اس کی وجہ سے اسلام کی رفعت و شوکت بڑھی تو وہ "غیاث الاسلام والمسلمین" اور "ناصر الاسلام علی الدولۃ القاہرہ والملۃ الباہرہ" کے القاب سے بھی یاد کیا گیا۔[3]

مذہبی مجلسیں | التتمش مذہبی مجلسیں میدان جنگ اور محاصرہ میں بھی منعقد کرتا، ۶۲۹ھ میں التتمش نے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کیا، تو گیارہ مہینے تک جاری رہا، طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج الدین عثمان بن سراج الدین جوزجانی جن کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، شاہی لشکر کے ساتھ تھے۔ ناصر الدین قباچہ کی شکست کے بعد مولانا منہاج الدین شمس الدین التتمش سے وابستہ ہو کر ۶۲۵ھ میں دہلی آئے

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰ [2] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [3] یہ القاب اس کتبہ میں ہیں جو اجمیر کی ایک مسجد المعروف بہ ڈھائی دن کا جھونپڑا کے وسطی محراب پر بخط طغرا جلی کندہ ہے،

جہان ۶۲۹ھ تک مقیم رہے، اور جب التمش گوالیار کی مہم پر چلا تو مولانا منہاج بھی اس کی معیت مین روانہ ہوئے، محاصرہ کے دوران مین جب مجلسین منعقد ہوتیں تو مولانا منہاج ہی ان مین وعظ کہتے، ان کا خود بیان ہے کہ اس محاصرہ مین شاہی خیمہ کے سامنے ۹۵ مجلسین ہوئین، عید اضحی کے موقع پر مولانا ہی نے التمش کے حکم سے لشکر مین نماز کی امامت کی اور خطبہ پڑھا جس کے صلہ مین ان کو خلعت عطا ہوا، ۲۶ صفر ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا تو مولانا منہاج وہان کے قاضی خطیب، امام، محتسب اور تمام امور شرعی کے نگران مقرر ہوئے، اور مزید خلعت اور انعامات سے سرفراز کیے گئے[۱]

علمی تحفے بیرونی ممالک سے جو علماء آتے تو سلطان التمش کے لیے تحفے مین ایسی علمی چیزین لاتے جو اس کے مذاق کے مطابق ہوتین، قاضی جلال عروس بغداد سے دہلی آئے، تو سلطان کے لیے خلیفہ مامون کے ہاتھ کی ایک ایسی تحریر لائے جو اس نے سفینۃ الخلفاء مین لکھی تھی، اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا،

"میرے والد امیر المومنین ہارون رشید اپنے جلالت و ہیبت کے باوجود چند خادمون کے ساتھ پاپیادہ داؤد طائی اور محمد بن سماک کے گھر گئے، جو بغداد کے زاہدون مین سے تھے، ان کے گھر کے پاس پہنچ کر ان کے دروازہ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے، لیکن انھون نے دروازہ نہین کھولا، اور نہ میرے والد کو اندر بلایا، ان درویشون کے پاس خلیفۂ وقت بار بار گئے اور ان کے ہان جانے مین کوئی عار اور شرمندگی محسوس نہین کی، بلکہ ان سے نزدیک تر ہوتے گئے، اور ان سے ان کا (یعنی والد کا) اعتقاد بڑھتا گیا، ان کی بڑی آرزو رہتی تھی کہ کوئی ان سے ملاقات کرا دیتا، اس کے لیے انھوں نے لوگون سے بڑے بڑے وعدے بھی کیے، مجھکو اور دوسرے خاص خاص لوگون کو خلیفہ کا ان درویشون کے پاس جانا اور ان کا

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۷۵

خلیفہ سے نہ ملنا بھلا نہ معلوم ہوتا، یہ درویش فقیرون اور مسکینون کو اندر بلاتے، لیکن امیرالمومنین

کو طلب نہ کرتے، مین ایک روز خلیفہ کی خدمت مین بیٹھا تھا کہ ابویوسف قاضی آئے، امیرالمومنین

نے ان سے کہا کہ ہوسکے تو آپ داؤد طائی سے میری ملاقات کرادین، مین نے سنا ہے کہ آپ

دونون نے ایک ہی ساتھ ابوحنیفہ سے تعلیم پائی ہے، ابویوسف قاضی نے جواب دیا کہ جب

مین ادنیٰ آدمی تھا تو وہ مجھکو اپنے گھر کے اندر بلاتے تھے، لیکن جب سے قاضی ہوا ہون بیس بار

ان کی زیارت کے لیے ان کے دروازہ پر گیا ہون، لیکن مجھکو اندر طلب نہین فرماتے، خلیفہ

نے فرمایا، یہ سنکر مین ان سے اور بھی زیادہ قریب تر ہوگیا، اور ان سے میرا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا،

ابویوسف قاضی نے عرض کیا کہ علماء و مشائخ ربع مسکون سے آپ کی بارگاہ مین آتے

رہتے ہین، اور آپ سے ملاقات کرکے نہ صرف خلیفۂ وقت بلکہ ابن عم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بھی ملتے ہین، اگر یہ درویش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور خلیفہ کی بزرگی کا خیال

نہین کرتے تو خلیفہ ان کے دروازہ پر جانا کیون پسند کرتے ہین، اور یہ خبر تمام بغداد مین پھیلی

ہوئی ہے کہ رات خلیفہ ان درویشون کے دروازے پر گئے تھے، لیکن انھون نے ان کو اندر

نہیں بلایا، خلیفہ نے کہا کہ محض اس وجہ سے کہ یہ دونوں مجھکو اندر نہین بلاتے اور میری طرف

التفات نہین کرتے، مین ان کا معتقد ہوگیا ہون اور ان کو اپنا دوست سمجھتا ہون، ان

بزرگون کے معاملات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ظاہراً اور باطناً دنیا کی طرف اپنی

پشت کردی ہے، اور خدائے تعالیٰ کی محبت مین دنیا کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے، اور مین

اس وقت دنیا ہی دنیا ہون، دنیا کی جاہ میرے گرد جمع ہے، اور یہ بزرگ جب دنیا کو

صدق دل سے اپنا دشمن سمجھتے ہین تو پھر مجھ سے کیون ملین، مین تو ظاہر اور باطن دونون

مین صرف دنیا ہی دنیا ہون، وہ مجھکو اپنا دشمن کیون نہ تصور کرین، پھر وہ مجھکو کیون

اندر بلائین اور تردد مین مبتلا ہون، مجھکو انھون نے خدا کی محبت مین دشمن سمجھ رکھا ہے، لیکن مین ان کو اس لیے کہ وہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھتے ہین، اور خدا سے قریب تر ہین، ان کو خدا ہی کی خاطر دوست سمجھتا ہون، ان کے لیے مجھکو دشمن ہی سمجھنے مین نجات ہے، اور میرے لیے ان کو دوست ہی تصور کرنے مین رستگاری ہے، اور مین سمجھتا ہون کہ اگر اس قسم کے تارکانِ دنیا میری حمایت کرین تو دنیا داری کی دشواریون سے چھٹکارا حاصل ہو جائے، اور وہ جو دنیا کی خاطر، دنیاوی جاہ کی خاطر، دنیاوی لالچ اور دنیاوی انعام کی خاطر میرے پاس آتے ہین اور دنیا ہی مین اپنے دین کو فروخت کر دیتے ہین تو قیامت کے روز وہ مجھ سے زیادہ مفلس ہون گے، اور مین ایسے لوگون سے اپنی التجا کیا بیان کرون، ایسے لوگ میری پناہ مین تو آجاتے ہین لیکن میری حمایت سے ان کو کوئی فائدہ نہین پہنچتا، ہان میرے لیے دنیا کی جاہ طلبی مین اس سے کچھ اور اضافہ ضرور ہو جاتا ہے، یہ کہکر امیرالمومنین رونے لگے، اور پھر فرمایا کہ اپنے قول و فعل، حرکات و سکنات کو سنت نبوی کے خلاف پاتا ہون، معلوم نہین کہ قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤن گا، اور اس دنیا داری کی وجہ سے قیامت مین کیسے چھٹکارا ہوگا، ابو یوسف قاضی نے یہ باتین سنین تو انھون نے اٹھ کر خلیفہ کے زانو پر بوسہ دیا، اور کہا کہ بہت سے علوم پڑھے تھے، لیکن آج خلیفہ کی خدمت ہی مین خدا تعالےٰ کی معرفت کا علم حاصل ہوا۔[1]"

سلطان التمش نے یہ تحریر پڑھی تو وہ قاضی جلال عروس کے اس تحفہ سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے کہا، اس کے صلہ مین تو قاضی جلال کو آدھی مملکت دیدینی چاہی، تاریخ فیروز شاہی مین ہے

"سلطان ازین موعظت چنان بر قاضی جلال عروس خوش شد کہ خواست نیمے ملک

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۰۲ - ۱۰۳

خود بدو ایثار کند"۔

علماء کی فیاضانہ سرپرستی

علماء کے ساتھ التمتش کی یہ فیاضی اور داد و دہش بے پایان تھی، اس کا اعتراف مولانا منہاج نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہین:

"از اول عہد دولت و طلوع صبح مملکت در استجاع علمائے بانام و سادات کرام و ملوک و امراء و صدور و کبراء زیادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود[۱]"۔

التمتش کے جود و سخا کو ذرا اور بھی واضح طور پر خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے اس طرح لکھا ہے:

"وہ رات کے آخری حصہ مین گدڑی اوڑھ لیتا، اور رعایا کی خبر گیری کے لیے شہر کا گشت کرتا، علماء صلحا اور اصفیا کو بڑی دولت عطا کی، اس طرح کہ مٹی کے برتن مین اشرفیان بھر دیتا، ان کے اوپر گیہوں رکھ دیتا، اور مسلمانون کو دیتا، تاکہ اس کی سخاوت پردہ ہی مین ظاہر اور ریا کا اظہار نہ ہو[۲]"۔

اس فیاضی کی شہرت سن کر بیرونی ممالک سے علماء و سادات دہلی بکثرت کھنچ کر آگئے تھے، اور یہ شہر علماء و فضلاء کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا، طبقات ناصری مین ہے

"این شہر بکثرت انعامات و شمول کرامات آن بادشاہ دین دار محط رجال آفاق گشت[۳]"۔

فتوح السلاطین مین عصامی اس عہد کے دہلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

بہ دہلی چنان تخت گاہے بساخت	سپاہش در اقصائے آن ملک تاخت
در آن شہر یک رونقے شد پدید	بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدان صحیح النسب	رسیدند در وے ز ملک عرب
بسے کاسبان خراسان زمین	بسے نقشبندانِ اقلیم چین

[۱] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [۲] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۷۶ [۳] طبقات ناصری ص ۱۶۶

بسے عالمانِ بخارا نژاد — بسے زاہد و عابد از ہر بلاد

ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گران — ز ہر شہر و ہر اصل سیمین بران

بسے ناقدانِ جواہر شناس — جواہر فروشان برون از قیاس

حکیمانِ یونان، طبیبانِ روم — بسے اہل دانش ز ہر مرز و بوم

در آن شہر فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند

یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد — دیارش ہمہ دار اسلیم شد[1]

مولانا ضیاء الدین برنی بھی رقمطراز ہین کہ چنگیز خانیون کے فتنہ سے عاجز و پریشان ہوکر ارباب فضل و کمال عہد شمسی مین اس قدر زیادہ جمع ہوگئے تھے کہ ربع مسکون مین اس کی کوئی مثال نہ تھی، اور سلطان شمس الدین التیمش کا دربار محمود و سنجر کا دربار معلوم ہوتا تھا،[2] افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخون نے ان علماء کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش نہین کی، اگر ان تمام علماء و فضلاء کے علمی کارنامے معلوم ہوجاتے تو اس عہد کی علمی تاریخ کس قدر روشن نظر آتی،

درسگاہین ان مین سے بعض علماء، درس و تدریس کے لیے بہت مشہور تھے، التیمش نے ان کیلیے دہلی مین متعدد مدارس قائم کیے، دہلی کا مشہور و معروف مدرسہ معزی[3] اسی معارف نواز حکمران کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی اس نے اپنی اقطاع داری کے زمانہ مین اسی نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے متصل ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی، ان مدرسون کا نام "معزی" معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی یاد تازہ رکھنے کے لیے رکھا گیا، شاید دہلی مین کوئی مدرسہ التیمش کے نام سے بھی موسوم تھا، کیونکہ جب اس کی عمارت فیروز شاہ تغلق کے عہد مین منہدم ہوگئی تھی

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۵-۱۱۴ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۷ [3] طبقات ناصری ص ۱۸۹

تو فیروز شاہ نے اس کو پھر سے بنوایا، اور اس مین صندل کی لکڑیون کے دروازے لگوائے، فتوحات فیروز شاہی مین ہے،

وہم چنین مدرسہ سلطان شمس الدنیا والدین التتمش رضی اللہ عنہ را محلہائے کہ انہدام پذیر فتہ بود، عمارات کردہ درہا از چوب صندل نہادیم (مطبوعۂ علی گڈھ ص ۱۶)

شعرا

تاتاریون کے فتنہ سے ماوراء النہر اور ایران پر جو قیامت صغریٰ گزر رہی تھی، اس کی بنا پر علماء کی طرح بہت سے شعراء نے بھی ہندوستان مین آکر پناہ لی، اور جس کی رسائی التتمش کے دربار تک ہوئی وہ اس کے جود وکرم سے اچھی طرح سیراب ہوا، افسوس ہے کہ معاصر مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان شعراء کے نام وحالات کو بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے، پھر بھی ہم کو ادھر اُدھر سے دو چار شعراء کی تھوڑی بہت جو تفصیل ملی ہے، اس کو ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

ناصری

نام خواجہ ابو نصر، اور تخلص ناصری تھا، جھنہ (خراسان) کا رہنے والا تھا، اور مشہور صوفی شاعر شیخ ابو سعید ابو الخیر کے خاندان سے تھا، وطن سے دہلی آیا تو پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانہ پر حاضر ہوا، اور ان کی دعائین لین، ان کی دعائین لیکر قسمت آزمائی کیلئے التتمش کے دربار مین پہنچا، اور اس کی مدح مین ایک قصیدہ پیش کیا، جب قصیدہ پڑھنے کی اجازت دی گئی تو اس نے مطلع پڑھا،

اے فتنہ ماز نہیب تو زنہار خواستہ   تیغ تو مال وفیل ز کفار خواستہ

سلطان التتمش یہ مطلع سنکر دوسری طرف متوجہ ہو گیا، ناصری بد دل ہوا، لیکن سلطان نے فوراً متوجہ ہو کر کہا ناصری پڑھو اور اس کا مطلع دہرایا، ناصری کو سلطان کے حافظہ پر تعجب ہوا، اور پھر اس نے قصیدہ کے اور اشعار پڑھنے شروع کیے، اور جب وہ ختم کر چکا تو سلطان نے قصیدہ کو دوبارہ پڑھنے کو کہا، اور جب اس نے اس کو ختم کیا تو سلطان نے پوچھا کہ اس مین کتنے اشعار ہین، ناصری نے

کہا تر پن[۳]، سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کو ترپن ہزار چاندی کے تنکے انعام مین دیے جائین،
ناصری اس غیر متوقع انعام سے بے حد خوش ہوا[۱]، یہ رقم لیکر حضرت قطب صاحب کے پاس حاضر ہوا،
اور ان کی خدمت مین گذرانی لیکن قطب صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے تم
اپنی ضروریات پوری کرتے رہو، ناصری کے کلام کے نمونے کہین اور نہین ملتے، آتشکدہ میں اس کا صرف
ایک حسب ذیل قطعہ منقول ہے[۲]،

از ز دو رفتنت ہمہ روز است ماتمم	وز دیر آمدن ہمہ شب ماتمے دگر
ترسم اگر حکایت غمہائے خود کنم	غمگین شوی ازین غم و این ہم غمے دگر

روحانی تذکرہ نویسون نے حکیم روحانی اور امیر روحانی دونون کو ایک ہی تخلص کی وجہ سے
ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ بظاہر دونون مین امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے، حکیم روحانی، سلطان
عین الدین بہرام شاہ بن مسعود غزنوی کے دربار کا شاعر تھا، اور امیر روحانی سلطان شمس الدین
التتمش کے عہد مین ہندوستان آیا، لیکن بعض تذکرہ نویس مثلاً مظفر حسین روز روشن
میں لکھتے ہین

"روحانی سمرقندی. نامش ابوبکر از تلامذۂ رشید وطواط وستایش گران بہرام شاہ
غزنوی ست، وبعدش درسر کار خوارزم شاہ بکار کتابت ملازم گشت و در سنہ ثلث
وعشرین وستمائہ ہنگامیکہ سلطان شمس الدین التتمش رنتھنبور را فتح کردہ شہر ماند
را مخیم جاہ وجلال ساخت روحانی از نجار الحضور سلطان رسیدہ قصیدہ فتح....
گذرانیدہ جائزہ جزیلہ یافتہ" (ص ۲۵۶۱)

---

[۱] فوائد الفواد ص ۲۱۳، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۶۰-۵۹، منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدائونی ج ۱ ص ۶۵- کسی نے اس
قصیدہ کو نقل نہیں کیا ہے. مخزن الغرائب کے مؤلف نے صرف مطلع نقل کرکے لکھا ہے کہ "چون قصیدہ مذکور طولانی بود بہمین
قدر اکتفا کردہ شد" [۲] آتشکدہ، ص

اب اس عبارت کے تضاد کو ملاحظہ فرمائین، اگر ابوبکر روحانی کو بہرام شاہ غزنوی کے دربار کا مدح خوان تسلیم کرلین، تو اس کا ہندوستان مین ۶۲۳ھ مین آنا ممکن نہین، کیونکہ مسعود غزنوی کی موت ۵۴۷ھ مین، اور جلال الدین خوارزم شاہ کی ۵۵۱ھ مین ہوئی، ۷۲ برس کے بعد روحانی کا التمش کے دربار مین پہنچنا ایک فضول سی بات ہے[1]، پھر ابوبکر روحانی رشید وطواط کا شاگرد نہیں بلکہ استاد رشیدی کے شاگردون مین سے تھا[2]،

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۲ (ص ۳۱۱) مین اسی قسم کے خلط ملط بیانات ہین

"افصح الکلام امیر روحانی از ساکنان ممالک سخندانی بود، ابتدا در خدمت سلطان بہرام شاہ غزنوی بسر بردہ، بعد ازان ملازم آتسز خوارزم شاہ ملازم گرفتہ، بامر کتابے مشغول داشتہ تا در گذشت در تاریخ صبح صادق نوشتہ کہ در ثلث وعشرین وستمائۃ سلطان شمس الدین التمش صحرے ہلی بتصرف کرد دیگر فت بس بلند در رفت واستیلا یافت حکیم روحانی از بخارا بخدمت او پیوست وقصیدہ گذرانید وصلۂ جزیل یافت"

[2] مجمع الفصحاء میں ہے

"حکیم ابوبکر بن محمد علی در غزنی و بخارا نشوونما کردہ شاگرد رشیدی سمرقندی معروف بہ رشیدی ہست۔ در زمان سلطان بہرام شاہ غزنوی بہ عرصہ آمد و شاعری کردہ..... مداحی دیگر سلاطین نیز نمودہ"

ریاض الشعراء مین ہے

"حکیم ابوبکر محمد علی الروحانی ولادت وی در غزنی شدہ وتوطنش در بخارا و نشوونماش در سمرقند بودہ از شاگردان استاد رشیدی ومداح بہرام شاہ ہست"

مخزن الغرائب مین بھی ہے

"حکیم ابوبکر محمد علی الروحانی۔ تاج الحکما، ارشد القدما ہست، از سمرقند بودہ، مثل خواجہ رشیدی از دامن تربیت او برخاستہ ہمین بزرگے او پسند است، ملا عوفی ذکر وی نمودہ"

عوفی نے بھی اپنے تذکرہ لباب الالباب جلد دوم مین روحانی کا ذکر الاجل الافضل تاج العلماء عطار الشانی ابو محمد بن علی الروحانی کی سرخی کے تحت کیا ہے، اور پھر بہرام شاہ کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کرنے کے بعد اس کے کچھ اور اشعار بھی درج کیے ہین۔ ظاہر ہے کہ یہ روحانی غزنوی سلطان بہرام شاہی کے دربار کا شاعر تھا جیسا کہ بعض اور تذکرہ نویسون نے بھی لکھا ہے۔

التمش کے عہد مین ہندوستان میں آنے والے شاعر امیر روحانی کا ذکر طبقات اکبری، منتخب التواریخ اور تاریخ فرشتہ مین ہے۔ ان مورخون کے بیان کے مطابق چنگیز خانیون کی یورش سے تنگ اور پریشان ہوکر امیر روحانی بخارا سے دہلی آیا، اور ۶۲۴ھ مین سلطان شمس الدین التمش کے دربار مین پہنچا، جبکہ سلطان رنتھنبور اور مندور کی تسخیر کے بعد دہلی مراجعت کرتا ہے، ان فتوحات کی تقریب مین امیر روحانی نے ایک قصیدہ شاہی خدمت مین پیش کیا، جس کے چند اشعار یہ ہین:

خبر باہل سما، برد جبرئیل امین	ز فتح نامۂ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکۂ قدس آسمان نہارا	بدین بشارت بندید کلمۂ آمین
کہ از بلاد ملاحد شہنشہ اسلام	کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین
شہ مجاہد غازی کہ دست و تیغش را	روان حیدر کرار می کند تحسین[۱]

اس قصیدہ کے صلہ مین سلطان نے روحانی کو بڑے انعام و اکرام سے سرفراز کیا،

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۶۶-۶۵، طبقات اکبری جلد اول ص ۶۰ پر دوسرے شعر کے پہلے مصرع مین آسمان نہارا کے بجائے آسمان برین اور دوسرے مصرع مین کلمۂ امین۔ کے بجائے "کلمۂ و آمین" ہے، تاریخ فرشتہ مین بھی دوسرے شعر کے دوسرے مصرع "کلمۂ و آمین" ہی ہے، اور اس مین تیسرے شعر کے پہلے مصرع مین از بلاد ملاحد کے بجائے "بلاد سوالک" ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی مندرجۂ بالا اشعار اور روحانی کے کلام پر ایک عام تبصرہ ان الفاظ مین کیا ہے:

ونیز او را غیر ازین اشعار دلپذیر بسیار است"

اور پھر اس کے کلام کے نمونے مین حسب ذیل اشعار نقل کیے ہین:

قصۂ خویش از زبان قلم — کرده ام یاد در بیان قلم

رقم رنج گوئیا بوداست — خط عمر من نشان قلم

باقلم تا قرین شدم بجهان — روز من گشت چون جهان قلم

ناگهان بانگار دفتر من — زان درشتی کند سنان قلم

که به آواز نرم من ماند — نالۂ زار ناگهان قلم

گرچه پیوسته درمیانِ ضرر — دارد م نفع بیکران قلم

آخر احوال من نگوید کس — پیش صاحب مگر زبانِ قلم

خواجه منصور بن سعید کز اوست — تیز بازار امتحان قلم

آن بزرگی که دارد از لفظش — بار انصاف کاروان قلم

چون بنا را سوار کرده بود — مرکب او خجسته ران قلم

در کفایت کند رکاب گران — پس بگیرد سبک عنان قلم

بر هنر عقل را چه بگمارد — آشکارا کند نهان قلم

اس عہد کا ایک دوسرا ممتاز شاعر تاج الدین ریزہ تھا، جس کا ذکر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتے ہین،

ریزہ | تاج الدین نام تھا، لیکن عام طور سے تاج الدین ریزہ کہلاتا تھا۔ اس کے قد کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ریزہ اس کے نام کا جزء ہو گیا، تحفۃ الکرام مین ہے:

"مرد حقیر الجثہ بود، لہٰذا این لقب یافتہ" (جلد ۲ ص ۱۰۵)

گل رعنا کے مؤلف لچھمی نرائن شفیق کا بیان ہے:

"چون حقیر الجثہ بود، او را ریزہ می گفتند، و بعضے گویند در مقابلہ تاج الدین برہ او را تاج الدین ریزہ می گفتند، برہ بزبان ہندی کلان را گویند، تاج الدین برہ شمس الملک کہ از فضلائے عصر بود سلطان المشائخ نظام الدین بداؤنی از و مقامات حریری سند کردہ آخر مستوفی الممالک شدہ، می گوید

اے مرحبا بکام دل دوستان شدی — مستوفی الممالکِ ہندوستان شدی"

گل رعنا کے مؤلف کی یہ توجیہ صحیح نہین، اس نے حضرت نظام الدین اولیاء کے استاد اور سلطان غیاث الدین بلبن کے مستوفی الممالک مولانا شمس الملک کے نام کو تاج الدین برہ کہکر خلط ملط کر دیا ہے، حضرت نظام الدین اولیاء کے استاد اور بلبن کے مستوفی الممالک کا نام شمس الدین خوارزمی تھا، اسی لیے ان کو شمس الملک کا خطاب ملا، چنانچہ لچھمی نرائن شفیق نے جو مذکورہ بالا شعر لکھا ہے، اس مین بعض نسخون کے مطابق "اے مرحبا" کے بجائے "شمسا کنون" ہونا چاہیے، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ شعر تاج الدین نے مولانا شمس الدین کے مستوفی الملک ہونے پر کہا ہے،[1] عرفات العاشقین کے مؤلف کا خیال ہے کہ تاج الدین نیشاپوری سے ممیز کرنے کی خاطر تاج الدین کے نام کے ساتھ ریزہ بڑھا یا گیا، سیر العارفین مین اس کے نام کے ساتھ سنگ ریزہ لکھا ہوا ہے،[2] پروفیسر عبد الغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان ہندوستان" (ص ۳۳۸) مین تاج الدین دبیر اور تاج الدین سنگریزہ کو دو علیحدہ علیحدہ شاعر بتایا ہے، جو صحیح نہین ہے، تاج الدین دبیر کے بارہ مین لکھتے ہین کہ وہ دہلی کا باشندہ تھا، اس کا دادا خسرو دین ملک شاہ کے عہد مین ہندوستان آیا،

[1] دیکھو سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵ [2] ایضاً نیز دیکھو اورنٹیل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۳۴ء

اور شاہی فوج مین نوکر ہوا، تاج الدین کا باپ دہلی مین ۵۰۰ھ مین پیدا ہوا۔ اس کے آبا و اجداد مین کوئی شعر و شاعری کا ذوق نہین رکھتا تھا، پھر ص ۳۰۴ پہ لکھتے ہین کہ تاج الدین سنگریزہ ایک خراسانی شاعر تھا، جو سلطان شمس الدین التتمش کے عہد حکومت اور اپنے بچپن کے زمانہ مین ہندوستان آیا پروفیسر موصوف کو تاج الدین سنگریزہ اور تاج الدین دبیر کو علیحدہ علیحدہ شاعر سمجھنے مین غلط فہمی ہوئی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا،

تاج الدین ریزہ کی صحیح جائے پیدائش تو معلوم نہین ہو سکی لیکن وہ ہندی نژاد تھا، اپنے ایک قصیدہ مین خود ہی کہتا ہے۔

مولد و منشاء مبین در خاک ہندستان مرا ۔۔۔ نظم و نثرم بین کہ از آب خراسان آمدہ[1]

عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی نے اس کو دہلی کا باشندہ لکھا ہے۔

"ملک تاج الدین ریزہ ساکن دہلی بود"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا مین اس کے نام کے ساتھ دہلوی ہی تحریر کیا ہے

شاید پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی نظر ان تذکرہ نویسون کے مذکورۂ بالا بیانات پر نہین پڑی، اس لیے وہ تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہین، اور تاج الدین کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھتے ہین کہ تاج ریزہ یقیناً دہلوی نہین ہے،

سالہا شد بندہ را کز لطف ہر آزادۂ ۔۔۔ در حریم این حمالک حصہ حرمان آمدہ است

خانمان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو ۔۔۔ از علو قدر شاہش چون قدرخان آمدہ است

بے خیانت ہست متغناطیس در باب ہنر ۔۔۔ بندہ سوے این دیار از جذبۂ آن آمدہ است

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین ہے، لیکن پروفیسر

---

[1] دیوان انوری ص ۸۹، نولکشور پریس، لاہور، نیز دیکھو اسلامک کلچر حیدر آباد دکن، جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق تاج الدین ریزہ ہے، یہ قصیدہ نظام الملک قوام الدین جنیدی کی شان مین کہا گیا ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے مذکورۂ بالا اشعار مین "این ممالک" سے مراد دہلی لیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار سے پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنا گھر بار چھوڑ کر ان ممالک (مراد دہلی) مین ایک مدت سے پڑا ہے، مگر ابھی تک اس کو کامیابی نصیب نہین ہوئی ہو لیکن مذکورۂ بالا تذکرہ نویسون کے بیان کو ہم صحیح سمجھ کر تاج الدین کو دہلوی ہی تسلیم کر لین تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اوپر کے اشعار مین تاج الدین ریزہ نے جو کچھ کہا ہو وہ اسکا محض ایک پیرایہ بیان ہے، یا نہین تو پھر ہم یہ گمان کرین کہ یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ نے اس زمانہ مین کہا جب نظام الملک دہلی سے کہین باہر رہا ہو، اسلامک کلچر (جولائی سنہ ۱۹۴۵ء) کے مضمون نگار نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھا ہے کہ وہ دہلی کے لیے اجنبی تھا۔

عندلیب آسا سرائے خسروانی می زنم ۔۔۔ خاصہ کاکنون روئے سخن سوئے بوستان آوردہ ام

پیل بالا زر فشاند بر پئے اسپم فلک ۔۔۔ رخ چو سوئے حضرت شاہ جہان آوردہ ام

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو سلطان رکن الدین کے لیے کہا گیا تھا، فاضل مضمون نگار کا یہ بھی خیال ہے کہ تاج الدین ریزہ کا تعلق لاہور اور ملتان سے بھی نہین تھا، جو اس زمانہ مین اہل علم کے مرکز تھے، تو پھر آخر وہ کہان کا باشندہ تھا جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان ہی مین پیدا ہوا تو پھر اس کو کہین نہ کہین کا باشندہ ماننا ہی پڑے گا، ڈاکٹر اقبال حسین اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین تحریر کرتے ہین کہ "تاج الدین ریزہ کے متعلق تمام تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ وہ دہلی مین پیدا ہوا اور وہیں تربیت پائی، جو اس زمانہ مین لاہور کے بجائے علم کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی اس کتاب پر جب اورینٹل کالج میگزین (مئی سنہ ۱۹۳۸ء) میں ایک طویل ریویو لکھا تو ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر کسی قسم کی تنقید نہین کی،

لیکن انھون نے جب پروفیسر عبد الغنی کی کتاب "پری موغل پرشین ان ہندوستان" پر تبصرہ کیا تو تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، (رسالہ اردو، جنوری ۴۳ء) مگر جب پروفیسر محمود شیرانی مرحوم اور ان کے ہمنوا اسلامک کلچر کے مضمون نگار دونون کا یہ خیال ہو کہ تاج الدین ریزہ کا خاندان شاہی دربار سے وابستہ رہا[1] جیسا کہ اس نے شہزادی رضیہ کے ایک قصیدہ مین کہا ہے،

بودے پدرم بمجلس تو
یار سرہ و حریف محرم

تو پھر ہم کو عرفات العاشقین اور گل رعنا کی سند پر تاج الدین کو دہلوی ماننے مین بظاہر کوئی قباحت نہین معلوم ہوتی،

تاج الدین ریزہ سن شعور کو پہنچا تو سلطان شمس الدین التمش کے دامنِ دولت مین پناہ گزین ہوا، اور اپنی خداداد ذہانت اور شاعرانہ کمال کی بنا پر سلطان کی نظرون مین محبوب بنا رہا، تاج الدین ریزہ نے بھی اپنی ممنونیت کا اظہار سلطان کی شان مین قصائد لکھکر کیا ہے، ۶۲۶ھ مین سلطان التمش کو خلیفہ ابو جعفر منصور المستنصر نے اس کی حکومت کے استقلال و خود مختاری کو تسلیم کر کے خلعت بھیجا تو سلطان نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ خلعت لانے والے سفیر کا خیر مقدم کیا، تمام دار السلطنت کو آراستہ کیا گیا، شہر مین قبے بنائے گئے، شادیانے بجائے گئے، امراء کو خلعت دیے گئے، اور جب سلطان نے خلیفہ بغداد کا بھیجا ہوا خلعت پہنا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، تاج الدین ریزہ نے اس طرب و شادمانی کے موقع پر حسب ذیل قصیدۂ تہنیت لکھکر پیش کیا:

مژدہ عالم را ز عالم آفرین آوردہ اند
زانکہ شہ را از خلیفہ آفرین آوردہ اند

ناصر الاسلام مستنصر[2] کہ طوقِ طاعتش
ز آسمان در گردن اہل زمین آوردہ اند

جبہ افلاک را گرچہ سراسر دامنست
ز آستین پوشش طراز آستین آوردہ اند

[1] دیکھو اورینٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۸ء اور اسلامک کلچر جولائی ۱۹۴۲ء حیدر آباد دکن [2] مورخون نے خلیفۂ بغداد کا نام نہیں لکھا ہے لیکن ابو جعفر منصور المستنصر باللہ کا نام اسی قصیدہ سے واضح ہوتا ہے،

شادی عامست در شہر انیکہ بہر شہر یار — خلعت خاصِ امیر المومنین آوردہ اند

خلعتے یا رب چگونہ چون عروس آراستہ — راست بر بالاے شاہ زآستین آوردہ اند

مرکبے کاندر روانی آب را ماند روان — تا مگر باد صبا را زیر زین آوردہ اند

قصہ کوتہ نہ براقست آنکہ بالش را شکال — از سر زلف دراز حور عین آوردہ اند

مرکبے[2] زین سان مبارک خلعتے میمون چنین — از برائے ظلّ یزدان شمس دین آوردہ اند

شاہ شمس الدین والدنیا آنکہ روز رزم و بزم — آفرین بروے ز عالم آفرین آوردہ اند

حامی آفاق ایلتتمش کہ عزم و حزم او — گرد بر گرد جہان حصن حصین آوردہ اند

تاج بخشِ خسروان صاحبقرانِ عہد آنکہ — بخت را با تخت میمونش قرین آوردہ اند

چتر لعلش را ز بحر اخضر گردون نثار — از کواکب بیکران در ثمین آوردہ اند

ہم چو رائے پیر او نزدیک ارباب خرد — دیدۂ بخت جوانش دوربین آوردہ اند

طینت پاکش ز آب خضر ہمچون کردہ اند — خاک رزم از خون خصمانش عجین آوردہ اند

دست در پیشانی شیران چو لرزد در وغا — سروران زین روے بر بالش جبین آوردہ اند

پیش درگاہش کمر فغفور و قیصر بستہ اند — بہر دربانش زر از جان نگین آوردہ اند

با یمینش بحر کے یارد زدن لاف از یسار — چون یسار اہل عالم زان یمین آوردہ اند

نفع و ضر بدسگال و نیک خواہش را بہم — در سر زنبور زہر و انگبین آوردہ اند

بیضۂ ملک ترا از امن پنداری مگر — جاے زیر شہپر روح الامین آوردہ اند

راستی بر رائے بدخواہت چو صاحب خاتمی — در کژی مانند نقش اندر نگین آوردہ اند

---

[1] اس قصیدے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلعت کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا، طبقات ناصری میں گھوڑے کا ذکر نہیں، البتہ اس میں یہ ہے کہ خلیفہ نے اس موقع پر سلطان کے علاوہ شہزادوں، امراء، خدام اور غلاموں کے لیے بھی خلعت بھیجے، (ص ۱۷۴)

یا چو مرغ زیرک آویزہ دید اندیشت ز خلق — موے را بر گردنش حبل المتین آوردہ اند

نقرہ خنگ چرخ با زین دستانت نوبتے آت — لاجرم داغ ہلالش بر سرین آوردہ اند

یا مثال ملک از طغراے او زینت گرفت — نامۂ فتح تو حیناً بعد حین آوردہ اند

تیر تو مرغیست کز سہمش عقاب فتنہ را — راست چون زاغ کمان گوشہ نشین آوردہ اند

صحن درگاہت بہ نزہت گلستانے شد کزو — خار خارے در دلِ خلد برین آوردہ اند

شہر را[1] از شش جہت در زر و زیور بستہ اند — قبہا سر بر سپہر ہفتمین آوردہ اند

چرخ را با آنکہ دارد قرص زرین در کنار — در میان خوان جشنت ریزہ چین آوردہ اند

الطرب کز جنگ غم در پردۂ تقدیر حق — خصم را از زہ نواہاے حزین آوردہ اند

بر سماع خسروانی جام مے مینوش از انکہ — نیست مے کز کوثرت ماء معین آوردہ اند

وز بقاے جسم بے مثلت کہ روح دولتست — روح تو در جسم خلق عالمین آوردہ اند

تا ز نیکی و بدی در عالم کون و فساد — در دل احباب و اعدا مہر و کین آوردہ اند

خستہ ساز و خصم سوز و از دہ و کشورستان — زانکہ آئین جہانداری چنین آوردہ اند[2]

یہ طویل قصیدہ ہم نے اس لیے بھی نقل کیا ہے کہ تاج الدین ریزہ کی زبان دانی و شاعری کا اندازہ ہو، مذکورہ بالا قصیدہ کی زبان مین سلاست و شگفتگی، طرز ادا مین روانی و برجستگی ہے، کہین آورد کا پتہ نہین، غیر ضروری تکلفات سے معانی و مطالب کو پیچیدہ نہین بنایا گیا ہے، عرفات العاشقین مین اسکے جو حسب ذیل اشعار منقول ہین ان سے بھی اسکے اسی قسم کے محاسن کا اندازہ ہوتا ہے،

---

[1] شہر کے آراستہ و پیراستہ کرنے کا ذکر تاج المآثر، طبقات ناصری، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ میں بھی ہے،

[2] یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو کے ص ۲۸۱ پر سے نقل کیا گیا ہے جو غلطی سے انوری کیطرف منسوب ہو گیا ہے یہ قصیدہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار از علی تقی الدین محمد الحسنی الکاشانی مین بھی ملے گا جو تاج الدین ریزہ ہی کی طرف منسوب ہے

چو زلفت آن بہ بینی بر روئے جانان | کز و گردد پریشانی پریشان
بمہر و ماہ می خواہد کند جنگ | رخش پوشیدہ است از زلف خفتان
خوشا رنجا خوشا درد و اخوشا عشق | کسے کو را نباشد نیست انسان
چو شمشیرش بخندد خصم گرید | بلے از برق بید اگشت باران
کند مہرش نبات النعش را جمع | کند قہرش ثریا را پریشان
ہر آنکو بر خلافش دم بر آرد | نفس گردد بمغز اندرش پیکان
بود بے مدح تو تیغ معانی | چو محراق فقیران کند دندان[1]

تاج الدین کی شاعری کے ان ہی دو چار نمونون کو سامنے رکھ کر بعض تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ اس کا کلام بہت سادہ اور سلیس ہوتا تھا، ڈاکٹر اقبال حسین بھی لکھتے ہین کہ اسکی زبان کی پاکیزگی و سلاست اور موسیقیت کے غیر معمولی امتزاج کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان مین تکلفات اور تصنعات کا رواج نہین ہونے پایا تھا لیکن آگے چلکر ہم اس کے جو مختلف قصائد پیش کرین گے، ان کو دیکھ کر اس رائے کو تسلیم کرنے مین کچھ تامل ہے،

تاج الدین ریزہ التمش کی بزم مین ساتھ رہنے کے علاوہ اس کی معیت مین میدان رزم مین بھی رہتا تھا، ۶۳۹ھ مین التمش گوالیار کی مہم پر گیا تو اس کے جلو مین تاج الدین ریزہ بھی تھا، اور جب گوالیار کا قلعہ ایک سال کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا تو تاج الدین ریزہ نے حسب ذیل رباعی کہی جس کو سلطان التمش نے بہت پسند کیا، اور قلعہ کے پھاٹک پر اس کو کندہ کرا دیا،

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت | از عون خدا و نصرت دین بگرفت

[1] عرفات العاشقین، قلمی نسخہ، خدابخش خان لائبریری، ورق ۱۶۰، و Early Persian Poets of India از ڈاکٹر اقبال حسین ص ۱۵۸-۱۵۷

آن قلعه کالیور روان حصن حصین
در ستماۃ سنۂ ثلثین بگرفت

یہ رباعی طبقات اکبری جلد اول (ص ۶۱-۶۰) مین اس بیان کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

"و ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر مملکت بود، در فتح قلعہ این رباعی گفت و بر سنگ دروازہ قلعہ کندہ اند"

یہی عبارت تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ منتخب التواریخ مین اس طرح درج ہے

"و در سنہ تسع و عشرین و ستمایہ (۶۲۹) قلعہ گوالیار بکشاد و ملک تاج الدین دبیر مملکت در فتح آن قلعہ این رباعی گفتہ و بر سنگ نقش کردہ اند" (جلد اول ص ۶۷)

طبقات اکبری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ تاج الدین ریزہ دبیر مملکت بھی تھا، لیکن منتخب التواریخ مین تاج الدین کے ساتھ ریزہ نہین ہے۔ ڈاکٹر اقبال حسین مولف "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" اور اورینٹل کالج میگزین کے ایک مقالہ نگار نے ان مورخون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تاج الدین ریزہ التمش کے عہد مین دبیر مملکت تھا لیکن اسلامک کلچر حیدرآباد دکن (جولائی ۱۹۴۸ء) کے ایک فاضل مقالہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ تاج الدین ریزہ اور تاج الدین دبیر مملکت دو علیحدہ علیحدہ شخصیتین ہین، تاج الدین محض ایک شاعر تھا، جو ہاتھی کے پاؤن سے کچلوا کر مروا دیا گیا۔ اور تاج الدین دبیر مملکت ۶۳۴ھ مین التمش کی ایک فوجی مہم مین مارا گیا۔ اب مذکورۂ بالا رباعی تاج الدین دبیر مملکت کی ہے تو تاج الدین ریزہ کی نہین ہوسکتی، اور اگر تاج الدین ریزہ کی ہے تو اس کو دبیر مملکت لکھنا صحیح نہین، لیکن اس عاجز راقم کا خیال ہے کہ یہ رباعی تاج الدین ریزہ ہی کی ہے، جو التمش کے عہد مین دبیر مملکت تو نہیں تھا لیکن سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے عہد مین اس کا دبیر تھا، طبقات اکبری (جلد اول ص ۶۴) میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر مین ہے،

"از جملہ ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود، قصیدہ طویل گذرانید بانعام وصلہ معزز شد"۔

طبقات اکبری کے مؤلف نے تاج الدین کو التمش کے عہد میں دبیر مملکت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے دور میں اسی سلطان کا دبیر کہا ہے، طبقات اکبری کے اسی خلط ملط بیان کی وجہ سے ساری غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، یہ تو ضرور ہے کہ تاج الدین ریزہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا دبیر رہا ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

تاج الدین ریزہ کے قصائد سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی رسائی شہزادوں اور امرائ کی بارگاہوں میں بھی تھی، اور وہ اس کی سخندانی اور سخن سنجی سے محظوظ ہونے کے لیے اپنے دربار میں بھی طلب کیا کرتے تھے، التمش کے لڑکے غیاث الدین کی شان میں اُسنے دو قصیدے[1] پیش کیے، پہلا قصیدہ ملاحظہ ہو،

ساقی بیا کہ مے لعل روشن ست	میدان خاک تیرہ کنون سبز گلشن ست
از تیغ آفتاب ہمہ جوشن غدیر	شد رخنہ چون تراہوس تیغ وجوشن ست
ہر حبہ در خیال من از گل بہ بوستان	گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

اس بہاریہ تشبیب کے اگلے اشعار میں رعایت لفظی کا بڑا خیال رکھا گیا ہے، مثلاً "سوری" کے معنی خوشی کے بھی ہین، اور ایک پھول کا نام بھی ہے، خانۂ تن کے ساتھ "جائے تن تن" (یعنی ٹن ٹن کی جگہ) لایا گیا ہے، "قدیم" کے ساتھ "حدیث" اور سیر (بمعنی آسودہ) کے ساتھ "یک سیر و یکمن"

[1] یہ قصیدے کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس مین ہین، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی دقت نظر سے کام لیکر تنقید شعر العجم میں یہ بتایا ہے کہ کلیات انوری مین تاج الدین ریزہ کے قصائد بھی خلط ملط ہو گئے ہین، اور اس کلیات میں سے تاج الدین ریزہ کے دس قصیدوں کو ممیز کیا ہے، (دیکھو تنقید شعر العجم ص ۲۹۰ - ۲۹۱ شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی) ہم نے اس حقیر تالیف مین تاج الدین ریزہ کے قصائد اسی کلیات انوری سے نقل کیے ہین۔

(ہندوستانی وزن) بھی استعمال ہوا ہے، مطرا اور طرہ کی تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے،

سوری گرفت باغ زدور فلک ولیک　　　قمری نگر کہ شیوۂ او باز شیون ست

شاخ درخت عود مطرا شد از صبا　　　زان بادہ کہ طرۂ گریوی چندن ست

در خانہ تن مزن کہ دستان عندلیب　　　در ہر بدشت وباغنچہ صد جان تن ست

خیر از مے قدیم مرا سیر کن بہ طل　　　بگذار ازین حدیث کہ یک سیر ویکمن ست

آخری شعر مین "یک سیر و یک من" ہندی الفاظ ہین، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ ان الفاظ سے انوری کا واقف ہونا مشکل ہے، اسی لیے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ یہ قصیدہ گو کلیات انوری کے نولکشور پریس اڈیشن مین شامل کر دیا گیا ہے، لیکن یہ انوری کے بجائے کسی ہندی نژاد شاعر یعنی تاج الدین ریزہ کا ہے آگے کے اشعار مین گریز ہے، پھر مدح شروع ہوتی ہے، قصیدہ کے اشعار یہ ہین

رود دستگاہ اعلی رغم دشمنان　　　کان دوست را کہ مے بخورد عقل دشمن ست

جالست بادہ در تن جامش رہا مکن　　　در جان من فرست کہ در خورد این تن ست

بھنچہ گذشت بہار ست گلفشان　　　بر خسروے کہ خاک درش تاج بہمن ست

چون گل بیا ز برگ چمن باز بہر آنکہ　　　بلبل بیا و مجلس عالی نوازن ست

عادل غیاث دین کہ بیک تن گروغا　　　از بہر قصد جان عدو تہمتن ست

فرمان دہ زمانہ محمد شہ آنکہ ملک　　　از رائے او چو روئے عروسان مزین ست

موشی سخن شہی کہ زفرمان جاہ او　　　بہر خواص و عام کنون سلوی و من ست

مذکورہ بالا اشعار سے اندازہ ہوگا کہ شاعر کے ممدوح کا نام غیاث الدین محمد شاہ ہے۔

کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ

"انوری کے عہد میں دو غیاث الدین گذرے ہیں، پہلا غیاث الدین محمد سلجوقی المتوفی ۵۵۴ھ، دوسرا غیاث الدین محمد غوری برادر معظم شہاب الدین غوری لیکن میں ان دونوں سے اعراض کر کے التتمش کے فرزند غیاث الدین کے نام یہ قصیدہ مانتا ہوں"۔ یہ رائے تسلیم کر لی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ غیاث الدین محمد شاہ[1] کی شان میں اس وقت کہا جب کہ وہ اودھ کا حاکم تھا[2]، اس لیے کہ قصیدہ میں ممدوح محض ایک شہزادہ کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ وہ کہیں کا فرمانروا معلوم ہوتا ہے جس کی عدل پروری اور تیغ آزمائی کی تعریف کی گئی ہے،

افراسیابِ عہد کہ این عالمِ فراخ — بر دشمنانش تنگ تر از چاہ بیژن ست
عدلش گواہ ملکت و محبش — با آن گواہ عدل جہان را مبرہن ست
از حزمِ شہ نگلبن مشکین نگر از انکہ — با سیم و زر میان بیا بانش مسکن ست
در جائے ساخت در دلِ بدخواہ تیغ او — نشگفت از آنکہ جائے گہر سنگ و آہن ست
اے کردہ مومنان بجنابِ تو التجا — کان جانب از حوادث ایام مامن ست
شہباز دولتے و سلاطین کبوترت — وز طوق طاعتت ہمہ را زیب گردن ست
تا طعمۂ عقاب عنابت بود بزم — پرورد و دشمن تو چو مرغ مسمّن ست
شمشیر تو ز خون عدو راند رود نیل — لیک آب نیل نیست در و آب روشن ست
زیر زمین زبیم چو قارون فرو رود — گر در نبرد خصم تو با زور قارن ست
ہر کس کہ سر کشد چو مد از امر حزم تو — بر سر زدہ ہمہ چو حروف منون ست
در چاک جیب صبح چو بینی لون او — کز خون حاسدت فلک آلودہ دامن ست

---

[1] طبقات ناصری (ص ۱۸۳) میں غیاث الدین محمد شاہ کو رکن الدین فیروز شاہ سے چھوٹا بتایا گیا ہے، مو خر الذکر تخت دہلی پر بیٹھا جیسا کہ آگے ذکر آئیگا، جانشینی کی جنگ میں غیاث الدین محمد شاہ اپنے بھائی رکن الدین کے خلاف معرکہ آرا بھی ہوا لیکن فتح رکن الدین ہی کی ہوئی،

از اعتماد عدل تو در راه کہکشان | بارے بہین ماہ کہ او را چہ خرمن ست
ایوان تو چو منزل کیوانست بنگر این | شعرے کہ بر صحیفۂ شعریٰ مدون ست
ہر ذرہ بہر گفت و شنود ثنائے تو | دہ گوش و دہ زبان چو بنفشہ ست سوسن ست
سوسن سخن نگفت گر از رشک من چہ شد | من بندۂ توام نہ ہر آزادہ چون من ست
ہر فن کہ بندہ را تو در ان امتحان کنی | پنداری از کمال مگر ہم درین فن ست
گر از دعا بسوے دعایت روم روا ست | کان هرز آز مودۂ ہر مرد و ہر زن ست
پایندہ باد سایۂ تو بر جہانیان | کز آفتاب رائے تو آفاق روشن ست

اگر یہ قصیدہ واقعی ریزہ کا ہے تو اس کا رنگ اس قصیدہ سے کچھ جدا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہین اس مین لفظی صفت گری، تلمیحات، مضمون آفرینی، ترکیب، بندش اور طرز ادا میں انوری کی پوری جھلک ہے، اتفاق سے انوری کا بھی ایک قصیدہ اسی قافیہ اور ردیف مین ہے، جس کی تشبیب ملاحظہ ہو۔

اے ترک ہاے بیار کہ عید است و بہمن ست | ہنگام بادہ خوردن و شادی بر زن ست
ایام خز و خرگہ گرم ست، ازین سبب | خرگاہ آسمان ہمہ در خز ادکن ست
خامی مدار خرمن آتش ز دود و عود | قادر چمن ز بیضۂ کافور خرمن ست
آن عہد نیست این کہ ز الوان گل چمن | گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست
سلطان دے بہ لشکر صرصر جہان بکند | بینی کہ جور صرصر وے چون جہان کن ست
در خفیہ گرنہ عزم خروج ست باغ را | چون آب گیر ہمہ پر تیغ و جوشن ست
نفس بنانی او بہ غریب خانہ باز شد | عیبش مکن کہ مادر بستان سترون ست
باد صبا کہ فحل نبات نبات بود | مردم گیاہ شد کہ نہ مرد ست و نہ زن ست

از جوش نشو، ویگ نما تا فرو نشست　　　از دود تیره بر سر گیتی تهبّن (؟) ست[1]

انوری اور ریزہ کے مذکورہ بالا قصائد ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہین، ان دونون کے ایک شعر کا دوسرا مصرع تو بالکل یکسان ہی ہے،

انوری	ریزہ
آن عہد نیست این کہ ز الوان گل چمن	ہر جزو در خیال من از گل بر بوستان
گوئی کہ کارگاہِ حریر ملوّن ست	گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

اب ریزہ کے اس شعر کے دوسرے مصرع کو یا تو توارد یا سرقہ کہا جا سکتا ہے یا یہ کہ کاتب نے غلطی سے دونون کے مصرعون کو خلط ملط کر دیا ہے، اگر واقعی خلط ملط ہو گیا ہے تو ریزہ تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے انوری کے طرز کا خوب چربہ اتارا ہے، ممکن ہے کہ اور شعراء کی طرح اس نے بھی انوری کے رنگ مین قصیدہ کہہ کر اپنی طباعی اور زبان آوری کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہو۔

تاج الدین ریزہ کا ایک اور قصیدہ بھی غیاث الدین محمد کی شان مین ہے، اس مین وہ تکلف اور دقت آفرینی نہین جو مذکورہ بالا قصیدہ میں ہے، یہ قصیدہ بھی ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان طویل قصیدون کو نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ کا گم شدہ اور منتشر کلام اکٹھا ہو جائے، گو ان قصیدون سے مفید تاریخی معلومات حاصل نہیں ہوتے، عام قصیدہ نگارون کی طرح تاج الدین ریزہ کے قصائد مین بھی محض غلو اور لفاظی ہے لیکن یہ مبالغہ آمیز مداحی کسی خوشامد یا تملق کی دلیل نہ تھی، اس زمانہ مین عام طور سے شعراء کے سامنے

---

[1] یہ اشعار تنقید شعر العجم (ص ۲۷۳-۲۷۲) سے نقل کیے گیے ہین، میرے پیش نظر قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے لیکن یہ قصیدہ اس مین نہین ہے،

قصیدہ ہی کا میدان تھا، اور اسی سرزمین مین وہ اپنے جوش طبیعت کی جولانیان دکھاتے تھے، اور ان جولانیون کے دکھانے مین آسمان و زمین کے قلابے ملایا کرتے تھے۔ ان سے مراد ممدوح کی چاپلوسی نہین ہوتی تھی، بلکہ اس زمانہ کے مذاق کے مطابق زور طبع اور شاعرانہ کمال کا اظہار ہوتا تھا، جس سے شاعر کی عزت و توقیر بڑھتی تھی، تاج الدین ریزہ اپنے ممدوح سلطان رکن الدین کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

روئے برخاک درت کان کحل چشم اخترست | بہر آب روے نہ از بہر نان آوردہ ام
چشم می دارم کہ یابم آبروے از دولتت | چو بیان خلق جودت رائیگان آوردہ ام

اس لیے قصیدہ نگارون کی مبالغہ آرائی کوئی عیب نہین، بلکہ ان کے لیے مایہ ناز ہے، بعض شعراء خصوصاً متاخرین نے تو مبالغہ کو اس قدر ترقی دی کہ اس سے زیادہ وہم و خیال مین بھی نہیں آسکتا، اور یہ مستقل ایک فن بن گیا، چنانچہ ایسے لوگون کی بھی مدح کی جاتی جو اس کے مطلق مستحق نہ ہوتے، لیکن ان کے اوصاف بھی بیان کرنے مین قصیدہ نگار اپنا پورا زور صرف کردیتے، مادح اور ممدوح دونون سمجھتے تھے کہ مدح مین جو خیالات ادا کیے جاتے ہین، ان کا تعلق حقیقت سے نہین بلکہ محض تفریح اور فن شاعری سے ہے، تاج الدین ریزہ کی مداحی کو بھی اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے، گو اس کے قصیدے مین وہ غلو نہین جو بعد کے شعرا مین پیدا ہوا، ہان تو وہ قصیدہ ملاحظہ ہو، اس کی تشبیب مین تو ایک غزل ہی کہدی گئی ہے جس مین صنائع و بدائع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً "مرغزار" اور "مرغ زار" مین تجنیس تام ہے، خسرو ثانی بلبل اور شیرین لقا، تلمیح کے ساتھ لائے گئے ہین، "عرض اور عارض"، "قمر"، "مقامیر" اور "قمار" مین شبہ اشتقاق ہے، "نوبادۂ حیات" اور "بادہ کہن"، "جہان کہن" اور "نوبہار گل" "دماغ خشک" اور "غزل تر" مین صنعت تضاد ہے۔

افزود باز رونق ہر مرغ زار گل | چون زیر یافت نالۂ ہر مرغ زار گل
در راہ خسروانی بلبل بزن ازانکہ | شیرین لقا نمود ز ہر مرغ زار گل
چون گشت از نسیم سحرگہ عبیر یار | ہیچ از گلاب گر نگرفت اعتبار گل
تا بار سیم بر کف آرد برون کشید | از غنچہ دست بر زر خالص عیار گل
چون عرض کرد عارض کافور دام خویش | افگندہ چین برابروے مشک تتار گل
تا شد قمر مقامیر گل بر بساط لطف | دست ندب ہر روز غو و قمار گل
در موسمی کہ مست طرب شد جہان چنانکہ | جز حزم شد ندید دگر ہوشیار گل

لہ عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی اور صاحب مجمع الفصحا رضا قلی خان نے اس قصیدہ کو تاج الدین ریزہ ہی کی طرف منسوب کیا ہی لیکن ڈاکٹر اقبال حسین اپنے مقالہ Early Persian Poets of India میں لکھتے ہیں "تقی اوحدی اور رضا قلی خان نے غلطی سے انوری کے بعض قصائد کو تاج الدین ہی کی طرف منسوب کر دیا ہے، دونوں اپنے تذکروں میں ایک قصیدہ نقل کرتے ہیں، جس کو تاج الدین کا قصیدہ بتاتے ہیں، اس کا مطلع یہ ہے،

افزود باز رونق ہر مرغ زار گل | چون زیر یافت نالۂ ہر مرغ زار گل

یہ قصیدہ انوری کا ہے جو اس کے دیوان میں موجود ہی (دیوان انوری ص ۲۶۴ - ۲۶۳) اس غلطی سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تاج الدین اور انوری کے اشعار اپنے اوزان، انداز بیان اور طرز ادا میں انوری سے اسقدر مشابہ ہین کہ تقی اوحدی اور رضا قلی خان جیسے صاحب نظر تذکرہ نویسوں کو بھی ایک دوسرے کے اشعار کو ممیز کرنے میں دھوکا ہو گیا، یہ تاج الدین کے شاعرانہ محاسن کی دلیل ہی"۔ ان سطور کو قلمبند کرتے وقت ڈاکٹر اقبال حسین کی نظر محمود شیرانی مرحوم کے اس مضمون پر نہیں پڑی جو انھوں نے اپریل ۱۹۲۴ء کے رسالہ اردو میں لکھا تھا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کلیات انوری میں آٹھ دس قصیدے تاج الدین ریزہ کے ہین، محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب پر ریویو کرتے ہوئے بھی ان کی اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے (اورنٹیل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۸ء ص ۶۹ - ۶۸)

براعتماد دولت بیدار شہریار | با سیم وزر بجفت بدست آشکار گل
نوبادۂ حیات شمر بادۂ کہن | کافشاند بر جہان کہن نوبہار گل
پژمردہ چو بنفشہ چہ باشی بنوش مے | کامسال تازہ کرد بمن راچو بار گل
آن لالہ گون مے کہ خیا بانش چو بشگفد | بشگفت اگر بجان طلبد زینہار گل
زان مے دماغ خشک مرامایہ دہ نخست | پس بر سماع این غزل تر بیار گل

اس غزل کے بعد بھی ایک مختصر سی تشبیب ہے، جس کے بعد مدح شروع ہوتی ہے لیکن اس مدح میں کوئی خاص بات نہیں، نہ اور قصیدون کی طرح سلاست ہے، نہ صفائی، نہ حسن بندش اور نہ قوت تخیل کی دلفریبی، البتہ گریز میں کچھ دلآویزی ضرور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا سارا زور تشبیب کی غزل ہی میں صرف ہوکر رہ گیا ہے،

کاے ناشگفتہ چون تو درین روزگار گل | مانند من ز عشق تو در خار خار گل
از استماع شرح مقاماتِ حسنِ تو | قانونِ عمر خویش کند اختصار گل
تاآفتاب تافتہ مانند ز غم چو من | زین پیش زیر سایۂ سنبل مدار گل
از رخ نقاب شعر براند از تاز رشک | پیراہنِ حریر کند تار تار گل
در گردن تو تا نشود چون گل زمن | بشنو سخن منہ زلبس گوشوار گل
تا نیلگون چو وسمہ شود گل ز غرتت | بردست وپاے خود زحنا زنگار گل
بر چشم من گذار قدم از رہِ کرم | زیرا کہ درخور است دریں جوئبار گل
نوروز ے دگر چہ نداری براے شاہ | باری چو من ز گلشنِ خاطر بیار گل
زیرا کہ از شگوفۂ پروین ملائکہ | آرند پیش تخت شہ تاجدار گل
عادل غیاث دیں کہ حقیقت ز خلقِ او ست | نزدیک زیرکان جہان مستعار گل

جمشید روزگار محمد شه آنکه کرد   بر ذات او خدای ز دولت شعار گل

شاهی که در حمایت شمشیر تیز او   از هیچ تند باد نشد خاکسار گل

با غیبت معرکه ز خار سنانِ او   در یک نفس شگفت ز نصرت هزار گل

ابریست دست او که ز فیضِ سخاوتش   بر داد امید را ز یمین و یسار گل

شاها به پیش رای تو خورشید نوربخش   بی آب شد چنانکه ز تاثیر نار گل

سازنده نیست خصم ترا مملکت چنانکه   اهل زکام را نبود سازگار گل

در رزم تو که خون عدو کف کند چو بحر   کوهی که هست ریخته بر لاله زار گل

از بس نثار خون که رود سوی آسمان   در چشم آفتاب کند زان بخار گل

پیکان برگ بید تو بر خاک افگند   از شاخ عمر خصم نیاورده بار گل

دشمن ز حملهٔ تو شود بی قرار از آنکه   با صرصر خزان نه پذیرد قرار گل

بر کار کرد خنجر نیلوفری تو   افشاند آن زمان ز ظفر کردگار گل

باد از غبار جنگ تو سوی چمن برد   گیرد مزاج عنبر تر زان غبار گل

عیسی دما مرا ز گلستانِ مدحِ تو   می شد برای تقویت دل بکار گل

در ذوق ناطقه چو شکر بود لفظ من   از مدحتِ تو با شکرم گشت بار گل

گر من ردیف شعر خود از گل نکردمی   هرگز سخن بری بنکردی شعار گل

نی نی اگر ز مدح تو عزت نیافتی   بودی چو خار سوخته هموار خوار گل

بر جادهٔ دعا قدمی می نهم کنون   شاید که دست باز کند چون چنار گل

بشمار سال خویش در اقبال آن قدر   کارد زمانه باز پریشان شمار گل

گل ریز کن بموسم نوروز تا کند   بر نرگس فلک زاسپیت افتخار گل

گر جام رادہن بلب جوئے بوسہ زن　　　گہ درمیان سبزہ کش اندر کنار گل

اگر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی قیاس آرائی صحیح تسلیم کرلی جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے ایک قصیدہ سلطان شمس الدین التیمش کی لڑکی شہزادی رضیہ کی خدمت مین گذرانا جس کا مطلع یہ تھا،

اے فخر ہمہ نژاد آدم　　　وی سیدۂ زمانِ عالم

یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس مین درج ہے، کلیات انوری مین اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے انوری کے حالات قلمبند کرتے وقت، شروع میں یہ لکھا ہے کہ اوحد الدین انوری کا باپ محمد ایک شہزادی کریمۃ النساء رضیۃ الدین کی سرکار مین ایک قابل اعتماد منصب پر سرفراز تھا، سرکار شعراء کی قدردان بھی، انوری اپنے باپ کی وفات کے بعد اسی سرکار مین توسل قائم کرنا چاہتا تھا، اسی لیے مذکورۂ بالا قصیدہ لکھا، لیکن انوری کے حالات وشاعری پر تبصرہ ختم کرکے "کلیات انوری طبع نولکشور" کی ایک علیحدہ سرخی قائم کی ہے، اور اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ "مین ایک مدت تک اس قصیدہ کو سلطان رضیۃ الدین بنت سلطان شمس الدین التیمش کی مدح مین مانتا رہا، لیکن انوری کے ایک قلمی کلیات مین جس سے گذشتہ بالا الحاقی قصائد ترک کردیے گئے ہیں، یہ قصیدہ داخل ہے، اس شہادت کی بنا پر مین اپنے نظریہ سے دست کش ہوگیا ہون، اگرچہ مطمئن نہیں ہون"، دار المصنفین کے کتب خانہ مین بھی قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں بھی یہ قصیدہ موجود ہے لیکن قصیدہ کی سرخی "درمدح صفوت الدین مریم گوید" ہے۔ معلوم نہین صفوت الدین مریم سے کون خاتون مراد ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی مذکورۂ بالا رائے رسالہ اردو (اپریل ۱۹۲۴ء) مین ظاہر کی تھی، لیکن ان کا شبہہ کچھ یقین کے درجہ پر ۱۹۳۸ء مین پہنچ گیا جب کہ انھون نے

ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب Early Persian poets of India پر ریویو کرتے ہوئے اورنٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۰ء) میں لکھا کہ تاج الدین ریزہ نے ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے، جب ایلتمش زندہ ہے'' اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۴۰ء) کے ایک مضمون نگار نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ قصیدہ رضیہ بنت سلطان شمس الدین ایلتمش ہی کی شان میں کہا گیا ہے، اس مشتبہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

اے فخر ہمہ نژاد آدم   وی سیدۂ زمانِ عالم

روح القدس از پے تفاخر   مہر تو نہادہ مہر خاتم

سلطانت کریمۃ النسا خواند   شد ذات شریف تو مکرم

راضی ز تو اے رضیۃ الدین   حق قادر و ذوالجلال اکرم

جن اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصیدہ کی مخاطب کسی بادشاہ کی لڑکی ہے، یہ ہیں

اقبال تو بر فزونست ہر روز   از دولت خسرو معظم

آن پادشہے کہ خسروان را   از ہیبت او فرو شود دم

اسی قصیدہ کے کچھ اور اشعار سن لیں،

در خدمت طالع تو دارد   سعد فلکی دو دست بر ہم

بر خستگی نیاز مندان   پیوستہ ز لطف تست مرہم

اعدائے ترا زہ گریبان   طوقیست لشکل ما را رقم

ار جو کہ رہے شود بمدحت   ہر اغلب ما و جان مقدم

بادات بقائے عز و اقبال   بیش از رقم حروف معجم

ماہ رمضان خجستہ بادت   تا پیش صفر بود محرم

ان ہی قوافی مین ظہیر فاریابی کا بھی ایک قصیدہ ہے جو اس نے ملک نصرۃ الدین کی مدح میں کہا تھا۔ اس کے بھی دو چار اشعار ملاحظہ ہوں:

اے حکم تو چوں قضائے مبرم | در زیر نگین گرفتہ عالم
تاریخ اساس بادشاہیت | بر فطرت آسمان مقدم
ہر جا کہ زدی بہ عنف زخمے | لطف تو بر نہاد مرہم
عفو سخطت مزاج زنبور | آمیختہ بالعاب ارقم
با گوہر پاکت از خجالت | بر خاک نشستہ آب زمزم

اگر پہلا قصیدہ انوری کا تسلیم کر لیا جائے تو یہ بہت ممکن ہے کہ ظہیر نے انوری کی تقلید میں اپنا قصیدہ کہا ہو، کیونکہ پروفیسر شیرانی کا بھی بیان ہے کہ ظہیر کے قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر انوری کا مقلد ہے، اور انوری کے جواب مین اس نے چند قصائد بھی لکھے ہیں، گو ان میں کوئی ترقی نہین دکھائی ہے[1]، اور اگر پہلا قصیدہ انوری کے بجائے تاج الدین ریزہ ہی کا تصور کر لیا جائے تو پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ ریزہ نے ظہیر فاریابی کی تقلید مین یہ قصیدہ کہہ کر اپنا استادانہ رنگ دکھلانے کی کوشش کی ہے، اس نے ایک اور قصیدہ ظہیر کے طرز پر کہا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، اب اگر یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ ہی کا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا باپ رضیہ کی سرکار مین کسی معزز منصب پر مامور تھا، کیونکہ وہ کہتا ہے

بودے پدرم بمجلس تو | یار سرہ و حریف محرم

تاج الدین ریزہ کی شاعری کے نغمے، التتمش کے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کے دربار مین بھی سنے گئے، جو اپنے تدبر، علم و فضل کے علاوہ علم دوستی اور علم پروری کے لیے بھی اس عہد مین امتیازی حیثیت رکھتا تھا، پہلے ذکر آ چکا ہے کہ اسکا دربار بھی علماء، فضلا اور شعراء سے

[1] تنقید شعر العجم ص ۲۶۶

سے مزین رہا، شعرا اس کی شان مین بھی قصیدے کہہ کر اس کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتے تھے، معلوم نہین تاج الدین ریزہ نے اس کی تعریف و توصیف مین کتنے قصیدے کہے تھے لیکن ہم کو اس کے صرف دو تین قصائد ملے ہین، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان قصیدون کے متعلق یہ بتانا مشکل ہے کہ ان مین سے پہلے کون سا قصیدہ کہا گیا ہے اسی لیے ہم ترتیب زمانی کا خیال کیے بغیر یہان پر ان کا ذکر کرتے ہین، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

بیدلان را روئے تو آئینۂ جان آمدہ است ۔۔۔ وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است

یہ ایک طویل قصیدہ ہے جس مین ۵۳ اشعار ہین، خاقانی کے بھی دو طویل قصیدے اسی قافیہ مین ہین، گو ردیف کچھ مختلف ہے لیکن بحر ایک ہی ہے، ایک کا مطلع یہ ہے،

صبح خیزان بین بصدر کعبہ مہمان آمدہ ۔۔۔ جان عالم دیدہ و در عالم جان آمدہ

گو معنوی حیثیت سے خاقانی اور تاج الدین ریزہ کے قصیدون مین کوئی موازنہ نہین ہو سکتا لیکن ممکن ہے کہ خاقانی کے ان ہی قصیدون سے متاثر ہو کر تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ لکھکر اپنے زور طبع کا اظہار کیا ہو،

تاج الدین ریزہ کا یہ قصیدہ الفاظ کی فصاحت، ترتیب اور تناسب اور ساتھ ہی ساتھ خیالات و تشبیہات کی لطافت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ معیار کا قصیدہ کہا جا سکتا ہے، اس کو اپنے اس قصیدہ کی خوبیوں، خصوصاً اس کی زبان کا غالباً خود ہی احساس ہے، چنانچہ اسی قصیدہ مین کہتا ہے،

مولد و منشا ہمین در خاک ہندوستان مرا ۔۔۔ نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

قصیدہ میں رنگینی کے ساتھ موسیقیت بھی ہے، اور گو بعض وسیع خیالات چند الفاظ ہی مین پیش کئے گئے ہیں، لیکن اس سے اثر اور بلند آہنگی مین فرق نہین آنے پایا ہے، اب پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

بیدلان را روئے تو آئینہ جان آمدہ است — وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است

چون نسیم زلف تو بوئید گویند از فرح — مژدہ اے گیہان کہ یارا مژدۂ جان آمدہ است

گرچہ خوان حسن روئے تست بہر ملح را — زان لب شکر فشان بروے نمکدان آمدہ است

از گل رخسار تو اے خار عشقت سینہ را — خار خار در دل گلہاے بستان آمدہ است

صوفی سرمست سیارات یعنی مشتری — بہر تو چون زہرۂ مطرب غزل خوان آمدہ است

زادۂ خورشید در تابست از رخسار تو — تا چرا زلفت بران گلگون بجولان آمدہ است

روئے تو ماہ است و دل از مہر خاک کوئے تو — ہمچو عکس مہر و مہ در آب لرزان آمدہ است

عارض من زمان زمانی باز آبی گون شد — تا لب لعل تو چون یاقوت درمان آمدہ است

خون دل بر خاک می افشانم از دولاب چشم — تا مرا سودائے آن چاہ زنخدان آمدہ است

گرد زلف را ز نخدان تو سر گردان چو گوے — گرچہ گردان حال گوے از خم چوگان آمدہ است

کلبۂ دل ست معمور فلک را طعنہ زد — تا خیالت اندران ویرانہ مہمان آمدہ است

بے خیالت گنج بود و گرد گنج آنجا مقام — زانکہ مسکن گنج را در کنج ویران آمدہ است

بے قد چون تیر تو پشتم خم کمان تمثال کرد — چون کمان وقت کشاد تیر نالان آمدہ است

جزع من از عشق لعلت بر رخ بے جادہ رنگ — چون سر کلک وزیر شہ درفشان آمدہ است

آصف ثانی نظام الملک دستور جہان — کز کمال کامگاری چون سلیمان آمدہ است

صاحب عالم قوام الدین محمد کز شرف — چون محمد زبدۂ ترکیب ارکان آمدہ است

ہم انیس خدمتش گشت است دولت چون انس — ہم سلامت لازم صدرش چو سلمان آمدہ است

اس کے بعد نظام الملک قوام الدین کی عقل و دانش اور تدبر و سیاست کی تعریف ایک خاص پیرایہ میں کی گئی ہے،

قطرۂ از جام نقلش حصۂ قطران رسید | لقمۂ از خوان عقلش قسم لقمان آمدہ است
فقہ دولت اندر الفاظ کلامش مضمر است | گوئی آن الفاظ را اعجاز قرآن آمدہ است

نظام الملک بڑا صاحبِ علم بھی تھا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، ریزہ اس کے خط و انشا کی تعریف مین کہتا ہے،

مرغ کلکش راگذر بر بحرِ ظلمت می فتد | لاجرم منقار او بر آب حیوان آمدہ است
تا رقاع مکرمت گشت از خط ثلثش روان | ربع مسکون جہانش زیر فرمان آمدہ است

اس کے بعد اس کے خلق کی تعریف ایک اچھوتے انداز مین کی ہے۔

تا نسیم عنبر افشانی کرخلق خواجہ راست | از علامتش یکے در باغ ریحان آمدہ است

پھر اس کی سپہگری اور دشمنون پر فتح وکامرانی اور ہنر پروری کا ذکر کیا ہے

پیش چشم ہمت عالیش از روئے قیاس | ہیئت چرخ سدا بے چون سپندان آمدہ است
از تنِ دشمن بزخم تیغ گوہر دار را | خاک ہیجا غیرت لعل بدخشان آمدہ است
گرچہ رمحش مار ہیجان است لیکن از بیم آن | دشمنش بر خویشتن چون مار پیچان آمدہ است
ابر نصرت خوان کمانش را کہ از تاثیر آن | روز وشب بر فرق دشمن تیرباران آمدہ است
عرصۂ دل دشمنان را تنگ و تاریکیست لیک | تیر او بے راہبر آنجا چو پیکان آمدہ است
صاحبا آن شہ نشانی کز دبیر آسمان | نام تو بر نامۂ اقبال عنوان آمدہ است
گوہر آل جنیدی وز کرامت ہائے تو | مالک دنیا ز نند ہر کو سخندان آمدہ است
ہر کہ سر بر خاک ایوانت نہد از روئے قد | بالش از تحت الثری بر اوج کیوان آمدہ است
وانکہ سر بر داشت از پائے تو دور از دولتش | چون سر گیسوئے مہ رویان بپایان آمدہ است
تا تراگردند گردِ سر بپائے خویشتن | در مزاج خلقت افلاک دوران آمدہ است

چون فشاند دامنِ پر نور بر چرخ آفتاب | گر نہ بار آئی سیرت ہم گریبان آمدہ است
دشمنت از غایت سروے کہ در افعال اوست | پوستیہا را فراخور چون زمستان آمدہ است
با نوائے پیمانۂ عمر حسود پر شدہ | باز گویم چرخ را با من چہ پیمان آمدہ است
تا مخالف گشت بخت ساز دارم کار من | راست چون زلف نگارستان پریشان آمداست
شکل طالع سعد و عالم نحس شکل حالتست | تا نگر نہب کواکب جملہ بہتان آمدہ است
سالہا شد بندہ را گر لطف ہر آزادۂ | در حریم این ممالک حصہ حرمان آمدہ است
خان و مان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو | از علو قدر شاہش چون قدرخان آمدہ است

اس کے بعد نظام الملک کے جود و کرم کی مدح و ستایش ہے بعض اشعار سے شاعر کے کچھ ذاتی حالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھائیوں کا ستایا ہوا تھا، اسی لیے نظام الملک کے دامن میں آکر پناہ لینا چاہتا ہے، اسی سلسلہ میں اپنی نظم و نثر کی خوبی و فضیلت کا بھی اظہار کرتا ہے، شاید اس لیے کہ اس کے ممدوح کی ہنر پروری کا جذبہ اچھی طرح بیدار ہو، اور آخر میں ممدوح کے لیے دعائیں کرکے قصیدہ ختم کر دیتا ہے۔

خوان جودش زیر چرخ کاسہ شکل آراستست | این ثنا خوان بے نصیب از جور اخوان آمداست
یوسف احسان چو در چاہ جفا محبوس شد | بندہ چون یعقوب سوئے بیتِ احزان آمداست
کشتی نوح ست درگاہت چہ باک آید مرا | گر ز بیدادی پر اہل فضل طوفان آمداست
قسم دونانست گر یکجا دونان بینی بچشم | گوش دار این نکتہ کز دانائے یونان آمداست
کاین گردان روئے گردون نجو دے حاسدم | نے ستم بر من ازین گردون گردان آمداست
از کمال خود مراد حاسدم را وزن کن | رنا بمیزان ہنر سوئے کہ نقصان آمداست
مولد و منشا مین در خاک ہندوستان مرا | نظم و نثرم بین کہ برآب خراسان آمداست

تاچو نعل نقرہ خنگ است چرم زرین ہلال — ہر مہی بر صحن این فیروزہ میدان آمد است

ماہ ایوان تو تابان باد از اوج ظفر — کز فروغش نور بر خورشید تابان آمد است

باد چون لالہ ز خون خصم تیغت سرخ رو — کز تو سرسبزی اہل شرح عمان آمد است

عمر نزہت باد و شغلت فارغ از طوفان عزل — گرچہ اخلاق ترا اخلاق کنعان آمد است

رغم بدخواہان نکو باد بعونت کار من — گرچہ نیکی و بدی از حکم یزدان آمد است

عرفات العاشقین کے مولف نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک ایسے قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جو اس نے نظام الملک کے لیے کہا تھا، ان اشعار کی زبان بھی سادہ، شگفتہ اور ساتھ ہی ساتھ رنگین بھی ہے، ملاحظہ ہو،

ای صاحبی کہ چون اثر رحمت خدائی — باران جود تو بزمین وزمن رسد

بر خاکِ آستانِ تو چون بگذرد صبا — اندر مشامِ چرخ نسیم سمن رسد

در فصل نو بہار ز تاثیر دست تست — ہر سر عد و ہمہ تیغ بمن رسد

گرچہ فرشتہ روی داز تاب خشم تست — ہر شعلہ کز فلک بسوئی اہرمن رسد

از فر رای روشن گیتی فروز تست — از تیرگی ہر انچہ بروی سمن رسد

موسی صفت مشیری وہارون صفت وزیر — زان قوم را ز سعی تو سلوی و من رسد

سیم سخن بمدح تو سنجیدہ جو بہ جو — لیکن زر از ترا ز وجودت بمن رسد[1]

نظام الملک کی مدح میں ایک اور قصیدہ بھی تاج الدین ریزہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کو ابھی ہم نقل کریں گے، لیکن اس کی زبان کچھ مختلف یعنی مشکل اور مغلق ہے، اگر یہ قصیدہ ریزہ ہی کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی یہ عمومی رائے کہ تاج الدین ریزہ

---

[1] عرفات العاشقین، ورق ۱۶۱-۱۶۰

کے قصائد کی زبان مین سلاست اور سادگی ہے[1]، نظرثانی کے قابل ہے، اس کے اور قصیدے سلیس اور سادے ضرور ہیں، لیکن اس قصیدہ مین اس نے ایک مختلف رنگ اختیار کرکے اپنے علم وکمال کا اظہار کرنے کی زیادہ کوشش کی ہے، اس قصیدہ مین شانِ علمیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے قوافی بہت ہی سنگلاخ اور دشوار ہیں، اور شاید ان قوافی مین تاج الدین ریزہ نے قصیدہ کہہ کر اپنی جودت طبع کا اس لیے بھی اظہار کیا ہے کہ ابوالفرج رونی اور انوری کا بھی ایک ایک قصیدہ ان ہی قوافی مین ہے، گو ردیف مختلف ہے، ناظرین کی ضیافت کے لیے ہم ابوالفرج رونی کے قصائد کے بعض اشعار یہان پر نقل کرتے ہین۔

بحرے کہ میغِ رزق بجودش مطیر گشت	صدرے کہ سطح ملک بر ایش معمد است
ہر فصلۂ زعزمش رخشے است بادپائے	ہر وعلہ ز حزمش درعی مزرد است
شمشیرہائے ظلم شیاطینِ روزگار	یک یک زبیم ذرۂ عدلش مغمد است[2]

انوری کے قصیدہ کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تیغ فلک ز تیغ تو اندر نیام باد	تا بر فلک مجرہ چو تیغ مہند است
چشم بد از تو دور کہ در روزگار تو	چشم بلاد فتنۂ ایام ارمد است

ان ہی مشکل قوافی مین تاج الدین ریزہ کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

صبح خیز انکہ وصف آن خط وخد کردہ اند	در رہِ فکرت نوشتن جید بجید کردہ اند
بہر حل دعقد پاس معنے ولفظ جان فزائے	خون دل صد بار محلول ومقصد کردہ اند
نہ آتش اندیشہ خود راہند وآسا سوختند	آن جوانمردان کہ نعمت ترک امرد کردہ اند
تا بدل کاری نفس لعبت مشکین نقاب	روح را بر صحن کافوری مجسد کردہ اند

---

[1] اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۸ء [2] دیوان استاد ابوالفرج رونی مرتبہ پروفیسر چایکین ص ۳۰

شعر باد است و چو اعجاز سلیمانِ نبی | سحر مطلق بین کہ بادے را مقید کردہ اند

پس بر سم من بر اطلاق کہن از نظم تو | عہد یاران قدیمے را مجدد کردہ اند

نیستم از ایشان و ہستم بر تو شیدا گر ازل | قصر عشقت در دلِ ویران مشید کردہ اند

اے بلا شورے کہ گویند کربلائے دیگر است | کز شہیدانت در و ہر جائے مشہد کردہ اند

نرگسِ بستان حسن آن چشم خواب آلودہ است | از چہ روان چشم پر خونم مسہد کردہ اند

روئے و موئے تست از بہر نبرد عاشقان | خنجر و درعیکہ مصقول و مزرّد کردہ اند

زان صلیب زلف کافر از نشانی دیدہ اند | مومنانِ صلب نام خویش مرتد کردہ اند

دان نبات رستہ گرد چشمۂ حیوان تو | ہر نفس ناطقہ شاخِ طبرزد کردہ اند

باز دہ جانان دلم بپذیر این بند سرہ | زانکہ در سودا ازین سان قلب را رد کردہ اند

قامتت را اگر الف خوانم بران مقصود نیست | نیز محمد و دست کابروے تو چون مد کردہ اند

ہم بمعبود یکہ جایش نیست لیکن کعبہ را | خانۂ او خواند و محراب معبد کردہ اند

گرچہ در تکبیر و کرش را مثنے گفتہ اند | لیکن از تنزیہ وصفش را موحد کردہ اند

لالہ و شمشاد و را مشاطگان صنع او | بارخ زیبا و با زلف مجعد کردہ اند

ہفت مینا خانہ بر شمع منیر اختران | در سر شش روز از دور مصعد کردہ اند

کز کمر شمشیر جوزا گوہر مدحت نثار | بر سر کلک قوام الدین محمد کردہ اند

قاصدے را کانتظام حال می جوید چہ سن | راہ درگاہ نظام الملک مقصد کردہ اند

آن سلیمان قدر و آصف را کز بس منزلت | خانۂ دیوانش چون صرح ممرد کردہ اند

ظل ممدود است حالے در پناہش خلق را | در بہشت خانہ از وعدۂ طلح منضد کردہ اند

خسروانرا گوش از لطفش مقرط دادہ اند | سرورانرا گردن از لطفش مقلد کردہ اند

در مشام روح می آید ز خاک درگهش　　روح آن عطری که نامش عنبر و ند کرده اند

صورت اقبال زان ذات یگانه تا ابد　　فرق نتوان کرد کایشان را دو فرقد کرده اند

در مقامی کز بخار خون دوانه گرد و نبرد　　چشم مینای سپهر از کحل ارمد کرده اند

جان سپارانش بدان خارستان آبدار　　خاک از خون دل مردان مورد کرده اند

رایتش را از برای نصرت انصار حق　　دائما تائید یزدانی موید کرده اند

دین تازی را ز بیم ترکتاز چینیان　　چون حریم ایمن بدان تیغ مهند کرده اند

هر کرا نتیجش از فعل عناصر آمده است　　در سواران سپاهش اسم مفرد کرده اند

دشمنش مطرود و نازیباست از سرتا بپای　　لیک در هیجا سرش را زیب مطرد کرده اند

صاحبا از سهم اقلام تو تیغ فتنه را　　در اقالیم جهان مغلول و مغمد کرده اند

گر کسی لازم کند بر خود خلاف امر تو　　قول او را اهل این دوران مردد کرده اند

رخ دهد رای تو بر تخت ضیا بخشی رواست　　شاه انجم را که چارم چرخ مسند کرده اند

عدل و احسان ترا جائیکه افتاد اجتماع　　ظلم و فقر آنجا طریق خویش مسند کرده اند

گر قلم پیش تو از اخبار برمک رانده اند　　پیش قرآن یاد کردن لوح ابجد کرده اند

از برای دفع کید خصم بر روزیت را　　عهد شادی با تو هر روزی موکد کرده اند

بیشک از الفاظ من یک نکتهٔ مدح ترا　　اهل معنی ورد از اسی صد مجلد کرده اند

شعر من بر صفحهٔ شعری مدون کرده اند　　نثر من بر جبههٔ نثره مجلد کرده اند

عرض می دارم بعرفان تو بر شاهان نظم　　این عروسی کز دل داناش مرقد کرده اند

گر قبول افتد از اقبالت قدر باشد رواست　　بیشتر زین رشی ابیات ممرد کرده اند

تا برین فیروزه جامه سبزپوشان هر سحر　　خط ابیض را جدا از خط اسود کرده اند

تا ابد دولت طراز جامۂ عمر تو باد | کانتظام ملک از جابت موتد کردہ اند
چون جراد منتشر با دبعزت آن گروہ | کاصل ایمان ازپے قولے مجد دکردہ اند

مذکورۂ بالا قصیدہ مین تاج الدین ریزہ نے ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم کے نثر نگار ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

شعر من بر صفحۂ شعرے مدون کردہ اند | نثر من بر جبہ نثرہ مجلد کردہ اند
نام ستارہ | نام ستارہ

اسی قسم کا دعویٰ اس نے ایک اور قصیدہ مین بھی کیا ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہین۔

مولد و منشا مین در خاک ہندوستان مرا | نظم و نثرم بین کہ برآب خراسان آمدہ است

اس کی نثر نگاری کا نمونہ تو کہیں نہین مل سکا، لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے اس کو شاعر کے ساتھ فاضلِ کامل بھی لکھا ہے، مثلاً عرفات العاشقین مین ہے:

"از صنادید قدماء و افاضل حکماست۔"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا مین لکھا ہے:

"تاج الدین از فضلاء و شعراء ہندوستان است۔"

تحفۃ الکرام کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"فاضل کامل و شاعر نامی است۔"

یہ بیانات اس بات کے ثبوت میں ہیں کہ تاج الدین ریزہ کی اعلیٰ نثر نگاری کا دعویٰ محض شاعرانہ تعلی نہیں، بلکہ واقعہ ہے۔

اس شاعر کا ذکر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

بہاء الدین علی التتمش کے امراء میں بہاء الدین علی کا بھی شمار اہل علم اور اہل ذوق میں ہوتا تھا، عوفی نے اس کا ذکر لباب الالباب مین کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "صدر" کے عہدہ پر

ممتاز تھا، عوفی نے اس کا لقب اور نام الصدر الاجل مجد الملک بہاء الدولۃ والدین علی بن احمد الجاجمی لکھا ہے، اس کے باپ کا بھی ذکر ایک مستقل عنوان کے ساتھ کیا ہے، اور اس کو صاحب الکبیر علاء الملک ملک الامرا ضیاء الدولۃ والدین والوزراء ابو بکر احمد امجاجمی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب اور اعزاز سے یاد کرتا ہے، ابو بکر احمد امجاجمی پہلے دہلی مین تھا، پھر اسفزار چلا گیا، جہان وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، وہ علماء و فضلا کا بڑا قدردان تھا، اور ان کے ساتھ اس کی فیاضی کی انتہا نہ تھی، عوفی لکھتا ہے:-

"ہمگی ہمت او تربیت فضلاء و تقویت علماء و دستگیری افتادگان و پامردی آزادگان بود، و در نوبت امارت در دہلی انچہ از بذل و احسان او کرد، تاریخ روزگار گشت و کرم حاتم و معن زایدہ و آل برمک را یک ساعۃ بذل او منسوخ گردانید" (لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۱)

عوفی نے ابو بکر احمد الجاجمی کی سخن سنجی کے نمونے بھی درج کیے ہین، اسی اہل ذوق کا فرزند ارجمند بہاء الدین علی تھا جس نے عوفی کے بیان کے مطابق جاجنگر کو کل ڈیڑھ سو سوارون کے دستہ کے ساتھ فتح کیا، حالانکہ اس کے دشمنون کی صف مین ایک لاکھ سوار، دس لاکھ پیادے اور ۰۰، ہاتھی تھے؛ لیکن بعض اسباب کی بنا پر بہاء الدین علی قید مین ڈالدیا گیا، ۶۱۲ھ مین التمتش نے تاج الدین یلدز پر غلبہ حاصل کیا، تو بہاء الدین نے اس فتح کی تقریب مین التمتش کی خدمت مین یہ رباعی گذرانی،

چون ملکِ تو شد یکے بصد بخش مرا | امید تو حق نکرد رد بخش مرا
ہرچند شفاعتم کسے می نکند | شکرانۂ این فتح بخود بخش مرا

التمتش نے یہ رباعی سنی تو خوش ہو کر بہاء الدین کو آزاد کر کے ایک خلعت عنایت کیا، اس کے بعد وہ بداؤن کا اسیرداد مقرر ہوا، عوفی اس کے بعد اس کے مختلف فتوحات کا ذکر کرتا ہے، عوفی کے بیان کے مطابق بہاء الدین علی آخر مین ناصر الدین قباچہ کے

کے ساتھ اظہار وفاداری کرکے اس کے ساتھ منسلک ہوجاتا ہے، یہاں پر ہم کو اس کی سیاسی زندگی سے مطلب نہین، بلکہ اس کے شعر و شاعری کا ذکر کرنا ہے، وہ جہان بھی رہا، شعرار کی سرپرستی کرتا رہا، اور شعرا، اس کے جود و کرم سے متمتع ہونے کے لیے اسکی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے، ایک شاعر حمید تھنند زی اس وقت اس کے دربار مین آیا جبکہ اس کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اور اس کا خزانہ خالی ہوچکا تھا، چنانچہ تھنند زی اس کی فیاضی سے سیراب نہ ہوسکا، پھر بھی وہ مایوس نہ ہوا، ایک روز بہاء الدین علی کو مست و مخمور دیکھا تو یہ رباعی پیش کی،

اے قاعدۂ دست تو زر بخشیدن	چه زر که بگنجها گهر بخشیدن
روزے صد راه چو آب گردد خورشید	از شرم کف دست تو در بخشیدن

بہاء الدین علی نے بھی اسکے جواب مین فی البدیہہ یہ رباعی کہی،

زین پیش زما بود اگر بخشیدن	هر بیتے را خاۓ زر بخشیدن
اکنون چو دل و خزینه پرگشت و تهی	ما ئیم و زبان و کبر فر بخشیدن[1]

[1] لباب الالباب ج اول ص ۱۱۱-۱۱۳، عوفی نے بہاء الدین علی کی دو رباعیان اور نقل کی ہیں، ایک روز اس کے تین حسین و جمیل ترکی غلام شکار سے واپس آرہے تھے، تو ان کو دیکھ کر یہ رباعی کہی،

میران ز شکارگه چنان می آیند	چو ماه دو هفته هر سه بس رعنایند
رخشان رخ شان بروز چون انک شب	گوئی کہ نگین کمر جوزا ایند

بنارس کا رانا اور امیر حاجب ابو بکر مبشر اس کے دشمن ہو گئے تھے، تو اس نے قطب الدین ایبک کے حضور میں یہ رباعی لکھ کر پیش کی،

پیش کار تو اے مبارک ایام	وے مقبل روزگار شادی فرجام
میسند که رانا و مبشر باشند	کز تیغ تو صد رانا مبشر نام

فخر مدبر — سلطان التتمش کی شاہانہ فیاضیون سے متمتع ہونے کے لیے اس عہد کا، ممتاز اہل علم اور اہل قلم مبارک شاہ فخر مدبر نے اپنی کتاب آداب الحرب والشجاعۃ اس کے نام پر معنون کی، اس کا ذکر ہم قطب الدین ایبک کے سلسلہ مین کر چکے ہین، اس کی یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، جنگ کے آئین وضوابط پر ہے، جس مین سلاطین و وزراء کے فرائض سے لے کر گھوڑوں کی شناخت، ان کی بیماری اور علاج کا ذکر، ہر قسم کے اسلحہ، لشکر کی خصوصیات، عرض لشکر، لشکر کی نقل وحرکت، فوجی کیمپ کے آئین، میدان جنگ کے طریقے، اسس مین فوجون کی صف آرائی، مقابلہ، مبارزت، جنگ حصار کے قواعد، فتح وظفر کے آداب، جزیہ، خراج، فوجون کی خطا و سزا، ان کے حقوق اور ان کی ورزش وغیرہ کی تفصیلات ہین، جہان فن کی اصطلاحات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں، وہاں تو اس کتاب کی عبارت مشکل ضرور ہو گئی ہے، ورنہ عام طور سے پیرایۂ بیان دلچسپ ہے، اور یہ دلچسپی تاریخوں، قصوں اور حکایتوں سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے[1]، ہندوستان مین فارسی زبان مین اس نوعیت کی کتاب شاید کوئی اور نہین لکھی گئی۔

موید جاجرمی — اس عہد کے ایک اور اہل قلم موید جاجرمی نے امام غزالی کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا فارسی مین ترجمہ کیا، اور اس کو سلطان التتمش کے نام معنون کیا، اس ترجمہ کا ایک قدیم نسخہ جناب محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے ذاتی کتبخانہ میں ہے[1]۔

گذشتہ اوراق سے اندازہ ہوا ہو گا کہ معارف نواز اور علم پرور التتمش کے دربار مین مشائخ، علماء، فضلاء، اور شعراء کی وجہ سے بڑی رونق رہی، مورخین التتمش کی سیاسی عظمت کے معترف ہین اور اس کا شمار تخت دہلی کے کامیاب ترین حکمرانون مین ہوتا ہے، لیکن اس نے اپنی سیاسی سرگرمیون

---

[1] یہ کتاب ابتک شائع نہ ہو سکی ہے، اس کے کچھ حصے اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۸ء، مئی ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئے ہیں، پروفیسر محمود شیرانی نے اگست ۱۹۳۹ء کے اورنٹیل کالج میگزین میں اس کتاب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے[2] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۸ء ص ۹

کے باوجود علم وفضل کی بھی پوری قدر دانی کی، اور علم وادب کے ارباب کمال ... جو اس کی زرپاشیاں ہوئیں وہ آگے چل کر نظیر بن گئیں۔ طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج سراج اس کے جود وسخا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ سلطان کریم قطب الدین علیہ الرحمہ بخشش لک در زمان خود ظاہر می کرد اما سلطان سعید کریم شمس الدین طاب ثراہ بعوض ہر یک لک صد لک بخشید"

ایسے حاتم وقت کے دور حکومت میں علم وادب کی جو ترقی شروع ہوئی تو وہ آئندہ برابر بڑھتی ہی گئی۔

رکن الدین فیروز شاہ

سنہ ۶۳۳-۶۳۴ھ
۱۲۳۶ء

سلطان التتمش کی وفات پر اس کی اولاد مین خانہ جنگی ہوئی، لیکن اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین
حریفون پر غالب آیا، اور تخت پر رکن الدین فیروز شاہ کا لقب اختیار کر کے بیٹھا، گو اس کی حکومت
کل سات مہینے تک رہی، لیکن تخت نشینی کے موقع پر حسب روایات تمام شاہانہ مراسم ادا کیے گئے،
شعراء نے قصیدے پیش کیے، جن مین تاج الدین ریزہ بھی تھا، اس نے ایک طویل قصیدہ پیش
کیا جس کے صرف حسب ذیل دو اشعار فرشتہ[1] اور ملا عبد القادر بدایونی نے نقل کیے ہین،

مبارک باد ملک جاودانی — ملک را خاصہ در عہد جوانی

یمین الدولہ رکن الدین کہ آمد — درش از یمن چون رکن یمانی

افسوس ہے کہ یہ پورا قصیدہ کہیں نظر سے نہیں گذرا، ان دو اشعار کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے
کہ اس چھوٹی بحر کے دونون اشعار مین شعریت بھی ہے اور موسیقیت بھی، سلطان نے اس قصیدہ

[1] فرشتہ نے ان اشعار کو نقل کرتے وقت شاعر کا نام ملک تاج الدین ریزہ دبیر لکھا ہے، اور ملا عبد القادر
نے ملک تاج الدین و دبیر تحریر کیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اپنے ترجمہ میں یہ بتایا
ہے کہ ایک نسخہ مین تاج الدین و دبیر کے بجائے تاج الدین دبیر ہے، اس لیے مترجم نے دبیر سے مراد سلطان
رکن الدین کا سکریٹری لیا ہے۔

کو پسند کیا، اور اپنے مادح کو انعام واکرام سے سرفراز کیا، فرشتہ میں ہے:-

"ملک تاج الدین ریزہ دبیر قصیدہ طویل گذرانیدہ، انعام پادشاہانہ یافت"۔ (ج ۱ ص ۶۶)

دوسرے شعراء نے بھی جلوس شاہی کے موقع پر کافی انعامات حاصل کیے، فرشتہ رکن الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"روز سہ شنبہ ثلث وثلثین وستمایہ برتخت دہلی جلوس فرمود وارکان دولت نثار وایثار بعمل آوردہ شعراء قصائد وغزل در مدح تہنیت اوگفتند و بصلات وانعام نوازش یافتند"۔ (ج ۱ ص ۶۷)

مورخین نے رکن الدین فیروز شاہ کی رندی وسرمستی کا ذکر زیادہ کیا ہے، لیکن ان باتوں سے قطع نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فطری طور پر شعروسخن کا قدردان تھا، ممکن ہے اس کے علمی وادبی ذوق کا نشوونما ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک اشعری کی صحبت میں ہوا ہو، جو اس کے ساتھ بدایوں کی اقطاع داری کے زمانہ میں اس کا وزیر بن کر رہا،[۱] وزیر عین الملک کا ذکر ہم ناصر الدین قباچہ کے سلسلہ میں کر چکے ہیں، شعراء کے ساتھ سلطان رکن الدین کی شیفتگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ نے اس کی مختصر سی حکومت کے زمانے میں اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، اور مولانا شہاب الدین مہمرہ نے بھی جنھوں نے زیادہ تر حمد اور نعت کہی ہے، اس کی مدح میں قصیدہ کہنا کوئی عار نہ سمجھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان رکن الدین کے مزاج میں سب سے زیادہ درخور تاج الدین ریزہ ہی کو حاصل تھا، اور وہ بات بات پر اس کی خدمت میں قصیدہ پیش کرتا تھا: درخور ..... کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سلطان کا دبیر (یعنی سکریٹری) تھا، سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر میں طبقات اکبری کے مؤلف کا بیان ہے:

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۲

"ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود......" (جلد اول ص ۷۴)

قصائد ریزہ
یہاں پر ہم اس کے چار قصیدوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مندرجۂ ذیل قصیدہ مین اس نے تشبیب مین ایک پوری غزل ہی لکھ دی ہے، اور اس بہاریہ تشبیب مین وہ بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے، شاید اس کی اسی قسم کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر لچھمی نرائن شفیق نے اس کے اشعار کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ یہ دور از کار تشبیہات سے خالی ہوتے ہیں۔

یہ رائے اس کے ہر قصیدہ پر صادق نہین آتی، جہان اس نے ابوالفرج رونی، انوری، اور خاقانی کی تقلید مین قصائد کہنے کی کوشش کی ہے، وہان اس نے دور از کار استعارات و تشبیہات سے بھی کام لیا ہے، البتہ ذیل کے قصیدہ مین اس نے تشبیہ بعید کے بجائے تشبیہ قریب ہی سے اپنے کلام میں اثر، جوش، رنگینی اور بلند آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے،

این راستی کہ در دل لیل و نہار یافت	مانا کہ ز اعتدال مزاج بہار یافت
با روزگار کج روش این طبع معتدل	از راستی معدلت روزگار یافت
از دست شاہ ابر تو سرمایہ گرفت	اطراف خاک از آن گہر آبدار یافت
در موسمی کہ از گل زرد و سپید باغ	سیم قراری و زر کامل عیار یافت
جانم نوای باربدی کاصل خوشدلیست	بر شاخسار بار ز الحان سار یافت
بدرید پیرہن گل سوری و نوحہ کرد	بلبل بنفشہ را چو ز غم سوگوار یافت
از ترکتاز باد صبا گشت روشنم	کین خاک تیرہ نافہ مشک تتار یافت
نرگس نشد گر از جام ابر مست	چشمش سراسر از چہ نشان خمار یافت
مانند بندہ سوسن آزادہ دہ زبان	بہر ستایش ملک کامگار یافت
آن مشتری لقا کہ در انشاد این غزل	رادی بزم او نظر زہرہ بار یافت

چشمم ز روی خوب تو چون لاله زار یافت | جانم ز تو چو حال گل و لاله زار یافت

تو ماه گل رخی و ز سودای تو چو من | ماهی در آب سینه پر از خار خار یافت

راهیست عشق تو که دل شور بخت من | آنجا قطار بختی غم بر قطار یافت

باشد خیال قد تو در چشم من مقیم | زیرا که سرو تازگی از جویبار یافت

پر شد دلم ز خون جگر چون انار لیک | پیوسته دستم از تو تهی چون چنار یافت

پیش از هزار بار در خواب زد خیال | تا در سرای وصل تو یک بار بار یافت

با دام تو بجز دلم سعی کرد و لیک | از لطف پستهٔ تو بجان زینهار یافت

با زلف تو خوش است سرم زانکه بوی مشک | از خاکپای شاه جهان یادگار یافت

ماحی کفر حامی اسلام رکن دین | کایام دشمن ملکتش استوار یافت

فیروز شاه که فیروزه گون سپهر | همواره بر سبیل مرادش مدار یافت

آن خسروی که ز آتش شمشیر آبدار | چون باد خصم را بوغا خاکسار یافت

اختر ز گرد موکب او کحل چشم یافت | گردون ز نعل مرکب او گوشوار یافت

از نیزه چو مار و سیاه چو مور او | ایام خان و مان عدو تار یافت

اسفند وار شد دل بدخواه سوخته | زین غم که شاه قوت اسفندیار یافت

بر لعبت دست او که نهال امید خلق | در بوستان دل ز نمش برگ و بار یافت

بر قیمت تیغ او که سنانش بروز حرب | بر فرق خصم بد گهر الماس بار یافت

بازیست تیر او که به منقار آهنین | در رزم جان شیر دلان را شکار یافت

دی شاه تاج بخش که بر تخت مملکت | گیتی ترا عروس ظفر در کنار یافت

اندیشه در سواحل دریای جاه تو | بسیار غوطه خورد و لی کم گذار یافت

در خواب دیدہ خصم تو خود را بلندی | تعبیر آن بدیدۂ بیدار وا ریافت
شاہا جوان پیر چو بخت جوان نو | زیب و فر از عنایت پروردگار یافت
اکنوں مئے طلب کہ دل آب حیات را | در عالم حقیقت از ان مستعار یافت
بہر عروس مدح تو چرخ زبرجدے | از نظم بندہ عقد در شاہوار یافت
فخر است از ثنائے توام گرچہ کلک من | دیر است کز نوشتن اشعار عار یافت
شد در دمن ز غایت اخلاص مدح تو | زین شیوہ عقل فاتحۂ روزگار یافت
از حکم تو گریز مبادا زمانہ را | زیرا زمانہ حکم ترا حق گزار یافت
از طلعت تو دیدۂ عالم قریر باد | کز خنجر تو عرعۂ عالم قرار یافت

تاج الدین ریزہ نے فیروز شاہ کی شان مین ایک قصیدہ اُس بحر، قافیہ اور ردیف میں کہا ہے، جس مین ظہیر فاریابی نے صدر جہان شرف الملک تاج الدین کے لیے ایک مدح کہی تھی، تھوڑی سی طوالت ضرور ہو گی لیکن ناظرین پہلے ظہیر فاریابی کے اس قصیدہ کے چند اشعار پر ایک نظر ڈال لین:

شاہا در تو قبلۂ شاہان عالم ست | گردون ترا مسخر و گیتی مسلّم ست
ہم چشم مہر و ماہ بروے تو روشن ست | ہم جان جن و انس بیاد تو خرم ست
ہرگز نزاید از تو گرا نمایہ تر گہر | زان آب و گل کہ مایۂ ترکیب آدم ست
بنمود خنجر تو در احیاے ملک دین | آن خاصیت کہ در دم عیسیٰ مریم ست
از دین مصطفےٰ رمقے ماندہ بود و بس | امروز زندہ کردۂ شاہ معظم ست[۱]
صد کاسہ انگبین ز یک ذرہ بس بود | زان تلخی کہ در بن دندان ارقم ست[۱]

---

[۱] منقول از قصائد ظہیر فاریابی، نولکشور پریس ۔ ص ۱۰۲ - ۱۰۱

ظہیر کے پیشرو انوری نے بھی اپنے ممدوح عماد الدین فیروز شاہ فاتح بلخ کی مدح میں اس بحر، قافیہ اور ردیف میں ایک قصیدہ کہا ہے، اس کے بھی دو چار اشعار ناظرین ملاحظہ فرمائیں:

کز ورائے پنج گردون دہ یکے زان خاصیت | مشتری را در صدوسی کز عمامہ معلم است
تاکہ از دوران دائم در خم سقف فلک | آن سعادت باد کش ہنیرم بران این خم است
می ندانم گفت خرم باد عیدت کو چرا | زانکہ خرد عید دیدہ گیتی از وجودت خورم است
رایت عمر تو بر بام بقا بادا گذر | طرۂ شب نیزہ وفوج زمان را پرچم است[1]

یہ قافیہ، ردیف اور بحر قصیدہ نگاروں میں غالباً بہت مقبول اور مرغوب تھی، اس لیے تاج الدین ریزہ نے بھی اس میں قصیدہ کہکر اپنی جولانی طبع کا ثبوت دیا ہے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں پورے طور پر کامیاب ہوا ہے، لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس کو الفاظ کی بندش میں، تراکیب میں اور خیال آرائی میں ان دونوں استاذۂ فن کے کلام سے بڑی مدد ملی ہے، اب اس کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

ساقی بیار بادہ کہ نوروز عالم است | روز خجستہ چون رخ شاہ معظم است
در جسم خاک تعبیہ کردہ است باد روح | گوئی کہ باد چون دم عیسی مریم است
شد مشک بوئے صحن چمن از دم صبا | آرے در اصل مشک چو بےسنگریں دم است
قوت گرفتہ نامیہ از نم عجب مدار | زیرا کہ طفل نامیہ را شیر از نم است
جام جہان نمائے شمر غنچۂ لالہ را | کاطراف بوستان زخوشی مجلس جم است
در نوبت چنین کہ قدوم ربیع را | ورد زبان خلق ہمہ خیر مقدم است
بر خستگان پنجۂ زخم سمن بران | در چار سوئے یاسمن تازہ مرہم است

[1] منقول از قصائد انوری، قلمی، مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ،

گر ظلم چرخ نیست بر آزادگان چرا — هم سرو پای بسته و هم سوسن ابکم است (گنگ)

از فصل گل چو موسم سور است باغ را — آخر چرا بنفشه نشسته بماتم است

بگذار این حدیث درین باب دم مزن — کین فصل وقت رطل شراب دمادم است

آن لعل می ز خاک سیه در ده و مگوی — کین ست آن کس ست کز نسل او هم است

می اشک چشم دختر تاکست یا مگر — خون پسر چکیده ز شمشیر رستم است

ماه است جام باده که دورش مدام باد — در ماه نیست از چه خطابش محرم است

هنگام خرمیست نه از اعتدال طبع — از عدل شاه عرصهٔ آفاق خرم است

فیروز شاه کعبهٔ اقبال رکن دین — کز خاکپای او اثر آب زمزم است

شاه فرشته خوی که نامش زمانه را — از بهر دفع دیو ستم حرز اعظم است

نالنده نیست هیچ در ایام عدل او — در نیز هست پردهٔ زیر است یا بم است

گفتم زمانه را که زمین زیر حکم اوست — گفتا برو چه جای زمین آسمان هم است

بر پیل و اسپ نوبتی بارگاه او — از مهر آئینه است و زمه طاس پرچم است

در زیر طوق طاعت او سر آسمان — گردون نهاده راست چو کلب معلم است (سگ تعلیم یافته)

اندر حریم پردهٔ دوشیزگان غیب — رایش ز راستی گه و بیگاه محرم است

کار جهان بواسطهٔ تیغ گوهرش — پیوسته مثل عقد ثریا منظم است

زخم زبان نیزه خطیش روز جنگ — در کام بدسگال چو دندان ارقم است

ای خسروی که قاعدهٔ کبریای تو — چونانکه قصر پوشش افلاک محکم است

در پیش خدمت تو چو ابروی دلبران — پشت ملوک روی زمین جمله در خم است

چون از نسیم باد سر زلف نیکوان — بدخواه خاکسار ز بیم تو در هم است

اندر ہوائے جود ہمائی است ہمتت — کش آشیانہ برتر ازین سبز طارم است

بحر و کف تو ہر دو ز یک جنس آمدند — زان روے بحر در کف راد تو مدغم است

از رشک چتر لعل تو در تاب می شود — خورشید کو نگینہ فیروزہ خاتم است

قدرت بر اختران چو برفعت جدل زند — گویند جملہ مجلس عالی مسلّم است

نزدیک من ز غایت اخلاص مدح تو — چون فاتحہ ہمیشہ عزیز و مکرم است

خواہم کہ بیشتر سپرم راہ بندگی — با آنکہ التفات تو سوی رہی کم است

تو شاد زی مقیم کہ از فرد دولتت — قسم حسود تست اگر در جہان کم است

فرمان تو چو آب روان باد در جہان — تا جرم خاک را شرف از نسلِ آدم است

تاج الدین ریزہ نے ایک منظوم فریاد بھی اپنے ممدوح سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت مین پیش کی، اس کو پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے ساتھ ناخوشگوار رویہ اختیار کر رکھا تھا، اور شاید اس کو زد و کوب بھی کیا تھا، گو وہ خود کہتا ہے کہ اس کی طبیعت مین نرمی، شائستگی اور مٹھاس ہے، پھر بھی کوئی اس کا دشمن ہو گیا، اسی کی فریاد لیکر سلطان کے دربار مین حاضر ہوا تھا، اور غصہ میں کہتا ہے کہ اگر سلطان نے اس کی فریاد نہیں سنی تو وہ بغداد جا کر امیرالمومنین کے حضور میں شکایت کرے گا۔ اور اپنے آنسوؤں سے ایک نیا دجلہ جاری کرے گا۔ اگر اس کی شنوائی وہان بھی نہ ہوئی تو خانہ کعبہ جا کر اور پردۂ کعبہ پکڑ کر گریہ و زاری کرے گا، لیکن پھر خود ہی کہتا ہے کہ یہان وہان جانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی، کیونکہ سلطان رکن الدین والدنیا خود ہی عدل پرور ہے، اس قصیدہ مین شاعر کے غیظ کے ساتھ کچھ شوخی بھی ہے، اس سے پہلے یہ کہا جا چکا ہے کہ اس کو سلطان کے مزاج مین بڑا درخور حاصل تھا، یہ فریاد ذیل میں درج کی جاتی ہے،

بفریاد آمدم این جا بفریاد — مگر شاہ جہان دادم دہد داد

ز دست آن سگ روباہ دستان   کہ شیطان سیر تست و آدمی زاد

چہ گویم انچہ من دیدم ازان جنس   جز اینها و دیدۂ دشمن مبیناد

مرا کز لطف طبعم در محافل   بشاگردے چو من نازاید استاد

عروس بکر معنے را زمانہ   ز من شایستہ ناورد داماد

شکر چینند ز الفاظ و خطا من   ہر آن نوشین لبے کاید ز نوشاد

چو بر بستر فتادم مشتری گفت   کہ یارب این عطارد راہ افتاد

چرا باید کہ چوب ہر خسیسم   سر و تن بشکند چون زلف شمشاد

اگر دادے نیابم این ستم را   روم زین خاک خون آشام برباد

ز آب چشم امیر المومنین را   نمایم دجلۂ دیگر بہ بغداد

ازو این ظلم را انصاف خواہم   اگر او ہم بخواہد داد او داد

روم در پردہ کعبہ زنم چنگ   کنم چون زیر و بم زاری و فریاد

ولے دانم بدین حاجت نباشد   کہ ہم عادل شہے داریم و ہم راد

شود این محنت و رنجم فراموش   اگر شاہ جہان آرد ز من یاد

مدار عدل رکن الدین و دنیا   کہ ملک از وی گرفت احکام بنیاد

ز شست سلکش در چشم گردون   چو مہر و مہ سپر ہفتاد و ہشتاد

زہے شیر افگنی کز بیم تیغت   چو روباہے شود گرگین ز میلاد

برائے بندگیت آوردہ در خم   سلاطین قامتے چون سرو آزاد

بدور دولتت مستان خرابند   وگر عالم سراسر ہست آباد

اگر گوہر نماند بہر بخشش   بر آرے گوہر از شمشیر فولاد

اگر خاکِ درت چون زعفران نیست | چرا لبہا کند خندان و دل شاد
حسودت را چو گل برداشت گیتی | دلیک از رنجِ تو خارش بنہاد
بآن درخسروے تا بر زبانہا | سخن از عشق شیرین ست و فرہاد
ولایت ہر غلام کمترت را | ز محمود و ز سنجر بیشتر باد

سلطان رکن الدین کی تعریف و توصیف مین تاج الدین ریزہ کا ایک اور طویل قصیدہ ہے، جس پر اس کو فخر و ناز تھا، کیونکہ اسی قصیدہ میں کہتا ہے،

ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چو من از اشعار تر آبِ روان آوردہ ام
گوہر منظوم را بیقدر گردد چو سنگ | ہر دُرِ منثور کز بحر بیان آوردہ ام

اپنے کلام کی فصاحت اور شیرینی پر تعلی کرتا ہے،

طوطی فضلم فصیحانِ عرب در رشکِ من | زین شکر باری کہ در ہندوستان آوردہ ام

پھر دربار کے تمام شعراء کو تحدی کرتا ہوا کہتا ہے کہ کوئی اس کے ٹکر کا شعر نہین کہہ سکتا،

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت | نقش شادر روزی بدین کاغذازان آوردہ ام
تا کنند ایشان مگر زین گونہ بیتے را بہ بیت | این قصیدہ بہ سبیل امتحان آوردہ ام

شاعر کے اس پندار و غرور کے بعد اس کا یہ طویل قصیدہ ملاحظہ ہو، اس مین شک نہین کہ اس کے اور قصیدون کے مقابلہ مین اس قصیدہ مین فصاحت اور حلاوت زیادہ ہے،

این منم کز دیدہ یاقوتِ روان آوردہ ام | بیدلان را از سخن قوت روان آوردہ ام
ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چون من از اشعار تر آب روان آوردہ ام
عارض سیمینِ کاغذ را خط مشکین دہد | کلک زین پیکرے کاندر بنان آوردہ ام
گوہر منظوم را بے قدر گردد چو سنگ | ہر در منثور کز بحر بیان آوردہ ام

تیر چرخ از من سپر انداخت با تیغ زبان
چون زبان تیغ شه گوهر فشان آورده ام

شاه گنج شایگان می بخشد این لفظت بس
کز میان شعر جای شایگان آورده ام

لیک این جنس از بضاعت بود نادر در جهان
کز پی سودای آن عمری زیان آورده ام

چهرهٔ شادی ندیدم عکس خاصیت مگر
گرچه از رخساره چندین زعفران آورده ام

چرخ در هر مجلسی چون دست جنگی زخم زد
زین سبب چو نای حلقه پر فغان آورده ام

گیتی زال از جفا بسیار دستانم نمود
تا ز دستش پیش شاه این داستان آورده ام

یاردیباردی پشتم داد و من در هجر او
از نحیفی تن چو تار پرنیان آورده ام

تا چه تیر از شست بیرون جست وی از بزم او
قامت از درد جدائی چون کمان آورده ام

در فراق آن بت بادام چشم و بسته لب
از رخ آبی وز دیده ناردان آورده ام

بی حسی در باب من بی جاده فصلی گفت شاه
در گمان شد رخ ازان بیجاده سان آورده ام

از کمال علم بر روی آشکاره آمده است
هرچه در گنجینهٔ سینه نهان آورده ام

کانچه حاسد گفت از راه مسلمانی نبود
کافرم در خاطر از فکر چنان آورده ام

در زبان خاص و عام افتاده ام همچون سخن
آن سخن کو عرضه کرد او بر زبان آورده ام

لیک چون حلم شهنشه در میان آمد چه باک
خود چنان پندار جرم بیکران آورده ام

نی ببوی مرحمت ما را رجا از شهریار
پیش لطف شهریار مهربان آورده ام

بر امید رافتش تا خصم نادان جان کند
در دل دانا یقین بیگمان آورده ام

طوطی فضلم فصیحان عرب در رشک من
زین شکر باری که در هندوستان آورده ام

عندلیب آسا نوای خسروانی می زنم
خاصه کاکنون روی سوی بوستان آورده ام

بوستان آستان عرش سای خسرو است
چون همه برگ و نوا زین آستان آورده ام

از دل و دم در هوای خاک بوس آن جناب — آذر آذار و باد مهرگان آورده ام

چون نهم سر در زمین این جا چنان دانم که پای — از ره رفعت به اوج آسمان آورده ام

کامران گردم بمانند زبان بر هر مراد — بر زبان چون مدح شاه کامران آورده ام

پیل بالا زر فشاند بر پی اسپم ملک — رخ چو سوی حضرت شاه جهان آورده ام

شاه شیر افگن که گیتی گفت در اسلام اوست — هر حکایت کز در فش کاویان آورده ام

کعبهٔ اقبال رکن الدین که گوید آسمان — آستانش ثانی رکن یمان آورده ام

خسروی کو را روا باشد بوجه افتخار — گر بگوید کز کف و دل بحر و کان آورده ام

کافران را از هر آسانی هراسان کرده ام — اهل ایمان را مدام اندر امان آورده ام

ربع مسکون جهان یبر از سرتا بپای — زیر دست از قوت بخت جوان آورده ام

خاتم ملک سلیمانی در انگشت من است — لاجرم در خطِ فرمان انس و جان آورده ام

تا هلال رایتم طالع شد از تاثیر آن — شخص خصمان را گذار آن چون کمان آورده ام

فتنه اندر خواب غفلت رفت تا گرد جهان — دیدهٔ بیدار دولت پاسبان آورده ام

گرد خیلم کز جوی جای رسیده است آن مقام — از بلا ایمن چو راه کهکشان آورده ام

از تن دشمن بزخم خنجر نیلوفری — صحن هیجا را برنگ ارغوان آورده ام

بدسگال از تنگ دل آمد مرا نیکوتر است — کز دلش تیغ یمانی را فشان آورده ام

تا بخاطر در نیارد خار خارِ روی گل — گل بچشم حاسد از خار سنان آورده ام

گنبد فیروزه میگوید ز فرِ نام اوست — در جهان هر جا که فیروزی نشان آورده ام

فتح می گوید که دل در کار او زان بسته ام — کز غبار مرکبش اکسیر جان آورده ام

عقل گوید پایهٔ قدرش بدستم نامد است — گرچه از نه بام گردون نردبان آورده ام

از پے تحسین تیر شس عندلیب ناطقہ — گفت چون زاغ کمان زہ در دہان آوردہ ام

ہمتش گفت آن نمایم کز علو منزلت — بر فراز نسر طائر آشیان آوردہ ام

حکم او گوید کہ از مہ نعلِ زرین بستہ اند — نقرہ خنگ چرخ را تا زیر ران آوردہ ام

چتر دارش گفت در دستم سپہری دیگر است — کا فتاب مملکت را سایہ بان آوردہ ام

ظلم گفت از روز عدلش زار گشتم حزم را — می توان گفتن کہ شخصِ ناتوان آوردہ ام

چرخ صوفی جامہ گوید از بزرگی ہرچہ بود — با غلامانش بجزدہ در میان آوردہ ام

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت — نقش شا در رزی بدین کاغذان آوردہ ام

تا کنند ایشان مگر زین گونہ بیتے را بہ بیت — این قصیدہ بر سبیلِ امتحان آوردہ ام

دین حکایتہا کہ گفتم از پے بخت بدست — تا نہ پنداری شکایت از فلان آوردہ ام

روے بر خاک درت کان کحل چشم اختر ست — بہر آب روئے نہ از بہر نان آوردہ ام

چشم می دارم کہ یابم ابروے از دولتت — چون بیان خلق جودت را ضمان آوردہ ام

خواستم گفتن دعا لیکن چہ گویم چون قضا — گفت ملکت را بقاے جاودان آوردہ ام

ممکن ہے ان مختلف قصائد کی طوالت سے ناظرین کو کچھ گرانی محسوس ہورہی ہو، لیکن ان کے نقل کرنے کا مقصد نہ صرف ان کے محاسن کو دکھانا ہے، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی کہا جاچکا ہے اس شاعر کے بکھرے ہوئے کلام کو یکجا جمع کرنا بھی ہے، اب تک اس کا جتنا کلام نظر سے گذرا ہے اس کو دیکھکر کم از کم یہ تو یقینی طور سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا، جس نے نہ صرف سلیس، رواں، شگفتہ اور برجستہ قصائد کہے، بلکہ اساتذۂ فن مثلاً ابوالفرج رونی، انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں قصائد کہہ کر اپنی سخن وری اور جدت طبع کا ثبوت دینے کی بھی کوشش کی۔

عرفات العاشقین کا مؤلف رقمطراز ہے کہ تاج الدین اپنے عہد کا سب سے زیادہ ممتاز

شاعر تھا،

"درزمان خود از ہم گنان ممتاز و در دانش چون سرفراز بوده، سر ہمتش بر فرق

فرقدان آسوده، وبپائے رفعت تارک کیوان پیموده"

اس مین شک نہین کہ وہ اپنے معاصر شعراء سدید الدین محمد عوفی مؤلف لباب الالباب و جوامع الحکایات، صدر الدین محمد نظامی مؤلف تاج المآثر، منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری، روحانی اور ناصری سے تو یقیناً بہتر شاعر ہے، لیکن کیا اس کو اپنے عہد کے شہاب الدین مہمرہ، اور فخر الملک عمید تولکی پر بھی فضیلت حاصل تھی، اس کا فیصلہ ناظرین خود فرمائین گے جب ان موخر الذکر شعراء کا کلام ہم ان کی خدمت مین پیش کریں گے۔

انجام ریزہ سلطان رکن الدین کے عہد سلطنت کے بعد تاج الدین ریزہ کے حالات نہیں ملتے، شاید سلطان رکن الدین کے قتل کے ساتھ اس کا ستارۂ اقبال بھی ماند پڑ گیا،[1] اس کی زندگی کا انجام دردناک بتایا گیا ہے، کسی تذکرہ نویس نے تو نہین لیکن شرح مخزن اسرار مین محمد بن قوام نے لکھا ہو کہ

"تاج ریزہ را پیش پائے پیل انداختند"[2]

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آخر کس سلطان نے کس جرم میں اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا، مگر اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ غیاث الدین بلبن کے شروع عہد مین زندہ تھا، کیونکہ جب بلبن نے مولانا شمس الدین خوارزمی کو شمس الملک کا خطاب دے کر مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا، تو تاج الدین ریزہ (یا سنگ ریزہ) نے ان کی مدح مین ایک قصیدہ کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

[1] اورینٹل کالج میگزین (نومبر ۱۹۳۴ء) کے ایک مضمون نگار نے معلوم نہیں کس حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان رکن الدین کی حکومت کے آخری زمانہ مین جب فتنہ و فساد کا طوفان امڈنے لگا تو سلطان نے جان بچا کر کچھ امرا کے ساتھ دہلی سے پنجاب کی طرف رخ کیا، اسکے ساتھ تاج الدین ریزہ بھی تھا، لیکن جب اور امرا نے سلطان کی رفاقت چھوڑ دی تو ریزہ بھی دہلی لوٹ آیا۔

[2] نیز دیکھو رسالہ اسلامک کلچر جولائی ۱۹۴۰ء، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء

شما کنون بکام دل دوستان شدی — مستوفی ممالک ہندوستان شدی[۱]

شہاب مہمرہ

پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے قصیدہ نگاروں میں مولانا شہاب الدین مہمرہ بھی تھے، مولانا شہاب الدین مہمرہ بدایون کے رہنے والے تھے، جو ہر زمانہ میں مشائخ، علماء، اور شعرا کا بہت بڑا مرکز رہا، ان کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین تھا، جن کے نام کا جزء بھی مہمرہ یا متمرہ تھا، منتخب التواریخ (مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی) میں مولانا شہاب الدین کے اسم گرامی کے ساتھ مہمرہ ہی مرقوم ہے[۲]، لیکن مجمع الفصحاء، (مؤلفہ رضا قلی خان) میں ہے کہ وہ مداران کے رہنے والے تھے، اور مداران کو ہندوستان کا شہر بتایا ہے، لیکن مداران بداؤن کی غلط کتابت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح مہمرہ کو بھی کاتب نے متمرہ لکھدیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریز مترجم جارج رینکنگ نے مجمع الفصحاء کی سند پر متمرہ ہی کو صحیح سمجھا ہے[۳]، اور تذکرہ نویسوں مثلاً مجمع النفائس، عرفات العاشقین، گل رعنا اور مخزن الغرائب کے مؤلفوں نے مہمرہ ہی لکھا ہے، کسی تذکرہ نویس نے متمرہ یا مہمرہ کی تصریح نہیں کی ہے، البتہ نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحئی نے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین المہمر وی البدایونی لکھا ہے[۴]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمرہ کسی جگہ کا نام ہے، جہاں سے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار یا ان کے آبا و اجداد ہجرت کر کے ہندوستان آئے، اور بدایون میں سکونت پذیر ہوئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مہمرہ کس ملک کا قصبہ یا قریہ ہے، محمرہ (حائے حطی کے ساتھ) مکہ کے قریب ایک قریہ کا نام بھی ہے، مولانا شہاب الدین عربی کے بہت بڑے عالم تھے، اگر ان کی عربی دانی کی وجہ سے ان کو عربی النسل قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ ان کا خاندان محمرہ ہی سے آیا ہو،

۱۔ سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵، سیر الاولیا میں بھی یہ شعر درج ہے لیکن شما کے بجائے صدرا ہے (ص ۱۰۵) ۲۔ منتخب التواریخ ج ۱ ص

۳۔ رینکنگ ج ۱ ص ۹۹ حواشی ۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۹ میں المہمروی کے بجائے المہمری ہونا چاہیے، شاید "و" کتابت کی غلطی سے بڑھ گیا ہے، کیونکہ عربی اور فارسی میں صرف یائے نسبت ہوتی ہے، واو نہیں ہوتا،

افلاطون زماں

انکے حالات زندگی بہت زیادہ نہیں ملتے، امیر خسرو نے ان کے متعلق جو خیالات جابجا ظاہر کئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر، بلکہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم وفاضل بھی تھے، اور اپنی فلسفہ دانی اور حکمت کی وجہ سے بقراط وقت اور افلاطونِ زمانہ کہلاتے تھے، الٰہیات، طبعیات، ریاضیات، معقولات اور منقولات سب میں ید طولیٰ حاصل تھا، فقہ میں "مبسوط" اور حکمت میں "اشارات" پر بڑا عبور رہتا، ان کے بارہ میں امیر خسرو اپنی مثنوی "ہشت بہشت"[1] میں فرماتے ہیں:

چرخ چون راست کرد دستارش	بست عزّ الٰہی بہ سر تارش
گر کند سوے آن عمامہ نظر	مشتری رافتد عمامہ زسر
حکمتش داد از بس افزونی	ملک بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش نہ درحد کس	حد او ہم الٰہ داند و بس
در طبیعی شناختہ بتمام	راز مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک صریر قلم	باز کردست گوشِ جذر اصم
عقلیش از قیاس عقل برون	نقلیش از مقامِ نقل فزون
دُرِّ مبسوط در یکے مشتش	صد اشارات در ہر انگشتش
ہرچہ در دہر نقشِ دانائی ست	دلی او را بران توانائی ست
او چو ابر کرم بغرق جہان	زیر کان چون صدف کشادہ دہان

اعجازِ خسروی[2] میں امیر خسرو کے کچھ خطوط مولانا شہاب الدین کے نام بھی ہیں، ان میں سے ایک عربی میں ہے، اور ایک خالص فارسی میں جس میں عربی کا ایک لفظ بھی نہیں، عربی مکتوب میں مولانا شہاب الدین کو امام کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے جس سے شاید امام العلماء والفضلاء مراد ہو،

---

[1] مثنوی ہشت بہشت مطبوعہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ پریس ص ۲۲۶ [2] اعجاز خسروی نولکشور پریس، رسالہ ثانیہ ص ۱۷۰ و ۱۷۲

فنِ شاعری مین بھی مولانا شہاب الدین کو درجۂ کمال حاصل تھا، غرۃ الکمال مین امیر خسرو نے ان کو "سلیمان ممالک سخن" کہا ہے، اور وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ لوگ ان کے کلام کو دیوانہ وار سنتے ہین، اگرچہ انھون نے اپنے کلام کو مدون نہین کیا،

"شہاب الملت والدین کہ شہاب فلک از آتش طبع او صد بار دیوان خود را سوختہ است کہ اگر آن سلیمان ممالک سخن را عزیمت جمع کردن، دیوان بودے، این معنی را جان رفتہ در تن حاضر گردانیدے، و امراء القیس چون قیس مجنون گشتے ہر شعر بلند شہابے آسمانے است بر کواکب خلق دیوانۂ آن بعضے شیاطین می نہند و استراقی می کنند، از سرقۂ ایشان خدائے نگاہ دارد"

ایک اور موقع پر رقمطراز ہین:-

.... مولانا شہاب الحق والدین .... آن شہاب ثاقب کہ در لطافت طبع آتش بارہ ایست و در دل شب روشن از انوار غیب خبر آرد و صد ہزار انجمن را گرم دارد، تا جانے از و عقبش گردد"

ہشت بہشت مین مولانا شہاب الدین کی شاعری کی تعریف مین رطب اللسان ہوتے ہین اور ان کو عربی زبان کے مشہور شعراء بحتری اور ابو تمام سے افضل قرار دیا ہے، اور غایت تعریف مین فرمایا ہے کہ مولانا شہاب کے اشعار خانۂ کعبہ کے بجائے بہشت مین آویزان کیے جانے کے لائق ہین، امیر خسرو کی گلفشانی ملاحظہ ہو،

او شہاب و دل و تنش ز اخیار	نیرین مشارق الانوار
از تمام فنون و فضل تمام	غیرت بحتری و بو تمام
گاہ تحریر گر بہ بیت عتیق	یافت اشعار نازیان تعلیق
شعر او را کہ مطلع نور ست	جائے تعلیق بیت معمور است

کسی تذکرہ نویس نے اس پیکر علم وادب کی ولادت ووفات کا سنہ نہین لکھا ہے، ابھی حال ہی مین ڈاکٹر اقبال حسین نے اپنی کتاب "Early Persian poets of India" مین امیر خسرو کے دیباچہ غزۃ الکمال کے حسب ذیل فقرہ

"مولانا شہاب الدین مہمرہ و مولانا بہاء الدین بخاری کہ ہر یکے بستان علم را بلبلے بودہ اند"

سے یہ قیاس کیا ہے کہ وہ غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھنے یعنی ۶۹۵ھ سے پہلے وفات پاچکے تھے، میرے پیش نظر غزۃ الکمال کا ایک کرم خوردہ نسخہ ہے جس کے بعض اوراق جابجا سے پھٹ گئے ہین، اس لیے اس فقرہ پر نظر نہیں پڑی، لیکن ڈاکٹر اقبال حسین نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت سے بعض ایسے اشعار بھی نقل کیے ہین، جن مین امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کیا ہے، ان ہی اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے مثنوی ہشت بہشت کو بہ نظر اصلاح دیکھا تھا، یہ مثنوی ۷۰۱ھ مین لکھی گئی ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا شہاب الدین ۷۰۱ھ تک بقید حیات تھے، ان کی تاریخ ولادت تو معلوم نہین، لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین ان کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جو انھون نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت مین پیش کیا تھا، یہ سلطان ۶۳۳ھ کے اخیر مین کل چھ سات مہینہ کے لیے تخت پر بیٹھا، ظاہر ہے کہ قصیدہ پیش کرتے وقت مولانا شہاب الدین کی عمر کم از کم پندرہ سال کی ہوگی اور اس حساب سے وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد مین پیدا ہوئے ہون گے، مثنوی ہشت بہشت کی اصلاح کے وقت ان کی عمر اسی اور نوے کے درمیان ہوگی، امیر خسرو کا سن اس مثنوی کے قلمبند کرتے وقت پچاس سال کا تھا، ظاہر ہے کہ امیر خسرو نے ادب و احترام کا اظہار کرنے مین مولانا شہاب الدین کے سن و سال کی بزرگی اور ان کے علم و فضل دونون کا لحاظ رکھا ہوگا،

جدت طرازی اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنا پر یہ قیاس ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے سلطان رکن الدین کی خدمت مین اپنی بہت کمسنی کے زمانہ مین حسب ذیل قصیدہ پیش کیا، اس مین اہم اشعار ہین، ہر شعر مین کرگ (گینڈا) گرگ (بھیڑیا) پیل اور شیر کے الفاظ لائے گئے ہین، اور ان ہی چارون الفاظ کی رعایت سے پورے قصیدہ مین صنعت گری کی گئی ہے، مولانا شہاب الدین نے اس کمسنی مین اس غیر معمولی قادر الکلامی اور جدت طرازی کا جو اظہار کیا وہ گویا ان کے بحر العلوم ہونے کا پیش خیمہ تھا، طوالت کے خیال سے ہم اس قصیدہ کے چند ہی اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

ہر زمان این کرگ و گرگ و فیل و شیر طفل خوار — آن کند با من کہ پیل و گرگ وقت کارزار

آسمان پیل گون مالد تنم را گرگ سان — روزگار شیروش صبرم ربا ید گرگ دار

زور کرگم نے و با من تند پیل آسمان — شیر مردی می کند چو کہنہ گرگ روزگار

پیل با کرگ آن نکرد و گرگ با میش آنچہ کرد — شیر چرخ از جور با این شخص چون موے نزار

حیلت گرگ است و زور کرگ با شیر فلک — زان ہمیشہ بر دل مین در وبارد پیل بار

سلطان کو مخاطب کرکے کہتے ہین:

خسروا مدح تو گرگ و کرگ و شیر و پیل — گشتہ ام نادر بنام صاحب چرخ اقتدار

پیل تن شیر افگن گر زت اگر خواہد دہد — گرگ را چون دم کرگس بر سر گردون قرار

آن وزیرے کز برائے گوشمال گرگ چرخ — دل نہادہ ہمچو کرگ و پیل و شیر از اضطرار

آخر کے اشعار یہ ہین:-

پیل بخشا در بداؤن باید م ویرانہ — گرچہ جائے گرگ و کرگ و شیر باشد این دیار

تا کہ شیر و پیل باشد در صحابت ہم قدم — تا کہ گرگ و کرگ باشد در کتابت یک شعار

خصم گرگ افسونت اے کرگ افگن و پیل استناد — باد پیش شیر دلہیزت میان خاک خوار

ہمچو شیر و پیل دگرگ دگرگ درگہ ما بہا دشمنان بے جان شدہ بر آخر سنگین قطار

اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے مجمع النفائس کے مولف نے لکھا ہے کہ

"چنین قصیدہ گفتن بالقوہ دیگرے نیست"

اور یہ رائے صحیح ہے، گو آج کل کے ارباب ذوق کے لیے لزوم مالا یلزم کی مذکورۂ بالا مشکل صنعت مین کوئی شاعرانہ دلکشی نہین۔

استاد خسرو کسی اور سلطان کی مدح مین ان کے کسی اور قصیدہ کا کہین ذکر نہین، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ بادشاہون کی مناومت پسند نہین کرتے تھے، اور جب ان کے علمی کمالات کی شہرت ہر طرف پھیلی تو ارباب علم خود ان کے گرد جمع ہو گئے، اور وہ سرچشمۂ فیض بن کر سب کو سیراب کرتے رہے، اس زمانہ کا مشہور اور ممتاز شاعر ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی ان کو استاد کے لقب سے یاد کرتا ہے،[1] سلک السلوک اور طوطی نامہ کے مشہور مؤلف حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی ان کے شاگردون مین تھے،[2] امیر خسرو نے اپنی غیر معمولی خداداد استعداد و صلاحیت کی بنا پر کسی کو اپنا استاد بنانا پسند نہین کیا، شروع مین بطور خود کہتے رہے، پھر کسی استاد سے مشورہ لینے کے بعد بجائے اساتذہ کے دواوین کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے لیکن جب سخنوری و زمزمہ سنجی کے شباب پر پہنچے تو مولانا شہاب الدین کو اپنا کلام دکھانے لگے، جو مولانا شہاب کی علمی و ادبی فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت ہے، اپنی مشہور و معروف مثنوی ہشت بہشت کے خاتمہ مین امیر خسرو نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش او بہ اصلاح راندہ خامۂ خویش

دیدہ ہر نکتہ را رقم بر قم رنج بر خود نہادہ و منت ہم

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، [2] نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۶۹

نظر تیز کرد موئے شگاف | نے بہ بہا نظارۂ گزاف

امیر خسرو کا بیان ہے کہ مولانا شہاب نے دشمن بن کر اس مثنوی کی غلطیاں دیکھیں، گو دوستون کی طرح اس کو پسند بھی کیا،

گرچہ چون دوستان پسندیدہ | لیکن از چشم دشمنان دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود | دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چو دشمنان درین دفتر | تا ہمہ عیب آمدش بنظر
چون ہمہ عیب دید دشمن وار | مشست چون دوستان آئینہ دار
کلک او تیر راست را بگماشت | کہ درین روضۂ آہوئے نگذاشت

پھر بڑی صفائی سے اقرار کرتے ہین :

شمع من یافتہ ضیا از وے | مس من گشتہ کیمیا از وے

امیر خسرو مولانا شہاب کی بتائی ہوئی غلطیون کو ادب سے قبول کرتے تھے کہتے ہین :-

ہرچہ او گفت من نہادم گوش | بر کشیدہ مگس ز شربت نوش
وانچہ بنمود و من بجستم پے | عیب آن بر من ست نے بروے
گر بماندہ ز دشنہ اش جائے | بے خسے نیست ہیچ دریائے

ان اشعار کی بنا پر مولانا شبلی لکھتے ہین کہ امیر نرے مقلد نہ تھے، جہان ان کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہین آتی تھی، وہان استاد کی رائے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے، ع :-

عیب آن بر من ست نہ بر دے

آخری اشعار مین بھی مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی مثنوی کو ختم

کر دیتے ہین جن سے بقول مولانا شبلی یہ معلوم ہوتا ہی کہ ان کی پانچون مثنویان شہاب کی اصلاح دادہ ہین،

صد ہزار آفرین بر آن دل پاک	کہ برون برو زین چمن خاشاک
انچہ او دید تا نہایت دید	خس و خارے ز گلشنے برچید
آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہان	ہم نہان دار دش خداے جہان
یارب او چون ز پنج نامۂ من	بردہ بیرون خطاے خامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد	در قیامت خط امانش باد

ان اشعار کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ خود امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو اپنا مشفق استاد تسلیم کیا ہے اور ان کو اپنی شمع شاعری کا منور کرنے والا اور اپنے مس خام کو کندن بنانے والا بھی قرار دیا ہے۔

شمع من یافتہ ضیا از وے	مس من گشتہ کیمیا از وے

چنانچہ مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ کیا عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کے دامنِ تربیت مین خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہو، آج اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں[1]

لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) نے اپنی محققانہ اور فاضلانہ کتاب دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو مین مولانا شہاب الدین مہمرہ کو امیر خسرو کا استاد تسلیم نہین کیا ہے چنانچہ کتاب کے دیباچہ مین شہاب مہمرہ یا متمرہ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی استادی اور امیر خسرو کے تلمذ کی کوئی تصریح نہین کی ہے۔ بلکہ ایک اچھا شاعر کہکر ان کا ذکر ختم کر دیا ہے، پھر اس کتاب کے صفحہ ۳۳ کے حاشیہ مین لکھتے ہین کہ مولانا شبلی نے شعر العجم مین یہ لکھا ہے کہ خسرو مولانا شہاب الدین کے شاگرد ہو گئے تھے، لیکن وہ (مولانا شبلی) اس غلط نتیجہ پر خسرو کے بعض ان اشعار کی بنا پر پہنچے ہین، جو انھون نے مولانا شہاب کے متعلق کہے ہین، آگے چل کر ص ۱۴۳ پر علاء الدین خلجی کے عہد کے شعراء کا ذکر کرتے

[1] شعر العجم حصہ دوم ص ۱۴۵

ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، ان میں سے بہت سے شعرا صاحب دیوان بھی ہوئے، یعنی انھوں نے اپنے کلام کے مجموعے مرتب کیے، ان میں ایک شہاب الدین[1] بھی تھے، جن کی تعریف خسرو نے خاص طور پر کی ہے، اور ان کو عربی زبان کا عالم بھی بتایا ہے، اور متعدد بار ان سے اپنی شعر و شاعری سے متعلق مشورے بھی کیے ہیں لیکن ہم تک ان کی کوئی تصنیف نہیں پہنچی ہے، اس لیے ان کی شخصیت کا پتہ چلانا مشکل ہے، اس تحریر پر ڈاکٹر صاحب کا یہ حاشیہ ہے کہ یہ غالباً وہی ہیں جن کو برنی اور فرشتہ نے عہد علائی کے شعرا میں شہاب صدر نشین لکھا ہے، لیکن ان کے بارہ میں کچھ بھی معلوم نہیں، خسرو انکو اکثر امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہی شہاب الدین تھے، جو نظام الدین اولیاء کے امام تھے، (سیر الاولیاء، ص ۲۹۲، ۲۹۰) لیکن وہ کوئی مشہور شاعر نہ تھے، حضرت نظام الدین اولیا کے معاصروں میں اجودھن کے خواجہ فرید کے صاحبزادے کا اسم گرامی بھی شہاب الدین ہی تھا (سیر الاولیاء، ص ۱۸۶-۸) پھر ص ۱۵۹، اور ۲۰۳ پر مولانا شہاب الدین کا ذکر امیر خسرو کے دوستوں میں کیا ہے، ص ۲۰۳ پر امیر خسرو ہی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ مثنوی ہشت بہشت پر ان کے دوست شہاب الدین نے نظر ثانی کی، جو بہت بڑے عالم تھے، ص ۲۱۸ پر ان کو امیر خسرو کا سرپرست بھی لکھا ہے،

ڈاکٹر صاحب امیر خسرو سے متعلق تمام معلومات فراہم کرنے میں شاید کچھ ایسے مشغول رہے کہ وہ مولانا شہاب الدین کے بارہ میں زیادہ چھان بین نہ کر سکے، ورنہ وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ دراصل شہاب الدین مہمرہ ہی مولانا شہاب الدین تھے، ڈاکٹر صاحب نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ خسرو نے شہاب الدین مہمرہ کی تقلید میں بھی بعض قصائد کہے ہیں، اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ایک شاعر شہاب الدین سے متعدد بار امیر خسرو نے شاعری کے متعلق مشورہ بھی کیا ہے، اور پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شہاب الدین سے ہشت بہشت پر نظر ثانی کرائی، اسی شاعر کو امیر خسرو کا سرپرست بھی تسلیم کیا ہے، پھر

---

[1] امیر خسرو کا بیان ہے کہ شہاب الدین نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہیں کیا

جس شہاب الدین کا ذکر بار بار کیا ہے اس کو شہاب الدین مہمرہ تسلیم کرنے اور امیر خسرو کا استاد ماننے مین عذر کیون ہے، مولانا شہاب الدین مہمرہ اپنے علمی و ادبی پایہ کی وجہ سے اپنے عہد کے غالباً تمام شعراء کے استاد تھے، اسی لیے فرشتہ نے عہد علائی کے شعراء کی فہرست مین انکو شہاب الدین صدرنشین کے لقب سے یاد کیا ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو استاد الشعراء لکھا ہے[1]، ڈاکٹر اقبال حسین (لکچرر پٹنہ یونیورسٹی) نے بھی ان کو اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین امیر خسرو کا استاد ہی تسلیم کرکے ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے،

اسباب گمنامی ایسے باکمال شاعر پر گمنامی کا پردہ پڑا رہنا تعجب انگیز ہے، اس کے متعدد اسباب ہین،

(۱) ایک تو یہ کہ وہ شاہی دربار سے مستقل طور پر وابستہ نہین ہوئے اور عام طور سے مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان ہی شعراء کو زیادہ اچھالا ہے، جو دربار سے متعلق تھے (۲) دوسرے شہاب الدین مہمرہ نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا، جیسا کہ اوپر ہم امیر خسرو کے ایک بیان مین واضح کر چکے ہین، گو ان کا منتشر اور متفرق کلام ہر زمانہ مین شوق سے پڑھا گیا، گیارہوین صدی ہجری مین تقی اوحدی مؤلف عرفات العاشقین نے ان کے تقریباً سات سو بکھرے ہوئے اشعار جمع کئے، اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے عہد مین بھی تمام ارباب نظر مولانا شہاب الدین مہمرہ کو اساتذۂ فن مین شمار کرتے تھے، اس کے اصلی الفاظ یہ ہین،

"گویندے از شعرائے بزرگوار سواد ہندوستان است واین صحیح است"

مولانا شہاب الدین کے گمنام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب امیر خسرو کی شاعری کا آفتاب نصف النہار کو پہنچا تو تمام شعراء ستارون کی طرح ماند پڑ گئے، منتخب التواریخ مین مولانا عبد القادر مولانا شہاب الدین مہمرہ کے ذکر مین فرماتے ہین:

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۲، [2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۱،

"چون کلام متقدمین بعد از ظہور کوکبۂ خسرو شاعران حکم وجود ستارہا در وقت ارتفاع اعلام نیرّ اعظم پیدا کردہ، و مانند سبعیات ہنگام نزول وحی منزل بر خیر البشر و سید عالم علیہ السلام در پردۂ تواری ماندہ، از انہا کم می گویند و می نویسند، بلکہ نمی نمایند۔" (جلد اول ص ۷۱-۷۰)

تذکرہ نویس اور مورخین امیر خسرو کے ساتھ حسن سجزی کے کلام کا تو ذکر کرتے ہین، لیکن ان ارباب کمال کی شاعری مین ان کو کچھ ایسی لذت و کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اس عہد کے بقیہ اور تمام شعرا کو وہ نظرانداز کر دیتے ہین، ملا عبدالقادر امیر خسرو و میر حسن کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہین :-

"در آن عہد اگرچہ شعرائے دیگر صاحبِ دواوین بودہ اند، اما با وجود این دو بزرگوار ذکر آنہا خوش نمی آید ع :-

چون آفتاب برآید ستارہا عدم است" (ج ا ص ۲۰۱ و ۱۷۱)

لیکن درحقیقت مولانا شہاب مہمرہ کی حیثیت ایک ستارہ کی نہ تھی، خود ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کو "شہسوار میدان بلاغت" اور "استاد الشعراء" کہا ہے۔ امیر خسرو نے نہ صرف شاعرانہ انداز مین ان کے ادبی و علمی کمالات کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ جس طرح انھون نے خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی کے تتبع مین قصائد کہے، اسی طرح مولانا شہاب مہمرہ کی تقلید مین بھی زور طبع دکھا کر ان کو اساتذۂ فن مین شمار کیا ہے، امیر خسرو کا ایک مشہور شعر یہ ہے :[1]

گر بیاید غلغلہ مرغان دہلی زین نوا	در بداؤن مہمرہ سرمست برخیزد ز خواب

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو سلیمان ممالک سخن بھی کہا ہے، جہانگیر کے زمانہ مین میر عضدالدولہ نے فرہنگ جہانگیری لکھی، تو اس مین اور اساتذہ کی طرح مولانا شہاب کے بھی اشعار جابجا سند مین پیش کیے۔

---

[1] وسط الحیات عہ ہی مین خسرو ایک سفر کے دوران مین مولانا شہاب کو اس طرح یاد کرتے ہین،

یکے سپہر دقائق شہاب دین کہ بصدق	مراست علم کہ اوراست فضل بر فضلا،

عرفات العاشقین کا مؤلف، مولانا شہاب کی تعریف مین رطب اللسان ہے،

"شاہ سخن پردازیست کہ در عرصہ فکرت رایقان سمند معنی را پیادہ رخ بر رخ نہادے بیل

در شطرنج مقاومت و فیل فرزین طرح دادی"

مجمع الفصحا مین ہے:-

"وے از حکماء، فضلاء و شعراء مقرر مشہور معروف زمان خود محسوب می شدہ، طبع

عالی و ذہن متعالی داشتہ...... در زمان سلطان رکن الدین فیروز بن سلطان شمس الدین

التمش سرآمد فاضل عہد بودہ"

مجمع النفائس کے مؤلف سراج الدین علی خان آرزو نے بھی تسلیم کیا کہ:

"وی (یعنی شہاب الدین مہمرہ) از شعرائے بزرگ ہندوستان است"

موجودہ دور کے اہل قلم مین پروفیسر عبدالغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری موغل پرشین ان ہندوستان" مین لکھا ہے کہ شہاب الدین مہمرہ کے قصائد ایران کے سربرآوردہ شعراء فرخی، خاقانی، انوری وغیرہ کے ہم پلہ ہین، یہ رائے اس لحاظ سے بے شک قابل قبول ہے کہ مولانا شہاب الدین مہمرہ ان باکمال شعراء ہی کی طرح قادر الکلام تھے، گو مولانا کے طرز ادا اور اسلوب بیان کی ندرت ان شعراء سے مختلف تھی، البتہ پروفیسر موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ مہمرہ کے قصائد اس بات کا بہترین ثبوت ہین کہ ہندوستان کے ارباب فن نے فارسی ادب کو کس طرح فروغ دیا،

کلام شہاب مولانا شہاب الدین کے زیادہ سے زیادہ اشعار منتخب التواریخ اور عرفات عاشقین مین نظر سے گذرے، کچھ اشعار مجمع النفائس، خلاصۃ الاشعار اور مخزن الغرائب مین بھی ہین، ان ہی نمونون کو دیکھکر ہم ان کے کلام پر ایک نگاہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہین،

مولانا شہاب الدین مہمرہ کی قصیدہ نگاری مین بعض بالکل ہی نئی باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ

بعض اوقات تین چار الفاظ لے لیتے ہین، اوران کو ہر شعر مین دہرا کر قصیدہ نگاری کی لفظی صنعت کا کمال دکھاتے ہین، اور اس مشکل صنعت کے ساتھ قصیدہ کی فصاحت وبلاغت مین فرق نہین آنے پاتا، بلکہ ان کی جدت طبع، لطف زبان اور انداز بیان مین یکسان لطف حاصل ہوتا ہے، تقی اوحدی نے عرفات العاشقین مین ان کے اس وصف کی داد اس طرح دی ہے،

"در شعر وے صنائع وبدائع وبسیار فصاحت وبلاغت بے شمار است ودر اکثر قصائد التزاماتِ مشکلہ غریبہ بکرر نمودہ ونہایت قدرت بعد ظہور رسانیدہ۔"

اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے، اسی طرح کا ایک اور قصیدہ حمد ونعت مین کہا گیا ہے، اس مین "مور" اور "موئے" کے الفاظ ہر شعر مین آئے ہین، کچھ اشعار ناظرین کی ضیافت کے لیے پیش کیے جاتے ہین:

اندر زبانِ گرچہ شگافم موے ہنگام بیان	در ثناے حق زحیرت ہمچو مورم بے زبان
در پے زنجیر مویان پر پروا از ہوس	بستہ ام بسیار چون موران زدل جان برمیان
وز براے مورچشمان شکرلب درخیال	سفتہ ام موے سخن صدرہ زروے امتحان
تا ذخیرہ باشدم چون مور اندر مدح او	مو دونیمہ کردم ویک مو ندید از کس نشان
بعد ازین چون مور بندم پرد بے چون کمر	وز بُن ہر موے توفیقش کشایم صد زبان

پورا قصیدہ عرفات العاشقین مین درج ہے جس مین تقریباً ۷۵ اشعار ہین، منتخب التواریخ (جلد اول ص ۷۹-۷۶) مین بھی یہ قصیدہ ملے گا، گو اس مین کچھ کم یعنی ۴۴ اشعار ہین،

اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے مولانا شہاب الدین ہر قصیدہ مین کوئی نہ کوئی جدت ضرور پیدا کرتے ہین، چنانچہ مجمع النفائس کے مؤلف کا بیان ہے،

"فضلائے عصر بو بؤ در ہر قصیدہ طرز خاصے دارد ...... قدرت او از آنا معلوم می شود۔"

بعض قصائد ایسے بھی کہے ہین، جن مین خاص خاص حرف کے الفاظ مطلق استعمال نہین ہوئے ہین، مثلاً حسب ذیل قصیدہ کے ۴۳ اشعار کے کسی لفظ مین الف استعمال نہین ہوا ہے، طوالت کے خیال سے ہم پورے قصیدہ کو نقل کرنے سے قاصر ہین، اس لیے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

منہ بہ برگ سمن پیش لالہ و عنبر | زمشک سودہ مکن گرد نسترن چنبر
ببند حقہ لب در زرشتۂ لولو | مپوش تختۂ نقرہ بہ حلقۂ عنبر
محیط دولتِ گردون ہمی کہ پیش کفش | چو رود خشک بود فیض دجلۂ و کوثر
چو چوب عود بسوزد سپہرہ مجمرہ شکل | زکوزہ سخطش گرجہد بگینہ شرر
زشرم کو ہر لفظ تو در دل معدن | نشستہ صد عرق شرم بر رخ گوہر

اسی صنعت مین سلطان رکن الدین کے دربار کے ایک امیر بہاء الدین کی شان مین بھی ایک قصیدہ ہے، اس کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،

زہے چو مہر بجود و کرم شدہ مشہور | علوی قدر تو برتر ز گنبد معمور
نسیم خلقِ تو در حد شش جہت موصوف | بلند حیثیتِ تو در بزم نہ فلک مشہور
محیط علم و خرد ہم بہاء دین کز تو | حدیث خلق حسن گشت در زمین مذکور
نسیم طبع تو بر حرفِ معدلت موصوف | محیط کف تو بہ فیض مکرمت مقصور
زقدر تست معظم نمودہ مسند ملک | زفر تست مقدس شدہ تجلی طور
رہین عدل تو در بحر و بر وحوش و طیور | مطیع حکم تو در شرق و غرب ترک و عرب
چو بحر و گنج بہر خط جود تو موصوف | چو بخت و عقل بہر بقعہ سعی تو مشکور
تو بے نظیر بے عدیل و کس نہ بیند نیز | عدیل عدل تو ہرگز مگر بروز نشور

ہندوستان مین اس قسم کے قصائد مصنوع کے لکھنے کا سہرا مولانا شہاب الدین ہی کے سر ہے۔

خلاصۃ الاشعار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ان کے قصائد مصنوع ایران کے حکیم ابو علی جبائی کے قصائد کے ہم پلہ قرار دیے جا سکتے ہین،

ہندوستان کے شعرا مین حمد و نعت مین قصائد کہنے کی اولیت بھی غالباً مولانا شہاب ہی کو حاصل ہوئی،[1] ان سے پہلے شعرا، سلاطین، وزرا، اور امرا، کی مدح سرائی مین قصیدہ نگاری کا سارا زور صرف کرتے تھے، لیکن مولانا شہاب نے حمد و نعت مین قصائد لکھکر اس صنف شاعری مین مذہبی رنگ بھی پیدا کیا، حمد کے کچھ اشعار ہم پہلے نقل کر چکے ہین، اب ایک نعتیہ قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہین،

شہ تخت کن[2] محمد کہ سرادق شرف زد	بسوے در نہمین، ز سراے ام ہانی
بشرے ملک لطافت فلکی زمین تواضع	چو فلک بہ پاک جسمے چو ملک بہ پاک جانی
گہرے کہ بود جایش بخزانۂ الٰہی	قمرے کہ تافت نورش ز سپہر جاودانی
گہرے کہ قیمتی تر ز وجود او نیاید	بہ دلالت عناصر ز محیط آسمانی
قمرے کہ ہر سحر گہ چو شب سیاہ گیتی	ز خجالت عقیقش رخ کوکب یمانی
شکرین زبان رسولے کہ بود نجات امت	بہ عقیدۂ زبانش ز عقیلۂ زبانی
گہرین بیان فصیحے کہ فصاحت بیانش	چو ضمیر کان کند خون دل گنج شایگانی
ز جمال عارضش کم رخ آفتاب شرقی	ز قوام قامتش خم قد سرو بوستانی
بہ خساب گرفتہ رہ مالک الرقابی	بہ کلام بر کشادہ در صاحب القرانی
جذبات شوق باطن بمکاشفت کشیدہ	ز بسیط کائناتش بہ محیط لامکانی

[1] ڈاکٹر اقبال حسین رقمطراز ہین "ابو الفرج رونی او مسعود سعد سلمان کے قصائد شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ، شہاب سے پہلے ہندوستانی شعرا کے کلام کا غور سے مطالعہ کرو، تم کو ایک قصیدہ بھی حمد یا نعت مین نہیں ملے گا، (ہندوستان کے قدیم فارسی شعرا ص ۱۹۶)

[2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۴، مین "کی" ہے، جو کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

اس کے بعد خلفاے راشدین یعنی حضرت ابوبکرؓ (ابن ابو قحافہ) حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی ذکر ہے، جس مین تھوڑی سی ان کی منقبت بھی آگئی ہے۔

بنوید دوست جانش شدہ مست برامیدش	پسر ابو قحافہ زدہ قحف دو ستگانی
رطبی بنا فگندہ سخنش قضاے حق را	شدہ از پےِ سیاست عمرش بعدل بانی
قدم سیوم درین رہ زبیش نہادہ مردے	کہ نزد غرور راہش بہ متاعِ این جہانی
شدہ رکن چارمینش علی آنکہ بدگرین	زشعاع ذو الفقارش رخِ مہر زعفرانی
ملکا بحق یاران کہ مرا بہ یاریٔ خود	زبلاے یار نادان ہمہ عمر را رہانی
زمن آنکہ این قصیدہ طلبید باد جانش	چو قصیدہ ام مزیّن بجواہر معانی

پورے قصیدہ مین بلاغت بھی ہے اور فصاحت بھی، الفاظ کے در و بست سے قصیدہ مین بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، شاید مولانا شہاب کے اسی قسم کے کلام کو دیکھ کر مخزن الغرائب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"او فاضل وقت خود بود طبعی موزون وشعرے چون درمکنون داشت"[1]

ان قوافی کی دل آویزی سے متاثر ہوکر امیر خسرو نے اپنے استاد کے شاید تتبع مین ایک پرکیف غزل لکھی ہے، گو اس کی بحر مختلف ہے، ناظرین بھی اس غزل کے دو چار شعر سے لطف اٹھائین،

ہم از جمال ساقی زشراب ارغوانی	کہ بیار تشنہ ام من نہ بہ آبِ زندگانی
تن من چو موم از آتش بگداخت در فراقت	بدلے چو سنگ خارا تو ہنوز ہمچنانی
چو نوید عشق دادی دلِ مردہ زندہ گردد	کہ غذاے روح باشد غم دوستان جانی
مشو از صبا مشوش زنفیر دردمندان	چو ز غائبان مجلس خبرے بجا رسانی

---

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ ورق ۱۹۲۔

امیر خسرو اور عمید الدین سنامی نے استاد وقت مولانا شہاب کے تتبع مین حمد و نعت مین کئی قصائد کہے ہین، جن کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

حمد و نعت مین تصوف کے مسائل کا آنا ناگزیر ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ مولانا شہاب کے قصائد مین صوفیانہ رنگ بھی لامحالہ پیدا ہو گیا ہو گا جس کی بنا پر ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ مولانا شہاب ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھون نے قصائد کو تصوف سے روشناس کیا، لیکن ہم کو مولانا شہاب کا کوئی ایسا قصیدہ نہین ملا جس مین انھون نے تصوف کے معارف و حقایق کا مستقل ذکر کیا ہو، البتہ ان کے حمد و نعت کے قصائد سے ان کے صوفیانہ جذبات کا ضرور اظہار ہوتا ہے، پروفیسر عبد الغنی رقمطراز ہین کہ مولانا شہاب کے جو اشعار تذکرون مین پائے جاتے ہین، ان مین زیادہ تر اخلاقیات اور روحانیات کا درس ہے، جو اپنے تخیلات کی رفعت اور اسلوب بیان کی شوکت و جزالت کے لحاظ سے بے مثل ہین، اور یہی قصیدہ گوئی کے محاسن ہین، تصوف کا اخلاق و روحانیت سے گہرا تعلق ہی، اس لیے مولانا شہاب کے کلام مین اخلاق و روحانیت کا عنصر بھی ہے، لہذا پروفیسر عبد الغنی نے جو کچھ کہا ہے، اس کو تسلیم کرنے مین کوئی تامل نہین، البتہ مولانا شہاب کا سارا کلام دستیاب ہو جاتا تو اور بھی وثوق کے ساتھ اس رائے سے اتفاق کیا جا سکتا تھا، کیونکہ مولانا شہاب کے علم و فضل سی توقع یہی کی جا سکتی ہی کہ انھون نے شاعری کو محض ذریعۂ تفریح نہین بنایا ہوگا، بلکہ خوشامد اور مداحی سی الگ ہو کر عشق حقیقی کی آگ سے دل کو گرمانے اور پند و موعظت سے اخلاق کو سنوارنے کی بھی کوشش کی ہو گی،

لیکن پروفیسر عبد الغنی نے نہ جانے یہ بات کیسے لکھ دی کہ عرفی نے ہندوستان آنے پر شہاب کے طرز نگارش اور تخیلی رجحان کا تتبع کیا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہین کہ مہمرہ کے قصائد مین جو زندگی کے مقاصد و نصب العین اور ذہن کی توانائیان ہین، وہ عرفی کے قصائد مین بھی بکثرت ہین، جس نے مہمرہ ہی کی طرح لمبے لمبے قصائد لکھے، یہ تو صحیح ہے کہ عرفی کے بعض قصائد مہمرہ ہی کی طرح طویل ہین لیکن طرز نگارش اور تخیلی رجحان مین دونون کا موازنہ کرنا ایک بیکار سی بات ہے، جہانتک دقت پسندی، زور کلام، طرز ادا کی جدت اور سنگلاخ زمینون مین

طبع آزمائی کا تعلق ہے، شہاب اور عرفی مین تھوڑا سا موازنہ ہو سکتا ہی، گو انکی بھی نوعیت بالکل جدا اور مختلف ہی،
عرفی نے اپنے مضامین کے زور اور اسلوب بیان کے اچھوتے پن مین الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی
خیالات کی رفعت، استعارات اور تشبیہات کی طرفگی، اور فصاحت و بلاغت کا ایسا زور و شور دکھلایا کہ وہ ایک
طرز خاص کا موجد بن گیا جس سے مولانا شہاب کے قصائد کو کوئی مناسبت نہین، مولانا شہاب اپنے عہد کے مسلم
الثبوت استاد ضرور تھے، جیسا کہ ہم پہلے دکھلا چکے ہین لیکن بقول پروفیسر محمود شیرانی مرحوم "شہاب کا انداز،
علمیت، سنگلاخ زمین، صنعت لزوم مالایلزم و دیگر صنائع ہین، یہ رنگ جو زیادہ تر چھٹی ساتوین صدی
مین مرغوب طبائع تھا، دسوین صدی مین عرفی اور اس کے معاصرین کو کیون پسند آنے لگا۔[1]
پروفیسر عبد الغنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مہمرہ کے کردار کی شرافت اور دنیا سے بے نیازی نے ان کو سلاطین
کے سامنے جھکنے سے باز رکھا، اس لیے محض روپیہ کی خاطر انھون نے کسی کی مداحی نہین کی، یہ صحیح ہے، گو مولانا
شہاب نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ اور اس کے بعض درباری امرا کی شان مین کچھ قصیدے ضرور کہے لیکن
یہ قصائد ان کی کم عمری کے زمانہ کے ہین، ان کے علم و فضل کے شہرہ کے بعد واقعی ان کی جبین نیاز کسی کے آستانہ
پر نہین جھکی، مگر پروفیسر موصوف کا بیان بھی تعجب انگیز ہے کہ گو عرفی ہندوستان دولت کی تلاش ہی مین آیا،
لیکن شہاب مہمرہ کی طرح اس نے قصیدہ گوئی کو اپنا پیشہ نہین بنایا، اور نہ انعام کی طلب مین وہ سلاطین و
امرا، کے دربار کا مشتاق رہا، پروفیسر موصوف نے حاشیہ مین خود یہ بھی لکھا ہے کہ عرفی نے شہزادہ سلیم (جہانگیر)
حکیم ابو الفتح، عبد الرحیم خانخانان اور اکبر کی شان مین قصیدے کہے، جن کی سرپرستی نے اس کو دوسرون
سے بے نیاز کر دیا، تو پھر اس کو دوسرے امرا و سلاطین کے درباروں مین جانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی تھی،
یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے غرور، کم بینی اور خود ستائی مین مختلف دربارون کی ناصیہ سائی کا اظہار
پسند نہین کیا، یہ ضرور ہے کہ وہ قصیدہ گوئی کو اچھا پیشہ بھی نہین سمجھتا تھا،

ع قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی

[1] رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء

لیکن پھر بھی وہ برابر قصیدے ہی کہتا رہا، اور اس کا نام آج تک اس کے قصیدون ہی کے بدولت روشن ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ اس نے اپنے قصیدون مین ادنی درجہ کی بھی مداحی اور چاپلوسی کا اظہار نہین کیا ہے، بلکہ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے ساتھ بڑی خودداری کا ثبوت دیا ہے، اور بقول مولانا شبلی "عرفی نے قصائد مین جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تھی، اگر اس کی طرف عام خیالات کا میلان ہوگیا ہوتا، تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی۔" (شعرالعجم حصہ سوم ص ۱۱۴)

جہان تک قصیدہ گوئی سے اچھے کام کا مصرف لینے کا تعلق ہے، ہندوستانی شعراء مین یہ اولیت مولانا شہاب ہی کو حاصل ہے، کہ انھون نے قصیدہ کو حمد و نعت، اخلاق و تصوف سے روشناس کرکے اس صنف مین ایک نیا رنگ پیدا کیا، جس کو بعد کے شعراء نے چمکایا، اس لحاظ سے اس فن مین مذہبی، روحانی اور اخلاقی جذبات کے نشوونما کا بھی کام لیا جانے لگا، اور اس کا سہرا مولانا شہاب ہی کے سر ہے، ڈاکٹر اقبال حسین نے ان کے قصیدون پر عام تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ ان کے قصیدے اب موجودہ مذاق کے مطابق نہین ہین لیکن جب یہ کہے گئے تو اس عہد کے تمام معاصرین نے ان کو عام طور پر پسند کیا اور اس کی تقلید کرنے کی بھی کوشش کی، یہ اپنی جدت طرازی اور دوسرے محاسن کی وجہ سے عہدیون تک مقبول رہے۔ ان مین تصنع ضرور ہے لیکن مولانا شہاب نے اپنی جادوگری سے اس تصنع مین بھی شوکت اور رفعت پیدا کی، انھون نے ہر قصیدہ مین ایک نئی صنعت پیش کی، جو ان کی غیر معمولی ذہنی صلاحیت کا ثبوت ہے۔ ان کے قصیدے ان کی قادرالکلامی لفظی صناعی اور اختراع کے بہترین نمونے ہین، ...... جن کی بنا پر یہ بلا شک و شبہہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عہد مین فارسی شاعری پر غیر معمولی طریقہ پر اثر انداز ہوئے، اور آج بھی اپنی جدت طبع اور قصیدہ گوئی پر بے مثل مہارت رکھنے کی وجہ سے یاد رکھنے کے قابل ہین،

اس مضمون کے شروع مین ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا شہاب کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہین

ہو سکی ہے لیکن اس "سلیمان ممالک سخن" اور "غیرت پو تمام وبحتری" کی وفات بدایون مین ہوئی اور یہین وہ پیوند خاک ہوئے، ان ہی کے پہلو مین ان کے شاگرد حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی (المتوفی ۷۵۱ھ) کا مزار شریف ہے[۱]

تاج الدین ریزہ اور مولانا شہاب الدین مہمرہ کے شاعرانہ کمالات کی تفصیل لکھنے مین سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی علم نوازی کا ذکر ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا، حالانکہ اس کی مدت حکومت مشکل سے سات مہینے رہی، لیکن اس مختصر زمانہ مین اس کی علمی سرپرستی لائق تحسین رہی، اسی کے حکم سے امام رازی کی عربی تصنیف سر مکتوم کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا،[۲] یہ سرپرستی اس کی داد و دہش کا نتیجہ ہے، جس کا ذکر تمام مورخون نے کیا ہے، طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ

"در عطا و سخا حاتم ثانی بود و انچہ او کرد از بذل اموال و شرفاے وافرہ و کثرت عطایا در ہیچ عہد ہیچ بادشاہ نہ کرد" (ص ۱۸۴)

ایسے فیاض فرمانروا کے عہد حکومت مین شعراء و فضلاء کی غیر معمولی سرپرستی کی توقع کی جا سکتی تھی لیکن زمانہ کو کچھ اور ہی کروٹ لینا تھا، اس لیے ارباب علم اس سلطان کی فیاضیون اور زرپاشیون سے سیراب ہو چلے تھے کہ یکایک محروم ہو گئے،

---

[۱] رسالہ برہان نومبر ۱۹۵۱ء [۲] رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء ص ۹۵

رضیہ

سنہ ۶۳۴-۶۳۷ھ
۱۲۳۶-۱۲۴۰ء

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ دہلی کے تخت پر ۶۳۴ھ مین جلوہ افروز ہوئی، وہ ہندوستان کی پہلی حکمران خاتون تھی، اس مین حکمرانی کے تمام اوصاف موجود تھے، طبقات ناصری مین ہے کہ

"بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل و کریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکرکش بود" (ص ۱۸۵)

ظاہر ہے کہ یہ تمام محاسن ایک خاتون مین اسی وقت جمع ہوسکتے ہین جبکہ اس نے اعلیٰ تعلیم و تربیت بھی پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش کا دربار علوم و فنون کا گہوارہ رہا، اس لیے کوئی تعجب نہین کہ اس نے اپنے عہد کے معیار کے مطابق ہر قسم کی تعلیم پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش نے اس مین حکمرانی کے تمام آثار پائے تھے، اسی لیے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن وہ التمش کے بعد تو نہین، مگر اپنے بھائی رکن الدین فیروز کی چھ سات مہینے کی حکومت کے بعد تخت پر بیٹھی، یہ زمانہ ایسا تھا کہ عام طور سے لوگ کسی خاتون کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے، اس لیے اس کے اوصاف حمیدہ اس کے کام نہین آئے، جیسا کہ طبقات ناصری کے مؤلف نے لکھا ہے،

"چون از حساب مردان در خلقت نصیب نیافتہ بود این ہمہ صفات گزیدہ

چہ سود شش کند،" (ص ۱۸۵)

اس کی حکومت تین سال سے کچھ زیادہ رہی لیکن مورخون نے اس کی تاریخ کچھ ایسے انداز مین لکھی ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت صرف انتشار مین گذری، طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ وہ "عالم نواز" تھی، خود مولف مذکور بھی اسکی علم پروری کے رہین منت رہے، کیونکہ ۶۳۵ھ مین وہ گوالیار سے دہلی آئے تو رضیہ نے دہلی کے مدرسۂ ناصریہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد کیا، اس کے ساتھ گوالیار کی قضاۃ بھی ان ہی کے پاس رہی[1]، لیکن انھون نے اپنی تاریخ مین رضیہ کی علم نوازی اور علم پروری کی کوئی تفصیل نہین لکھی ہے، صرف "عالم نواز" لکھنے ہی پر اکتفا کیا ہے، تاریخ مبارک شاہی مین بھی اس کی علمی سرپرستی کا کوئی ذکر نہین، البتہ عہد مغلیہ کے بعض مورخون نے اس کے علمی اوصاف کا ذکر کیا ہے، تاریخ فرشتہ مین ہے کہ

"سلطان رضیہ ایسے تمام اوصاف سے مزین تھی، جو ایک عاقل اور صاحب رائے بادشاہ کے لیے ضروری ہین، اصحاب نظر اس مین سوائے اس کے کہ وہ عورت تھی، کوئی اور عیب نہین پاتے تھے، وہ قرآن مجید پورے آداب کے ساتھ پڑھا کرتی تھی، اور دوسرے علوم سے بھی آگاہی رکھتی تھی، اپنے باپ کے زمانہ ہی سے ملکی معاملات مین دخل دیا کرتی اور فرمانروائی کیا کرتی تھی، سلطان (یعنی التمش) اس کی عقل و فراست اور فرزانگی دیکھ کر مانع نہ ہوتا،"[2]

اس عہد کے علماء و شعراء مین سے صرف دو کے نام طبقات ناصری کے مؤلف نے لیے ہین،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۸۰، رضیہ ہی کے زمانہ مین دہلی کے ایک دوسرے تعلیمی ادارہ کا نام مدرسۂ معزی تھا، ایضاً ص ۱۸۹، مدرسۂ ناصریہ کو غالباً شمس الدین التمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصر الدین محمود کی وفات پر اسکے نام سے قائم کیا تھا

[2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۸، واضح رہے کہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں ہے، اس کتاب میں جہان بھی فارسی اقتباسات کے ترجمے نظر آئین ان کو بھی بالکل لفظی نہ سمجھنا چاہیے،

ایک نصیر الدین ایتم بلارامی، اور دوسرا امیر امام ناصر[1]، موخر الذکر کے نام کے ساتھ شاعر لکھا ہے، التمش کے عہد مین ہم ایک شاعر خواجہ ابو نصر ناصری کا ذکر کر چکے ہین، اورنٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۹ء) کے ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ وہی ناصری شاعر ہو، جو بعد مین ترقی کر کے امیر اور امام کے اعلیٰ مراتب تک پہنچ گیا ہو، لیکن یہ سب کچھ ثبوت کا محتاج ہے، پہلے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ رضیہ جب شہزادی تھی تو تاج الدین ریزہ نے اس کی شان مین ایک قصیدہ کہا تھا، لیکن اس کی حکومت کے دور مین تاج الدین ریزہ کے کسی قصیدہ کا ذکر نظر سے نہین گذرا، ظاہر ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ کی مدح سرائی کی ہوگی، لیکن ممکن ہے کہ وہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے محبوب شاعر ہونے کی وجہ سے رضیہ کی نظرون مین معتوب رہا ہو،

علماء مین نصیر الدین ایتم بلارامی کی علمی فضیلت کا حال تو معلوم نہ ہو سکا، البتہ ان کے مجاہدانہ کارنامہ کا ذکر طبقات ناصری مین ہے، رضیہ کے اوائل عہد مین قرامطہ اور ملاحدہ نے نور ترک کی سربراہی مین دہلی مین قتل و خون کا بازار گرم کیا، تو اس وقت مولانا نصیر الدین ایتم بلارامی مسلح ہو کر گھر سے نکل کر جامع مسجد کے پاس پہنچے، اور قرامطہ اور ملاحدہ سے لڑ کر ان کو کیفر کردار تک پہنچایا[2]،

[1] طبقات ناصری ص ۱۸۹ [2] ایضاً

معزالدین بہرام شاہ

۶۳۷-۶۳۹ھ

۱۲۴۰-۱۲۴۲ء

رضیہ کے بعد اس کا بھائی معزالدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا، اس کی حکومت کل دو سال ڈیڑھ مہینہ رہی، ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت مین اس کی علمی سرپرستی کی کچھ زیادہ تفصیل نہین ہو سکتی ہے، طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو ایک "خونخوار" حکمران لکھا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اسکی کچھ خوبیان بھی بیان کی ہین، رقمطراز ہین:

"........اما چند اوصاف گزیدہ و اخلاق پسندیدہ داشت و در ذات خود شرمگین و بے تکلف بود و ہرگز از حلے و حلل کہ آئین بادشاہان دنیا باشد با خود نداشتے و در کمر و ساحت و علم باین زنہیا رغبت بنمودے" (ص ۱۹۱)

معزالدین بہرام شاہ جس روز تخت پر بیٹھا تو ظاہر ہے کہ قدیم دستور کے مطابق شعراء نے اس کی شان مین بھی قصائد کہے، اس موقع پر مولانا منہاج سراج (صاحب طبقات ناصری) نے حسب ذیل قطعہ کہا،

زہے در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی ‌ ‌ ببین در رایت شاہی علامات جہانبانی

معزالدین والدنیا مغیث الخلق تا خلقی ‌ ‌ سلیمان سانت در فرمانست ہم انسی و ہم جانی

اگر سلطانی ہندست ارث دودۂ شمسی ‌ ‌ بحمد اللہ ز فرزندان توئی التمش ثانی

چو دیدنت ہمہ عالم کہ بر حق دارث ملکے | درت را قبلہ گر گر دند ہم قاضی و ہم دانی
چو منہاج سراج این است خلقان را دعائے تو | کہ یا رب بر سر ملک دولت جاودان مانی
بہ عہدت راست چون نیزہ چنان گردد ہمہ عالم | کہ جز در طرۂ پرچم نہ بیند کس پریشانی

سلطان اور مولانا منہاج سلطان مولانا منہاج سراج کا بڑا معتقد تھا، ۶۳۹ھ مین مغلون نے لاہور پر یورش کی اور وہان کے مسلمانون کو شہید کیا تو سلطان نے متاثر ہو کر دہلی مین اپنے محل قصر سپید مین مسلمانون کا ایک بڑا اجتماع کیا، اور مولانا منہاج سے ایک وعظ کہنے کی فرمایش کی، مولانا ہندوستان آنے سے پہلے چنگیزی فتنہ کی تباہ کاریان خراسان وہرات مین دیکھ چکے تھے، اس لیے اس موقع پر ایسی مؤثر تقریر کی کہ امراء آپس کے اختلاف دور کر کے مغلون کی یورش روکنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے، اسی سال سلطان نے مولانا منہاج کو دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی بنایا، اور بہت سی عنایتون سے سرفراز کیا۔[۱]

سلطان اور حضرت ایوب ترکمانی سلطان کو حضرت ایوب ترکمانی سے بھی بڑی عقیدت پیدا ہو گئی تھی، ان کے بارہ مین مولانا منہاج فرماتے ہین،

"درویشے ترکمان بود، ایوب نام، مردے زاہد وگلیم پوش، مدتے در قصر حوض سلطان باعتکاف نشستہ، واز آنجا او را بہ خدمت سلطان معزالدین تقرب افتاد، سلطان را بدو ارادتے پیدا شد۔"

سلطان کی گرویدگی ان سے اور بڑھی، تو وہ سلطنت کے معاملات مین بھی دخل دینے لگے، وہ جیسا کہ مولانا منہاج کا بیان ہے۔ قاضی شمس الدین مہر[۲] سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارہ سے قاضی شمس الدین ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیے گئے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ درویشی

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۹۵ [۲] نزہتہ الخواطر مین ان کو مارہروی لکھا گیا ہے، اور مارہرہ کا قاضی بنایا گیا ہے، ج ۱ ص ۱۶۷

کے شایانِ شان نہ تھا، اس سے عام طور سے سلطان کے خلاف بھی برہمی پیدا ہوگئی، سلطان سے برگشتگی کے اور بھی اسباب پیدا ہوتے گئے، یہاں تک کہ بعض امرا نے اس کو معزول کر دینے کا آپس میں عہد کیا، یہ فتنہ زیادہ بڑھا تو شیخ الاسلام سید قطب الدین نے مداخلت کرنی چاہی، لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوئی، [1] فرشتہ کو سید قطب الدین کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہے، اور وہ ان کو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سمجھتا ہے، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"القصہ آن فرمان را نظام الملک مہذب الدین با امرائے لشکر نمودہ .... در عزل سلطان با خود متفق ساخت، چون سلطان را برین حال اطلاع افتاد، خدمت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی را بہ تکلیف تمام برائے تسلی امرا فرستادہ وامرا ہیچ وجہ تسلی نہ شدند وشیخ برگشتہ بدہلی آمد" [2]

یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہوسکتی ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کا وصال التمش کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا،

سلطان کے خلاف فتنہ کو فرو کرنے کے لیے علماء و فضلاء بھی بیچ میں پڑے لیکن ان کی جد وجہد بیکار ثابت ہوئی، طبقات ناصری میں ہے۔

"داعی دولت منہاج سراج وائمۂ کبار شہر در اصلاح وتسکین آن فتنہ بسیار جد وجہد نمودند، بہ ہیچ وجہ قرار نگرفت" (ص ۱۹۶)

اس فتنہ میں بعض مفسدوں نے سلطان کے وزیر خواجہ مہذب الدین کے اشارہ سے مولانا منہاج پر بھی قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ محفوظ رہے، بالآخر اسی شورہ پشتی کے زمانہ میں سلطان بہرام ہلاک ہوا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۶ [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۰، یہی بات طبقات اکبری ج ۱ (ص ۷۰) میں بھی لکھی ہے،

جلال الدین کاشانی

اس عہد کے جید اور ممتاز علماء میں قاضی جلال الدین کاشانی کا ذکر خاص طور پر کیے جانے کے لائق ہے۔ وہ دہلی کے قاضی تھے، لیکن بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ میں انھیں معزول کر دیا[۱] اس کے بعد وہ اودھ چلے گئے، جہاں عہدۂ قضاۃ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود تخت پر بیٹھا، تو اس نے قاضی جلال الدین کاشانی کو اودھ سے بلا کر لکھنوتی سفارت میں بھیجا، اور وہاں بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر لعل دے کر ان کی قدر دانی کی[۲]، وہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں صدر جہان کی خدمت پر مامور کیے گئے، اور اپنی وفات (۶۴۸ھ) تک یہی خدمت انجام دیتے رہے،

علاء الدین مسعود شاہ

سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ نے چار سال ایک مہینہ تک حکومت کی، لیکن اس کے عہد کی تفصیل کچھ زیادہ نہیں مل سکی، اس لیے ایک علحدہ عنوان قائم کرنے کے بجائے ہم صرف چند سطروں میں اس کا بیان ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں،

مولانا منہاج

سلطان علاء الدین مسعود شاہ کی حکومت کا ابتدائی دور طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج کے لیے ساز گار نہیں تھا، وہ اپنے عہدۂ قضاۃ سے علحدہ ہو کر ۶۴۰ھ میں لکھنوتی کے لیے عازم ہوئے، دہلی سے نکلے تو بداؤن میں ملک تاج الدین تغلق سے ملے، وہ ان سے بڑے لطف و کرم سے پیش آیا، پھر اودھ آئے، جہاں کے حاکم قمر الدین نے بھی ان کی بڑی پذیرائی کی، اسی زمانہ میں طغان خان عز الدین طغرل لکھنوتی اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا، مولانا منہاج اپنے اہل و عیال کو اودھ میں چھوڑ کر اس سے کڑہ میں جا ملے، ذی الحجہ ۶۴۰ھ میں لکھنوتی پہنچے، یہاں دو سال تک طغان خان کے الطاف و اکرام سے فیضیاب ہوتے رہے، ۶۴۳ھ میں جب طغان خان دہلی طلب کیا گیا تو مولانا منہاج

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۹۷ [۲] ایضاً ص ۱۹۹ [۳] سلطان علاء الدین مسعود نے مولانا منہاج کی جگہ پر شیخ عماد الدین محمد شفورقانی کو دہلی کا قاضی مقرر کیا۔

اس کی معیت مین دہلی تشریف لائے، اس وقت الغ خان جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، امیر حاجب تھا، اس نے مولانا منہاج کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کو ان کے پہلے عہدہ پر پھر سے مامور کیا، یعنی وہ مدرسۂ ناصریہ کے اوقاف کے متولی، گوالیار کے قاضی اور جامع مسجد کے خطیب بنائے گئے، اور اسی کے ساتھ ایسے اعزاز بھی عطا کیے جو پہلے کسی کو نہ ملے تھے،[۱] گو سلطان علاء الدین مسعود شاہ نے اپنے ابتدائی عہد مین ان کو تکلیف پہنچائی، لیکن یہ ان کی نیک نفسی کی دلیل ہے کہ ان کا قلم سلطان کے اخلاق حمیدہ کی تعریف کرنے مین بالکل نہین رکا، چنانچہ اس کا ذکر ان فقرون سے شروع کرتے ہین،

سلطان علاء الدین مسعود شاہ پسر سلطان رکن الدین فیروز شاہ بود، پادشاہ زادۂ کریم و نیکو خلق بود و بہمہ اوصاف حمیدہ موصوف" (طبقات ناصری ص ۱۹۷)

---

[۱] طبقات ناصری میں خود مولانا منہاج فرماتے ہین" واین داعی را اسپ و ستام تشریفی فرمودہ کہ ہیچ از ابنائے جنس مثل آن بیافتہ بود" (ص ۲۰۰)

ناصرُالدّین محمودؒ

۶۴۴-۶۶۴ھ

۱۲۴۶-۱۲۶۵ء

شمس الدین التمش اپنے بڑے لڑکے ناصر الدین محمود کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا، مگر اس کا انتقال التمش کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا، لیکن جب اس کا سب سے چھوٹا لڑکا پیدا ہوا، تو اس نے اپنے بڑے لڑکے ہی کے نام پر اس کا نام بھی ناصر الدین محمود رکھا، اور اس کی تعلیم و تربیت خاص طور پر کی،

ناصر الدین محمود کی صالح اور سلیم طبیعت میں بعض ایسے پاکیزہ اوصاف پیدا ہوئے کہ مورخین نے ان کو بڑی گرمجوشی سے بیان کیا ہے، طبقات ناصری کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ اس میں انبیاء کے اخلاق اور اولیاء اللہ کے اوصاف تھے، پھر اس کے تقویٰ، دیانت، زہد، سخاوت، عدل پروری، بردباری اور دوسرے محاسن کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ عہد ماضی میں ایسا بادشاہ نہیں گزرا[1]، کاش ان اوصاف و محاسن کا اجمالی ذکر کرنے کے بجائے ان کی تفصیل لکھ دی جاتی تو اس بادشاہ کی سیرت کس قدر روشن اور قابل قدر نظر آتی لیکن مؤلف مذکور نے کچھ ایسا اختصار سے کام لیا ہے کہ اس نیک دل، پاک طینت اور فرشتہ خصلت بادشاہ کے اخلاق و سیرت کی تفصیل اتنی نہیں لکھی جا سکتی جتنی کہ چاہیے، بہرحال اس معاصر تاریخ کے

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۰۲

علاوہ بعد کی تاریخوں کی مدد سے بھی اس فرمانروا کی تصویر حتی الامکان واضح کرنے کی کوشش کیجائیگی، جب وہ تخت پر ۶۴۴ھ میں بیٹھا تو ارکان سلطنت کے علاوہ سادات و علماء نے بھی آکر اس کو مبارکباد پیش کی[1]، شعرا نے بھی اس موقع پر اس کی مدح میں قصاید کہے اور انعام پائے[2]، طبقات ناصری کے مولف نے جو اس زمانہ کے جید عالم، قابل قدر مورخ اور بلند پایہ شاعر بھی تھے سلطان کی خدمت میں ایک قصیدہ اور قطعہ گذرانا، پہلے قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں :-

آن شہنشاہے کہ حاتم بذل و رستم کوشش است ۔ ناصر دنیا و دین محمود بن التمش ست

آن جہان دارے کہ سقف چرخ از ایوان او ۔ در علوے مرتبت گوئی فرو دین پوشش است

فرق فرقد سادہ است و دست پائے دولتش ۔ فر تاج است و نگین و زیب تخت و باش است

سکہ را از القاب میمونش چہ اللہ از است فخر ۔ خطبہ را ز اسم ہمایونش چہ مایہ نازش است

راحت دلہا است روح عہد او با شرح خلق ۔ بندگی دو دانش زانکہ در آمیزش است

جاکر ایوان او ہر جا کہ ترک و تازگی ۔ بندۂ فرمان او ہر جا کہ ہند و گبرش است

وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین ۔ ہر کرا ز انصاف در چشم بصیرت بینش است

دولتش حساد را در ہر زمان صد شومت است ۔ صولتش احباب را در ہر مکان صد رامش است[3]

قطعہ کے اشعار یہ ہیں :-

شاہ را چو نام خویشش عاقبت محمود باد ۔ نصرت و تائید حق با عزم او مشدود باد

دوستان را زی بقا و دشمنان را زی فنا ۔ نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد

در جہان باب امان از عدل او مفتوح باد ۔ باب بے دادی بہ عہدش مغلق و مسدود باد

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۰۸ [2] تاریخ فرشتہ ج ا ص ۷۱ [3] پورا قصیدہ طبقات ناصری کے ص ۲۰۴-۲۰۴-۲۰۲ پر دیکھیے

چون حسودش شد بطالع از فلک منحوس ورد — طالع او در پناه ایزدی مسعود باد

سفرهٔ ملک جهان را دودهٔ او شمع بس — چهرهٔ اعدائے او در دیدہا چون دود باد

اہل ایمان را ز چتر دراتیش امن و امان آمدست — سایه بان دین حق اند ظل شان ممدود باد

مقصدش بر فضل حق چون تکیه گر دارد مدام — بے توقف شاہ را حاصل ہمہ مقصود باد

خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافته ست — شاہد بخت جوان بر تاج او مشہود باد

در نقش بر مدت احمد مبارک آمده است — ملک محمودی به میمونی مسلم زود باد

داعی دین سلطنت منہاج را وردی دین دعا — تا که باد و خاک و آب و آتش است موجود باد

درویشانہ زندگی ناصر الدین محمود تخت پر بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا، لیکن اس کی زندگی درویشانہ رہی، اسی لئے اس نے اپنے ذاتی اخراجات کا بار شاہی خزانے پر نہیں ڈالا، وہ اچھے قسم کا خطاط تھا، کلام پاک کی کتابت کیا کرتا، اور اس کا جو ہدیہ ملتا، اسی سے گذارہ کرتا، تاریخ فیروز شاہی میں ہے،

"...... سلطان ناصر الدین کہ طبقات بنام اوست بادشاہے، حلیم و کریم بود، و بیشتر نفقہ خود از وجہ کتابت مصحف ساختی" (ص ۲۶)

تقریباً ان ہی الفاظ کے ساتھ سیر الاولیاء کے مولف نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان ناصر الدین کہ طبقات ناصری بنام اوست بادشاہ حلیم و کریم بود و معتقد و بیشتر وجہ معاش خود از وجہ کتابت مصحف ساختے" (ص ۵۱)

ابن بطوطہ رقمطراز ہے:

"یہ بادشاہ نہایت نیک چلن تھا، قرآن شریف کی کتابت کرکے اسکی قیمت سے گزارہ کرتا تھا، قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا، خط اچھا تھا اور

لہ طبقات ناصری ص ۲۰۵، ۲۰۴

کتابت منشیانہ تھی۔" (اردو ترجمہ ص ۷۲)

طبقات اکبری میں ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود سال میں دو کلام پاک کی کتابت کرتا اور ان ہی کے ہدیے سے اپنے اخراجات کی کفالت کرتا، ایک بار ایک امیر نے اس خیال سے کہ سلطان وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے، اس کی قیمت معمول سے کچھ زیادہ دی، سلطان کو یہ معلوم ہوا تو اس کو یہ ناگوار گذرا، اور آیندہ وہ خفیہ طور پر اپنا لکھا ہوا مصحف بازار بھیجتا تاکہ اس کو وہی ہدیہ ملے جو عام طور سے بازار میں دیا جاتا ہے۔[1]

ظاہر ہے کہ اس قلیل آمدنی میں اس کی زندگی کیسی عسرت اور تنگی میں گذرتی ہوگی، اس کے محل میں کوئی خادمہ نہ تھی، ایک روز اس کی بیوی نے اس سے شکایۃً کہا کہ جب میں آپ کے لیے روٹی پکاتی ہوں تو میرے دونوں ہاتھ جل جاتے ہیں، اور ان میں آبلے پڑ جاتے ہیں، سلطان یہ سن کر رونے لگا، پھر اس نے یہ کہا کہ دنیا گذر جانے والی ہے، یہاں اس تکلیف کو برداشت کرکے صبر کرو، قیامت میں خداوند تعالیٰ اس کے اجر میں تم کو تمھاری خدمت کے لیے ایک حور دیگا، ابھی تو میں بیت المال سے تمھارے لیے کوئی کنیز نہیں خرید سکتا، سلطان کی بیوی نے یہ سن کر اس سے اتفاق کیا،[2] واضح رہے کہ سلطان کی بیوی الغ خان (غیاث الدین بلبن) کی لڑکی تھی، یہ الغ خان وہی ہے جس کے دبدبہ وحشمت اور شان وشوکت کی کوئی حد نہ تھی،

حب رسول | اس تقویٰ اور کسر نفسی کے ساتھ اس پر حب رسول کا بھی بڑا غلبہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا زبان پر لانے میں حد درجہ احترام کرتا، اس کے ایک ندیم خاص کا نام محمدؐ تھا، وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا، ایک روز اس نے اس کو تاج الدین

---

[1] طبقات اکبری ص ۷۷، منتخب التواریخ میں ج اص ۹۰ پر ہے "... خود بخفیہ می نوشت تاکسے خط او را نداند وزیادہ از بہا نخرد"۔ [2] منتخب التواریخ ج اص ۹۰ و طبقات اکبری ج اص ۷۷

کہہ کر پکارا، وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کر کے گھر گیا، تو تین دن تک سلطان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، سلطان نے اس کو گھر سے بلا بھیجا، اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اس نے عرض کیا کہ خداوند جہان مجھے ہمیشہ محمدؐ کے نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلاف عادت مجھ کو تاج الدین کے نام سے پکارا گیا، تو مین یہ سمجھا کہ مجھ سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے، اس لیے مین نے اپنی صورت نہین دکھائی، اور یہ تین روز مین نے بڑی بے چینی اور بے قراری مین گذارے، سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ مین تم سے بدگمان نہین ہون، لیکن جب مین نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا، تو اس وقت مین باوضو نہ تھا، مجھے شرم آئی کہ محمدؐ کا نام بے وضو لون[1]،

لینت اور مروت

سلطان کی طبیعت مین لینت اور مروت بھی انتہا درجہ کی تھی، ایک روز وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک سائل اس کے پاس آیا، اس کی نظر ایک ایسی جگہ پر پڑی جہان فیہ فیہ مکرر لکھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ اس جگہ ایک فیہ زائد ہے، سلطان نے قلم و دوات لیکر ایک فیہ کے گرد حلقہ کھینچ دیا، اور سائل کی حاجت روائی کر کے اس کو رخصت کر دیا، اور جب وہ چلا گیا تو سلطان نے قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا، ایک غلام کھڑا ہوا یہ دیکھ رہا تھا، اس نے سلطان سے پوچھا کہ ایک بار حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو دوبارہ مٹانے مین کیا حکمت تھی، سلطان نے کہا کہ وہ ایک سائل کی حیثیت سے آیا تھا، اگر مین اس کی تردید کرتا تو وہ شرمندہ ہوتا، اسی لیے مین نے اس کی خاطر ایک حلقہ کھینچ دیا، اور پھر اس کو مٹا دیا کہ غبار دل دور کرنے سے کاغذ کے نقش کو مٹانا بہت آسان ہے[2]،

اوصاف حمیدہ

عہد مغلیہ کے مورخون مین ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس سلطان کے عجیب و غریب قصے خلفائے راشدین کے حالات زندگی سے ملتے جلتے ہین، اس نے گو

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۸۹، [2] ایضاً

بائیس ۲۲ برس تک حکومت کی لیکن زندگی مین درویشانہ شان برابر قائم رہی، دربار عام مین آتا تو شاہانہ لباس مین ملبوس رہتا لیکن دربار ختم کرنے کے بعد اپنے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتا۔[1] بڑی بڑی فوجی مہم مین بھی شریک ہوا لیکن اس کا زیادہ تر وقت عبادت، ریاضت، تلاوت کلام پاک، شب بیداری اور ذکر اللہ مین گذرتا۔[2] اس کو بادشاہت کی کوئی ہوس نہ تھی، اسی لیے آخر مین اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے وزیر اور خسر الغ خان کے سپرد کردی تھی، جو آگے چل کر غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمان روا بھی ہوا لیکن ناصر الدین نے یہ امانت سپرد کرتے وقت اپنے وزیر سے یہ ناصحانہ اور عارفانہ بات کہی کر

"اپنے تمام اختیارات کی باگ ڈور تمھارے ہاتھ مین دیتا ہوں لیکن کبھی تم کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ کل خدا کے حضور مین اس کا جواب نہ بن پڑے، اور اپنے ساتھ مجھکو بھی شرمندہ کرو۔"[3]

لیکن اس کی اس شان استغنار کے باوجود اس کے دور حکومت کا ذکر آیندہ نسلون نے بڑے فخر و مباہات سے کیا ہے، چنانچہ امیر خسرو رقمطراز ہین:-

بمحمودی شہ روے زمین گشت — بگیتی ناصر دنیا و دین گشت
بسال بیست زاوج پایۂ خویش — جہان می داشت اندر سایۂ خویش
عجب عہدے ہمہ در کامرانی — بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس دادے کمند کینہ را تاب — نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلمان چیرہ دست و ہندوان رام — نہ دانستے کسے از جنس مغل نام

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۸۹ [2] منتخب التواریخ مین ہے "خود اکثر اوقات در حجرہ رفتہ بعبادت وتلاوت و ذکر حق سبحانہ تعالیٰ مشغول می بود" (ص ۸۹، ج ۱) [3] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۸۹

شہے در ذاتش از یزدان شکوہے | ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی | با مرش بندگان در کار شاہی
چنین تا دور او ہم بر سر آمد | جہان را نوبتے دیگر در آمد[1]

مودت مشائخ | سلطان ناصرالدین محمود پر اس کے باپ سلطان شمس الدین التمش کا مذہبی رنگ غالب تھا، اور پھر ایک عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار کی حیثیت سے اس کا جو خاص انداز طبیعت بن گیا تھا، اس کی بنا پر یہ لکھنے کی ضرورت نہین کہ اس کو مشائخ اور علماء سے کیسا شغف رہا ہوگا، طبقات ناصری مین ہے کہ اس کو مشائخ سے بڑی "مودت" اور علماء سے بڑی "محبت" تھی[2]، فرشتہ کا بیان ہے کہ

"صلحاء و علماء را دوست داشتے" (ج ۱ ص ۱۷)

لیکن افسوس ہے کہ جن صلحاء و مشائخ سے اس کے خاص تعلقات تھے، ان کا ذکر مورخون نے نہین کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے باپ ہی کی طرح اکابر صوفیہ اور مشائخ کا گرویدہ و شیفتہ رہا ہوگا، بلکہ بزرگان چشت مین سے کسی سے بیعت بھی کی ہوگی، تذکرون مین سے مراۃ الاسرار مین ہے کہ

"ویرا بخدمت گنج شکر اعتقاد تمام بود" (ورق ۱۴۳۱)

خزینۃ الاصفیا مین ہے کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے نکاح مین الغ خان کی لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھین، خزینۃ الاصفیا گو حال کا تذکرہ ہے، لیکن غیر مستند نہین سمجھا جاتا، اس کی یہ روایت کسی قدیم مستند ماخذ ہی پر مبنی ہوگی، الغ خان کی ایک لڑکی سلطان ناصرالدین محمود کی ملکہ بنکر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی تو کیا تعجب کہ الغ خان نے درویشون کے سلطان بابا فریدالدین گنج شکر کے حبالۂ عقد مین اپنی ایک لڑکی دیکر اس کو بھی فقر و فاقہ کی

---

[1] مثنوی دول رانی خضر خان مطبوعہ علی گڈھ ص ۵۰ - ۴۹ [2] طبقات ناصری ص ۲۰۷

زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کرلیا ہو، اس لحاظ سے سلطان ناصر الدین محمود حضرت بابا صاحب کا ہمزلف ہوا، دونون مین اور گہرے تعلقات پیدا ہو گئے ہون گے، لیکن ان تعلقات کا ذکر معاصر تاریخون اور تذکرون مین کہین نہین ہو ملفوظات خواجگان چشت مین ایک دو روایتین ایسی ضرور ہین جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا صاحب سے بڑی عقیدت تھی، بلکہ خواجگانِ چشت بھی اس کا احترام کرتے تھے، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ نے اس کے نام کے ساتھ انار اللہ برہانہ اور رحمۃ اللہ علیہ کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہین، جو عموماً صلحا و اخیار کے لیے لکھے جاتے ہین، فوائد الفواد مین ان ہی کی زبان مبارک سے یہ روایت ہے کہ

"جب کہ سلطان ناصر الدین انار اللہ برہانہ کا ملتان کی طرف جانا ہوا، تو راستہ مین اجودھن پڑا، سلطان غیاث الدین طاب اللہ ثراہ کی حیثیت اس وقت الغ خان کی تھی، وہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ العزیز کی زیارت کو آیا، کچھ نقد رقم پیش کی، اور چار گاؤن کے چار فرامین شیخ کے سامنے رکھے، شیخ نے فرمایا یہ کیا ہے، الغ خان نے کہا یہ نقد رقم اور چار گاؤن کے فرامین خدمت مین لایا ہون نقد رقم تو درویشون کے لیے اور فرامین آپ کے نام ہین، شیخ الاسلام مسکرائے اور فرمایا کہ یہ نقد تو مجھکو دیدو، درویشون کی ذات مین خرچ کرون گا، لیکن یہ فرامین واپس لے جاؤ، اس کے بہت سے اور طالب ہین، ان ہی کو دو۔" (ص ۹۹)

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات راحت القلوب مین جس کے بارہ مین یہ عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیا، یہ روایت اس طرح درج ہے،

"وقتے سلطان ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ بدست سلطان غیاث الدین بلبن کہ طرف ملتان آمدہ بود بزیارت دعاگوئے آمدند، چہار مثال از ان چہار دیہہ وچیزے نقد از نام

خدمتے بر دعاگوئی آورد، وند از انجملہ چہار دیہہ جہت شیخ الاسلام و نقد از جہت درویشان دعاگوئی تسلیم کرد، وگفت، این راپیشتر برد کہ طالبان این بسیار اند، بدیشان دہ کہ خواجگان ومشائخ ما ازین بابت ہیچ چیز قبول نہ کردہ اند" (ص ۳۲-۳۱)

سیرالاولیاء کے مصنف نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی یہ روایت سن کر اس کو اس طرح لکھا ہے،

"سلطان ناصرالدین نہروالہ کے پاس پہنچا تو اس کی خواہش ہوئی کہ اجودھن جائے اور شیخ شیوخ العالم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے، سلطان غیاث الدین نے جو اس وقت الغ خان تھا، نائب مملکت اور سلطان ناصرالدین کا خسر تھا، سلطان سے کہا کہ فوج بڑی ہے، اجودھن کے راستے مین پانی نہیں ہے، اگر حکم ہو تو مین خود شیخ شیوخ العالم کی خدمت مین جاکر ہدیے اور فتوح پیش کرون، سلطان غیاث الدین کو اس زمانہ مین سلطنت کی ہوس پیدا ہو گئی تھی، اس نے سوچا کہ اگر واقعی میرے نصیب مین یہ چیز ہے اور سلطنت کا تخت مجھکو پہنچنے والا ہے تو اس بارہ مین شیخ شیوخ العالم مجھ سے ضرور کچھ کہین گے، یہ سوچ کر شاہی فرمان لیکر ان کی خدمت مین پہنچا، جس مین کچھ نقرئی سکے اور چار گاؤن کے عطا کیے جانے کا حکم تھا، الغ خان نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور چاندی کی نقدی اور چار گاؤں کا فرمان سامنے رکھا، شیخ شیوخ العالم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟، الغ خان نے کہا کہ یہ روپے (سیم) ہین، اور یہ آپ کے لیے چار گاؤن کا فرمان ہے، شیخ شیوخ العالم مسکرائے اور فرمایا کہ نقد تو مجھ کو دے دو، درویشون مین خرچ کر دوں گا، اور گاؤں کا فرمان لے جاؤ کہ اس کے طلبگار بہت سے اور ہین، اسکے بعد الغ خان کے دل مین جو بات تھی اس کا شیخ شیوخ العالم کو کشف ہوا اور زبان مبارک سے یہ شعر پڑھے

فریدون فرخ فرشتہ نبود ... ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود

ز داد و دہش یافت آن نیکوئی ... تو داد و دہش کن فریدون توئی

یہ سنکر الغ خان نے اس کو گرہ مین باندھ لیا، زمین چومی اور خوش خوش وہان سے اٹھا،[لہ]

سیر الاولیاء کے مصنف نے اس روایت کے لکھنے سے پہلے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ سلطان ناصر الدین اوچہ و ملتان کی طرف گیا تو اس کا پورا لشکر حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو آیا، لشکر کی بھیڑ بھاڑ سے وہ جگہ یعنی اجودھن خراب ہونے لگا، شیخ کی آستین کوٹھے پر سے ایک گلی مین لٹکا دی گئی، تو تمام لوگ آئے اور اس کا بوسہ دیا، یہان تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، پھر شیخ مسجد تشریف لائے، مریدون سے فرمایا کہ میرے گرد حلقہ کرلو، تاکہ اس حلقہ کے اندر لوگ نہ آنے پائین اور دور ہی سے سلام کرکے واپس ہوجائین، مریدون نے ایسا ہی کیا، لیکن ایک بوڑھا فراش مریدون کے دائرہ مین چلا آیا، شیخ کے قدمون پر گر پڑا، اور پھر پائے مبارک کو پکڑ کر کھینچا، اور اس کا بوسہ دیا، اور بولا کہ شیخ فرید تم ہم لوگون سے تنگ آگئے ہو، لیکن خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، جب شیخ نے یہ بات سنی تو ایک نعرہ لگایا، اور فراش کو نوازا اور اس سے بہت معذرت کی"۔

اس لشکر کے ساتھ سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا گنج شکر کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، سیر الاولیاء نے مذکورہ بالا روایت غالباً فوائد الفواد سے لی ہے، جس مین یہ روایت اس طرح شروع کی گئی ہے:

"در آنچہ سلطان ناصر الدین جانب اوچہ و ملتان، روان شد درمیان اجودھن رفت ..... (ص ۱۸۵)

لہ سیر الاولیاء ص ۸۰ - ۷۹، ایک ہی روایت مختلف کتابون سے اس لیے بھی نقل کی جارہی ہے کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ایک ہی روایت تھوڑے سے تصرف سے کیا سے کیا بن جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونون روایتین بظاہر علٰحدہ علٰحدہ موقع کی معلوم ہوتی ہین، فوائد الفواد مین بھی یہ دونون روایتین علٰحدہ علٰحدہ اوقات مین بیان کی گئی ہین لیکن فرشتہ نے ان دونون روایتون کو ایک ہی ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ

"اس زمانہ مین بادشاہ ناصر الدین شہریار دہلی اوچہ و ملتان کی طرف تھا، اس کا گذر اجودھن کی طرف ہوا، تو اس کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف ہوا، شیخ کی حقیقت حال سے واقف ہو کر واپس گیا، تو چار بڑے گاؤن کا فرمان اور کچھ نقد دے کر الغ خان کو جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، شیخ کے پاس بھیجا، شیخ نے دیہات کے فرمان کو تو رد کر دیا کہ فقیر کو دیہات سے کیا کام، اور نقد روپے قبول کر کے جماعت خانہ کے درویشون کو دیدیا"

(فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۰)

علماء سے گرویدگی یون تو سلطان ناصر الدین محمود کو اپنے عہد کے تمام اکابر علماء سے شیفتگی رہی ہو گی، لیکن طبقات ناصری کے مختصر و اجمالی بیان سے ہم کو صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اس کو قاضی منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی (مولف طبقات ناصری) سے بڑی گرویدگی تھی، جو اس کے ساتھ حضر و سفر مین برابر ساتھ رہتے تھے، سنہ ۶۴۴ھ مین سلطان ملتان، لاہور، جود اور نندانہ کی مہم پر گیا تو مولانا منہاج الدین اس کے شاہی جلو مین تھے، اور جب فوج واپس آنے لگی تو عید اضحیٰ کی نماز جالندھر مین پڑھی گئی، یہ نماز مولانا منہاج ہی نے پڑھائی، اور اس روز سلطان نے ان کو جبہ، دستار اور ایک گھوڑے کے علاوہ دوسرے شاہانہ انعامات سے بھی نوازا،[1] سنہ ۶۴۵ھ مین سلطان، الغ خان کے ساتھ قنوج کے پاس تلسندہ[2] کے قلعہ کی تسخیر کے لیے گیا، تو مولانا بھی اس مہم مین شریک تھے، اس جنگ کو مولانا نے منظوم بھی کیا، اور اپنے مربی کے نام پر ناصری نامہ رکھا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۰ [2] طبقات ناصری ص ۲۱۰ پر نندنہ اور تلندہ بھی مرقوم ہے،

سلطان نے اس کے صلہ مین ان کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کیا، اس جنگ کا سہرا الغ خان کے سر رہا تھا، اس لیے نظم مین اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی، الغ خان نے ازراہ قدردانی مولانا کو ہانسی مین ایک گاؤن بطور انعام دیا۔[1] سنہ ۶۴۷ھ مین سلطان محمود نے ان کو شاہی خلعت اور سو غلام انعام مین دیے، ان غلامون کو انھون نے اپنی ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجا،[2] پھر سنہ ۶۵۰ھ مین بھی کیتھل سے رخصت ہوتے وقت سلطان نے ان کو گھوڑے اور خلعت خاص وغیرہ انعام مین عطا کیے،[3] لیکن سنہ ۶۵۱ھ مین جب خواجہ سرا امام الدین ریحان کی سازشون سے الغ خان کو پایہ تخت دہلی سے دور کر دیا گیا تو مولانا منہاج کے بھی برے دن آگئے، الغ خان کی عدم موجودگی مین زیادہ تر گھر کے اندر کواڑ بند کیے پڑے رہتے، اور ذاتی دشمنون کی وجہ سے جامع مسجد بھی جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے نہین جاتے لیکن سنہ ۶۵۲ھ مین وزارت صدر الملک نجم الدین ابوبکر کو دی گئی تو مولانا منہاج کے اچھے دن پھر پلٹے، اور سلطان نے ان کو صدر جہان کے لقب سے سرفراز کیا،[4] اور سنہ ۶۵۳ھ مین دہلی اور تمام سلطنت کے پھر قاضی بنائے گئے، اسی سال الغ خان کا اقتدار از سر نو قائم ہوا، تو پھر آخر عمر تک مولانا منہاج الدین سلطان اور نائب سلطان کی نوازشون سے سیراب ہوتے رہے، سلطان ناصر الدین محمود اور الغ خان دونون مولانا منہاج الدین کو اس وجہ سے بھی عزیز رکھتے تھے کہ وہ بڑے اچھے واعظ اور صاحب دل بزرگ بھی تھے، فوائد الفواد مین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہین کہ دہلی مین قاضی منہاج کا وعظ ہر دوشنبہ کو ہوتا، تو وہ بھی اس مین شریک ہوتے، ان کا خود بیان ہے کہ ایک روز اپنے وعظ مین قاضی منہاج نے حسب ذیل رباعی پڑھی،

لب بر لب دلبران خوش کردن
وآہنگ سر زلف مشوش کردن

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۰-۲۱۱ [2] ایضاً ص ۲۱۴ [3] ایضاً ص ۲۱۷ [4] ایضاً ص ۲۱۹-۲۱۸

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست | خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

تو یہ رباعی سنکر از خود رفتہ ہو گئے، اور کچھ دیر کے بعد ہوش مین آئے، وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ قاضی منہاج صاحب ذوق بھی تھے، ایک روز ان کو شیخ بدر الدین غزنویؒ کے گھر بلایا گیا، دوشنبہ کا دن تھا، انھون نے وعدہ کیا کہ وعظ کے بعد آئین گے، اور جب مجلسِ وعظ ختم ہوئی تو تشریف لائے، مجلس سماع مین ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی دستار اور کپڑے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے[1]،

مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے بھی قاضی منہاج کے بزرگ او اہل دل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"صاحب طبقات ناصری بزرگ بود، از فاضل روزگار از اہل وجد و سماع بود،
چون قاضی شد این کار استقامت گرفت[2]"

تدوین طبقات ناصری ۶۵۸ھ مین قاضی منہاج الدین نے ستر برس کی عمر مین اپنی مشہور و معروف تاریخ طبقات ناصری ختم کر کے سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت مین پیش کی، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اسی کے نام پر اس کتاب کو موسوم کیا، اور موسوم کرتے وقت یہ اشعار لکھے جن مین اپنے علمی عیوب کی معافی کے خواستگار ہوئے ہین،

ہرچہ گردم سماع بنوشتم | اصل نقل و سماع گوش بود
درگذارد خطا چو دید کریم | زانکہ با عز و عقل و ہوش بود
ہر کہ او ذوق بہتری دریافت | نزو صبرش صبر چو نوش بود
دامن عفو پروریش مدام | در رہ علم عیب پوش بود
بدعا یاد دار دوش منہاج | گرچہ اندر قفس خموش بود[3]

[1] فوائد الفواد ص ۱۹۱، [2] اخبار الاخیار ص ۴۴، [3] طبقات ناصری ص ۴

سلطان ناصرالدین محمود نے مولانا کی علمی کاوشوں کو بڑا سراہا، اور غایت قدردانی میں اپنے کندھے کی چادر اتار کر ان کو دیدی، اور پھر خلعت کے علاوہ دس ہزار جیتل کا سالانہ وظیفہ، ایک گاؤں اور دوسرے انعامات بھی دیے، مولانا خود فرماتے ہیں:

"چون این تاریخ بخدمت سلطان ناصرالدنیا والدین خلد اللہ سلطانہ عرض افتاد خلعت بادشاہی فرمود و وثیقہ ممزوج باستجاب خاص کہ برکتف مبارک او بود بداعی داد و مشروحی وہر سالے دہ ہزار جیتل ویکپارۂ دیہہ انعام فرمود" (ص ۲۵۲)

مولانا نے اپنی تاریخ کا ایک نسخہ الغ خان کی خدمت میں بھی گذرانا، تو اس نے انعام میں حسب ذیل چیزیں دیں:

"بیست ہزار جیتل سدود ماہی صباحی وگلدستہ استجاب وگلدستہ روباہ"

مولانا نے ان انعامات کا شکریہ حسب ذیل قطعہ میں ادا کیا، جو انھوں نے اس نسخہ کی پشت پر لکھ دیا تھا۔

شہریار جہان الغ خان آنکہ	خان البرزیست وشاہ سمک
ہر کہ از حضرتش قبولی یافت	پیش ہرگز نگشت رد بفلک
پیش او کیست حاتم طائی	نزد او چیست یحیی برمک
کرد از لوح خاطر منہاج	غصۂ دہر را باحسان حک
بشنود این سخن زمن ہمہ خلق	از طریق یقین نہ از رہ شک
نود و نہ مرا است قسم کرم	دیگران را ہمہ از آن صدیک
ہر دعائے کہ گویمش از جان	کند آمین آن بصدق ملک[1]

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۵۳-۲۵۲

طبقات ناصری ہر زمانہ مین ایک اہم اور کارآمد تاریخ سمجھی گئی ہے، یہ کتاب ۲۳ طبقات مین منقسم ہے، جس مین آفرینش عالم سے ۶۵۸ھ (مطابق ۱۲۶۱ء) تک کے تاریخی واقعات درج ہین ان مین سب سے زیادہ مفید ابواب (یعنی طبقات ۱۱، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳) سلاطین غزنی وغور، ملوک معزی اور قطب الدین ایبک سے ناصر الدین محمود تک کے سلاطین دہلی اور ان کے امراء کے حالات مین ہین، آخری باب فتنۂ مغول پر ہے جو مولف کی زندگی مین برپا ہوا، ان ہی ابواب کو کپتان لیس، مولوی خادم حسین اور مولوی عبد الحی نے مشترکہ طور پر اڈٹ کرکے طبقات ناصری کے نام سے ۱۸۶۴ء مین بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع کیا ہے، ۱۹۴۹ء مین آقا عبد الحی حبیبی قندھاری نے کوئٹہ سے طبقات ناصری کا جو نسخہ شائع کیا ہے، وہ بھی نا مکمل ہے، لیکن شروع سے لیکر اکیسوین طبقہ تک مشتمل ہے، انگریزی دان اہل علم مین یہ کتاب میجر ایچ، جی راورٹی کے ذریعہ متعارف ہوئی، جس نے اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۱ء مین بڑی محنت و لیاقت سے کیا، اور اس مین اتنے مفید حواشی لکھے کہ ترجمہ اصل سے زیادہ اہم ہوگیا ہے، لیکن میجر راورٹی نے شروع کے چھ طبقات اپنے ترجمے مین حذف کر دیے ہین، اس لیے یہ ترجمہ بھی پوری کتاب کو منظر عام پر نہ لا سکا، اور ابھی تک اس مشہور و معروف مورخ کی پوری کتاب ایک ساتھ طبع نہ ہو سکی ہے، حالانکہ ادب و انشا، اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے یہ اب بھی لائق داد و ستایش ہے، جیسا کہ آقا عبد الحی حبیبی رقمطراز ہین:

"مولف دانشور این کتاب (طبقات ناصری) یکے از نویسندگان معروف و زبردست زبان پارسی است کہ کتابش از حیث سلاست و روانی انشا، بے نظیر است وہم در ضبط وقایع تاریخی و مشاہدات خود مولف یکے از آثار برجستہ بشمار می آید۔"[1]

---

[1] طبقات ناصری مرتبہ عبد الحی حبیبی ص ۱

دہلی کے ملوک سلاطین پر دو ہی معاصر تاریخین ہین۔ ایک تاج المآثر اور دوسری طبقات
ناصری، پہلے کہا جاچکا ہے کہ تاج المآثر اپنی مسجع اور مقفی عبارت کی وجہ سے زیادہ مقبول عام نہ ہوسکی،
اس کے برخلاف طبقات ناصری کچھ ایسی سادہ، سلیس اور عام فہم عبارت مین لکھی ہوئی ہے کہ پڑھنے
والون پر یہ اثر ہوتا ہے کہ مؤلف نے تمام واقعات کو حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے
سادے طریقے پر لکھنے کی کوشش کی ہے، اس لیے اس مین جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو صحیح اور مستند سمجھنے
مین کوئی تامل نہین ہوتا ہے، مؤلف نے جابجا ایسے ماخذون کا بھی حوالہ دیا ہے، جن کے ذریعہ سے انکو
معلومات حاصل ہوئے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو واقعات کی تلاش اور جستجو رہی، وہ خود
ہی سلاطین و امراء سے ایسے قریب رہتے کہ ان کو براہ راست سارے معلومات حاصل ہوتے رہے،
اگر وہ جزوی تفصیلات لکھنا چاہتے تو آسانی سے لکھ سکتے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ پورے عالم اسلام کی
ایک اجمالی تاریخ لکھنے بیٹھے تھے، اس مین جزئیات قلمبند کرنے کی کہان گنجائش ہوسکتی تھی، البتہ
اب جبکہ ان کی تاریخ ہی سلاطین دہلی کے ابتدائی دور کا ایک اہم بلکہ واحد ماخذ رہ گیا ہے،
تو یہ فطری طور پر خواہش ہوتی ہے کہ ان کو اختصار سے کام لینا نہ چاہیے تھا۔ بعض جگہ تو
انھون نے اتنا اختصار برتا ہے کہ ضروری واقعات بھی رہ گئے ہین، جو کسی اور ماخذ کے ذریعہ سے
معلوم ہوتے ہین، اور پھر جبکہ مورخون کا نقطۂ نظر بھی بدل رہا ہے، اور وہ نہ صرف سیاسی واقعات
اور فوجی محاربات ہی کی تفصیل پڑھنا چاہتے ہین، بلکہ ان کو اس دور کے معاشرتی، عمرانی، علمی
اور اقتصادی حالات کی بھی تلاش ہوتی ہے، تو اس لحاظ سے طبقات ناصری مین معلومات
بہت ہی کم ہین، فاضل مؤلف اپنے عہد کے ایک جید عالم، صاحب دل صوفی اور ممتاز شاعر
بھی تھے، ظاہر ہے کہ ان کو اپنے معاصر علماء، مشائخ اور شعراء سے گہرا تعلق رہا ہوگا، لیکن افسوس ہے
کہ ان کا بھی ذکر بہت ہی خال خال کرتے ہین، اگر وہ ان کا ذکر اسی طرح کرتے جس طرح کہ ملا

عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ مین کیا ہے، تو اس دور کی علمی تاریخ بہت ہی روشن نظر آتی، لیکن ان خامیون کے باوجود یہ کتاب جس زمانہ مین لکھی گئی، اس کے لحاظ سے اس کے محاسن مین کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، اور ہندوستان کے مملوک سلاطین کے عہد کے لیے یہ تاریخ بہت ہی قیمتی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہر دور کے مورخ اس سے استفادہ کرتے رہے ہین، یہ تاریخ ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) یعنی ناصر الدین محمود کی وفات سے پہلے ہی ختم کردی گئی تھی، اور فاضل مؤلف بلبن کی تخت نشینی کے وقت تک زندہ تھے لیکن انھون نے ۶۵۸ھ کے بعد کی تاریخ نہیں لکھی، مولانا ضیاء الدین برنی نے عہد بلبنی سے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی ہے، اس طرح ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) سے ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) تک کی کوئی تاریخ نہین، اور یہ آٹھ برس کا زمانہ کسی معاصر تاریخ کے بغیر نظر آتا ہے، تاریخ فرشتہ مین عین الدین بیجاپوری کی ملحقات طبقات ناصری کا ذکر جا بجا آتا ہے، اس سے فرشتہ نے کچھ ایسے معلومات حاصل کیے ہین جو اور تاریخون مین نہین ہین، شاید یہ تاریخ طبقات ناصری کا تتمہ ہو، لیکن اب ملحقات طبقات ناصری کا ایک نسخہ بھی کہیں نہیں پایا جاتا ہے،

علماء کی سرپرستی سلطان ناصر الدین محمود نے مولانا منہاج الدین کے علاوہ اور جن دوسرے علماء سے تعلقات رکھے ان کے نام یہ ہین: شیخ عماد الدین شنقورقانی، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، شیخ الاسلام حضرت جمال الدین بسطامی، اور مولانا سید قطب الدین،

شیخ عماد الدین شیخ عماد الدین شنقورقانی جید عالم اور فقیہ تھے، سلطان مسعود کے زمانے مین قاضی ممالک مقرر ہوئے تھے، ناصر الدین محمود کے عہد مین بھی ۶۴۶ھ تک اس عہدہ پر مامور رہے، لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصر الدین محمود نے ان کو اس منصب سے معزول کرکے بدایون بھیجدیا جہان عماد الدین ریحان کے حکم سے شہید کر دیے گئے[1]،

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۳

قاضی جلال الدین کاشانی

ان کے بعد قاضی جلال الدین کاشانی ۶۴۷ھ مین اودھ سے بلواکر قاضی ممالک کے عہدہ پر فائز کیے گئے[1]، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

شمس الدین بہرائچی

سلطان ناصر الدین محمود جب بہرائچ کا اقطاع دار تھا، تو اس نے قاضی شمس الدین کو یہان کا قاضی مقرر کیا، وہ ان کے فضل وکمال سے متاثر تھا، اس لیے انکو اس کے یہان بڑا رسوخ حاصل ہوگیا، اور جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے ان کو دہلی بلاکر یہان کا قاضی بنایا، وہ اس کے اور کامون مین بھی مشیر کی حیثیت سے دخیل رہے، ان کا یہ رسوخ دوسرے ارکان سلطنت کو پسند نہ آیا، اس لیے وہ اپنے عہدے سے الگ کردیے گئے، ۶۵۵ھ مین امراء نے سلطان محمود کے خلاف بغاوت کی تو قاضی شمس الدین بھی متہم ہوئے، اور ان کو دہلی سے شہر بدر کرکے بہرائچ بھیجدیا گیا، جہان وہ آخر عمر تک رہے[2]۔

جمال الدین بسطامی

سلطان ناصر الدین مولانا جمال الدین بسطامی کی دینداری اور تقوی کا معترف تھا، اس لیے ان کو اپنی سلطنت کا شیخ الاسلام بنایا، لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور اس عہدہ پر صرف چار سال رہ کر ۶۵۷ھ مین وفات پائی[3]،

مولانا قطب الدین

اس عہد مین مولانا سید قطب الدین بھی نمایان رہے، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے جب کہ وہ معزالدین بہرام شاہ کے زمانہ مین شیخ الاسلام کی حیثیت سے سیاسی کامون مین بھی پیش پیش رہے، ۶۵۵ھ مین امرا نے سلطان محمود کے خلاف سازش کی، تو مولانا سید قطب الدین پر بھی قاضی شمس الدین بہرائچی کے ساتھ کچھ اتہام رکھا گیا، اور ان کو دہلی چھوڑنا پڑا[4]،

شعراء

دربار کے شعراء مین مولانا منہاج الدین اور عمید الدین سنامی خاص طور پر ذکر کیے جانے کے لائق ہین

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۳ [2] ایضاً ص ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۳ و نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۱۹۶، [3] طبقات ناصری ص ۲۲۹، ۲۲۰ [4] ایضاً

مولانا منہاج الدین کو ہم ایک عالم، ایک واعظ اور ایک مورخ کی حیثیت سے روشناس کرا چکے ہیں، ان کے اشعار بھی ہم جا بجا نقل کرتے آئے ہیں جن سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہو گا کہ وہ اپنے زمانے کے ایک قابل قدر شاعر بھی تھے، دربار میں جب کوئی اہم تقریب ہوتی تو اس موقع پر مولانا کو کوئی قصیدہ یا قطعہ پیش کرنے کا موقع ضرور دیا جاتا، ۶۵۸ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا ایلچی دہلی آیا، تو سلطان ناصر الدین محمود کے نائب الغ خان نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کا شاندار خیر مقدم کیا، اس کے استقبال کے لیے دہلی کے باہر دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار زرق برق لباس پہنے ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ کھڑے تھے، دو ہزار عماری دار جنگی ہاتھی مع آتشیں اسلحہ کے جھوم رہے تھے، ان کے ساتھ شہر کے خواص و عوام کی جماعت بھی بیس صفوں میں یکے بعد دیگرے ایستادہ تھی، امراء اور ملوک بھی اپنی اپنی ٹولیوں میں علم اور جھنڈے کے ساتھ جا بجا متعین تھے، طبل اور دمامے بھی بکثرت تھے، ڈھول اور باجوں کی آواز، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لوگوں کے شور و غوغا سے ایک پرشکوہ اور پرہیبت منظر پیدا ہو رہا تھا، ترکستانی ایلچی اور اس کے ہمراہیوں پر اس کے نظارے سے ایک لرزہ طاری ہو گیا، الغ خان نے اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ اسی لیے کرایا تھا کہ چنگیز خانی مرعوب ہو کر دہلی کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کریں، جب یہ سفارتی مشن لشکریوں کے حربی کمالات اور ہاتھیوں کے فوجی کرتب دیکھتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور دربار میں آیا تو وہاں شاہی رعب و دبدبہ اور بھی زیادہ نظر آیا، دربار نقرئی و طلائی فرش فروش سے مرصع و مکلف تھا، شاہی تخت کی زینت و آرائش پورے کر و فر سے کی گئی تھی، اس کے ہر طرف لعل و جواہر آویزاں تھے، اس کے ارد گرد ملوک، امراء، علماء، مشائخ، ترک شہزادے، اور قوی ہیکل پہلوان، راجا اور رانا بہترین لباس میں ملبوس کھڑے تھے، پورا دربار بہشت کا نمونہ معلوم

ہو رہا تھا، اس بزم نشاط کے موقع پر مولانا منہاج الدین نے حسب ذیل فارسی قصیدہ سنایا جس کے پہلے دو شعر عربی کے تھے،[1]

قد صادف الرضوان ایام الوری — من روح هذا البزم للسلطان

لا زال یبقی فی جلالة ملکه — و مزید امکان و رفعة شان

زہے جشنے کزو اطراف چون خلد برین گشتہ — خہی بزمے کزو اکناف عدل آئین گشتہ

ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او — تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ

ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التتمش — ملک از دولتش دعا خواندہ فلک پیشش زمین گشتہ

شہنشاہی کہ در عالم بفیض فضل ربانی — سزائے چتر شاہی لائق تخت و نگین گشتہ

چو خاقانان کین آور چو سلطانان دین پرور — بدل ماحی کفر است و بجان حامی دین گشتہ

مبارکباد بر اسلام این بزم شہ عالم — کزین ترتیب ہندستان بسی خوشتر ز چین گشتہ

ہمین از جملہ شاہان باد ہر بندہ ز درگاہش — چو منہاج سراج از جان دعا گوئی ہمین گشتہ

تذکرہ نویسوں نے بھی مولانا منہاج کی سخنوری کی داد دی ہے، صبح گلشن میں ان کے اور ان کے والد بزرگوار کے نام اور تخلص کو خلط ملط کر دیا ہے، لیکن مؤلف نے صاحب طبقات ناصری کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"از جمیع علوم حظے وافی داشت۔ و طبقات ناصری بنام ناصر الدین محمود نگاشت" (ص ۲۰۰)

لیکن اس کے نیچے جو دو رباعیاں لکھی ہیں،[2] وہ مولانا منہاج کی نہیں ہیں، بلکہ انکے والد بزرگوار

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۳ [2] وہ دونوں رباعیاں یہ ہیں:

(۱)
دل را برخ خوب تو میل افتادہ است — جان دیدہ بامید لبت بکشادہ است
چشم آب زن خاک درت خواہد بود — گر عمر وفا کند قرار این دادہ است

(۲)
آن دل کہ بہ ہجر درنا کش کردی — از ہر شادی کہ بود پا کش کردی
از خوے تو آگہم کہ ناگہ ناگہ — از دور افتادہ کہ ہلاکش کردی

کی بتائی جاتی ہین،

شمس دبیر ملا عبد القادر بدایونی نے مولانا شمس دبیر کو بھی عہد ناصری ہی کا شاعر بتایا ہے لیکن ہم نے ان کا ذکر سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود کے درباری شعرا مین کیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا،

عمید سنامی ملا عبد القادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد مین امیر فخر الدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے، اور سلطان کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کر کے اس کو بھی اس کے مدح خوانون مین شمار کیا ہے، اس قصیدہ مین شاعر نے اپنی جدت طبع کی بنا پر ایک انوکھی ردیف "ناخن" کا انتخاب کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس مشکل ردیف مین مضامین کا تنوع پیدا کرنا آسان نہ تھا، پھر بھی شاعر نے اچھوتی تشبیہات وتمثیلات سے قصیدہ کو پرلطف اور دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے، تشبیب کے پہلے ہی شعر مین تجنیس لفظی سے ایک ایسا تخیل پیش کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو حظ حاصل ہوتا ہے، "ناخن" کے لحاظ سے "چنگ" اور چنگ کی رعایت سے "زخمہ" لایا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے مطربۂ فلک ناہید بھی لاکر کھڑی کی گئی ہے، اور ناخن جیسے غیر شاعرانہ لفظ کی ردیف مین یہ شاعرانہ تخیل پیش کیا گیا ہے کہ جب میرا معشوق چنگ اٹھاتا ہے، اور اپنے ناخن پر زخمہ باندھتا ہے تو اس کے ناخن سے ناہید یعنی زہرہ کے جگر پر غیرت سے سو زخم پڑ جاتے ہین، یعنی جب میرا معشوق ناخن سے چنگ بجاتا ہے، تو ناہید غیرت سے بے جان ہو جاتی ہے، اس شعر مین "زخمہ" اور "زخم" کی تجنیس بھی لائق توجہ ہے،

چو بردارد نگارم چنگ، بندد زخمہ بر ناخن ‌‌ ‌‌ زند ناہید را صد زخم غیرت بر جگر ناخن

ناہید کا رشک سے جو برا حال ہو جاتا ہے، اس کو دوسرے انداز مین بیان کیا گیا ہے،

زرشک چنگ او ناہید را تب گیرد آن ساعت ‌‌ ‌‌ کبود ش گردد از تاثیر آن تب سر بسر ناخن

تیسرے شعر مین "خشک وتر" لاکر صنعت طباق کے ساتھ ایک عجیب و غریب تخیل پیش کیا ہے، ناخن کے ساتھ حنا کا تخیل آنا ضروری تھا، اب شاعر کہتا ہے کہ معشوق کے ناخن کی حنا کو "خونی" سمجھو، اور یہ خون کہان سے آیا، جب اس نے خشک نے کی طرح چنگ بجانا شروع کیا، تو گویا چنگ کی مضراب سے اس طرح خون پیدا ہوا کہ معشوق کے ناخن رنگین یعنی حنائی ہو گئے، خون کے لحاظ سے "رگ" اور رگ، مضراب کی مناسبت سے ہے،

حنا بہ ناخنش خونین شمر کہ وقت رگ جستن | ز چنگ خشک نے ناگہ بجست و کرد تر ناخن

اس کے بعد شعر مین بھی نئی قسم کی تخییل ہے، یعنی شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ اگر چھیڑ چھاڑ مین میرے ناخن سے تیرا لب چھل جائے تو اس سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہین، کیونکہ یہ ناخن کبھی کبھی چاشنی کی خاطر شکر مین بھی ڈال دیے جاتے ہین،

بہ بازی ناخنِ من گر لبت راخست از ین مشکن | کہ بہر چاشنی دارند گہ گہ در شکر ناخن

سر ناخن کو غمزہ کی تمثیل دیتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

سر ناخن چو غمزہ تیز دارا ے جان کہ چنگے را | بر انگشتان نباشد جز بہ تیزی معتبر ناخن

حسب ذیل شعر کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

بیا در دہ بلطف ای مہر دل داری کہ بار وبیت | عروس ماہ خون دل ز رشک آورد در ناخن

مئے چون خون خرگوشم بیاد مجلسِ شاہی | کہ قہرا و بکند از پنجۂ شیران نر ناخن

مدح کے بھی ہر شعر مین عجیب و غریب تخئیلات و تمثیلات نئے نئے زاویے سے پیش کیے گئے ہین، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین،

شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود کز عدلش | بمنقار افگلند تیہو ز باز تیز پر ناخن

ز جور چرخ کار خصمش آمد در ضرر شاید | کہ از حجام نا استاد باشد در ضرر ناخن

سرش بر ذروهٔ قلست[1] با تیغ سر اندازان / چو اندر معرض تعلیم بر حکم خبیر ناخن

سزد گر ز هیبت شاهین عدلش در گریز اکنون / چو بر ناخن بیند از دو عقاب نیشتر ناخن

جهان پندار از بے ناخنی و تنگی طعمه / کہ ناخن عاریت خواہد ز کلک مختصر ناخن

برائے آنکہ پیش قدرش از غیرت سری خارد / فلک ہر ماہ ز آن بنماید از جرم قمر ناخن

بجنب عنبرین گرد سمندش گرد در نافہ / شدہ بے قدر چون گردی کہ باشد زیر ہر ناخن

خدنگش گوئی انگشتیست بر دست ظفر کو را / ز روئے صورت آمد برگ بید جان شکر ناخن

چو انگشتی کہ گر خواہد بحکم نیزهٔ ہندی / نشاند[2] در ضمیر آہن و قلب خنجر[3] ناخن

نہادہ تیغ قہرش بر رخ دشمن چنان داغی / کہ می ماند بروئے مادر از سوز پسر ناخن

بکین جان خصم بدنژادش تیز کردہ ہین / گر از آن قصا و ندان و شیران قدر ناخن

جہان قدرا سر تیغ تو بر دلہا چہ نجرا شد / برد از پنجۂ جور سپہر سنگ سیر[4] ناخن

عدویت کے شود چون تو بہ خنجر کے رسد گرچہ / چو خنجر می کند پیدا کہ آن گاہی[5] گر ناخن

خیالش گر زند رہ کو نہد انگشت بر حرفت / بدست او ہبا گردد سر انگشت بدنہ ناخن

پناہ[6] روئے عالم شد دم تیغ تو خوش بنود / پس پشت، سر انگشتان اگر نبود سپر ناخن

حسود از ناخن جرأت اگر کین تو می سازد / مگر مسکین نمی داند کہ باشد زہر گر ناخن

شہا مگذار تا از بہر جنگ روزگار من / زند بر ہمہ گرہ ہر لحظہ چرخ کینہ ور ناخن

---

[1] منتخب التواریخ میں بر ذروهٔ قطع است ہے، لیکن اس کتاب کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اپنے ترجمہ مین ایک دوسرے نسخہ کو دیکھ کر سرش بر ذروهٔ قلست لکھا ہے، اور اسی کو صحیح بتایا ہے۔ (ج ا ص ۱۳۹) [2] مطبوعہ نسخہ میں "نشاید" ہے [3] رین کنگ نے "قلب ہجر" صحیح بتایا ہے، لیکن میرے خیال مین "قلب خنجر" ہی صحیح ہے [4] مطبوعہ نسخہ سنگ سر (؟) [5] مطبوعہ نسخہ از گاہی [6] مطبوعہ نسخہ تباہ

ناخن جیسی مشکل ردیف مین مذکورۂ بالا قصیدہ لکھکر عمید نے اپنی جس قادر الکلامی اور اعجاز بیانی کا ثبوت دیا ہے، اس کا احساس اس کو بھی ہے، چنانچہ اس قصیدہ کے آخری شعر میں کہتا ہے،

ردیف ناخن آوردم درین شعر بکہ سحر آمد — بلے در سحر کار آید بسان موے سر ناخن[1]

عمید اور تاج الدین سنجر اسی شاعر نے ناصر الدین محمود کے ایک درباری امیر تاج الدین سنجر کی شان مین بھی اسی انداز کا ایک قصیدہ کہا ہے، شمسی اور ناصری عہد مین تاج الدین سنجر نام کے بہت سے امرار گذرے ہین، تاج الدین سنجر کزل خان، تاج الدین سنجر قتلق، تاج الدین سنجر کریتخان، تاج الدین سنجر تبر خان، اور تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی، لیکن عاجز راقم کا ذاتی خیال ہے کہ حسب ذیل قصیدہ مؤخر الذکر دونون امراء مین سے کسی ایک کے لیے کہا گیا ہے، تاج الدین سنجر تبر خان گرجی ترک تھا، وہ ناصر الدین محمود کے زمانہ مین مختلف اوقات مین نائب امیر حاجب جنجانہ، پھر کسمندی، منڈیانہ اور برن کا اقطاع دار رہا، وکیل در کے عہدہ پر بھی ممتاز رہا، آخر مین اپنے فوجی کارنامون کے صلہ مین اودھ کا اقطاع دار ہوا، اس کے بارہ مین مولانا منہاج سراج طبقات ناصری مین لکھتے ہیں:

"بغایت جلد و مردانہ و شہم و فرزانہ داور را او صاف پسندیدہ بسیار و احوال گزیدہ بے شمار بہروی و لشکر کشی موصوف و بہ نیکو سیرتی معروف"[2]

دوسرا امیر تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی پہلے بیانہ کا اقطاع دار اور پھر وکیل در ہوا، اسکے بعد تبر ہند، اور بعد مین اودھ اور پھر کڑہ کا اقطاع اس کے سپرد کیا گیا، وہ لکھنوتی بھی بھیجا گیا، لیکن درمیانی اور آخری دور مین اس کے تعلقات شاہی دربار سے اچھے نہیں رہے[3]، اس لیے گمان غالب ہے کہ

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۹، ۹۷ [2] طبقات ناصری ص ۶۰، ۲۵۹ [3] تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی کے حالات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۶۸-۲۶۵

عمید نے تاج الدین سنجر تبرخان ہی کے لیے قصیدہ کہا ہوگا۔ اس قصیدہ کی ردیف کشتی ہے، ظاہر ہے کہ اس عجیب اور مشکل ردیف کی تشبیب نہ بہاریہ ہو سکتی ہے اور نہ عشقیہ، اس لیے مضامین ندرت پیدا کرنے کے لیے شاعر کو غیر معمولی قوتِ تخیل سے کام لینا پڑا ہے، چنانچہ قصیدہ اس طرح شروع کرتا ہے کہ میری آنکھ ایک محیط سمندر ہے، اور خیال کشتی ہے، وفورِ غم مین بھی خیال کشتی کو آنسوؤن پر روان کیے ہوئے ہے، شب و روز آنسو جاری ہین، یہ کشتی کس طرح خونین موج مین ٹھہر سکتی ہے، اس خسیس دنیا سے کیا طمع رکھون، مین کیونکر نابدان مین کشتی چلاؤن، اس سمندر مین میری کشتی کبھی روان اور کبھی ساکن ہے، ساکن چار لنگرون کی وجہ سے اور روان ہفت بادبان کے سبب سے ہے، زندگی سات اعضا، دماغ، قلب، پیٹھ، دونون ہاتھ، اور دونون پاؤن پر قائم ہے، اور چار لنگر سے مراد زمین، ہوا، آگ اور پانی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ لنگر اور یہ بادبان کس کام کے ہین، جب زندگی کی کشتی اجل کے موج مین یکایک غرق ہو جائے،

مراست دیدہ محیط و خیال جان کشتی — بر آب دیدہ زغم می کند روان کشتی

در آب دیدہ شب و روزم و چگونہ بود — فراز و شیب زخون موج در میان کشتی

مراد دل چہ طمع دارم از جہان خسیس — چگونہ رانم بر روے ناودان کشتی

درین محیطم اگرچہ روان و ساکن ہست — ز چار لنگر و زین ہفت بادبان کشتی

چہ سود دارم ازان بادبان و آن لنگر — چو شد ز موجِ اجل غرق ناگہان کشتی

اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

مدار مملکت بر و بحر تاج الحق — کہ بہر قلزم غم ساخت از امان کشتی

سپہر مرتبہ سنجر[1] کہ فتنہ ز دیلہ کرد — بہ سوے معبر دریاے قیروان کشتی

[1] منتخب التواریخ سے انگریزی مترجم نے سنجر پر اپنے حواشی میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ سلجوقی حکمران ابو الحارث سنجر بن ملکشاہ بن الپ ارسلان تھا"۔ یہ قطعاً غلط ہے،

کشتی کی ردیف مین یہ قصیدہ کس لیے کہا ہے، اس کی لطیف وجہ اپنے ممدوح کو مخاطب کرکے یہ بتاتا ہے،

جو بحر خاطر من موج می زد از مدحت   ردیف ساختم از بہر امتحان کشتی

پھر اس قصیدہ مین بھی اپنی تعریف کرتے ہوئے اپنے کو "بحر فضل" اور "کان سخن" کہا ہے،

مرا نخواندی جز بحر فضل و کان سخن   چو ماہی ار بندی ز اصل بے زبان کشتی

کس از بحور افاضل بہ از عمید کہ راند   ز نیل فضل درین قلزم بیان کشتی

ملک تاج الدین سنجر نے اسی شاعر کو دو بار تحفے مین آہو (ہرن) بھیجے، اس نے آہو ہی کی ردیف مین قصیدہ کہکر اپنی سخنوری کی مہارت کا ثبوت دیا، آہو کی مناسبت سے عشقیہ تشبیب مین "نرگس مست"، "زلف مشکبار"، "خط بنفشہ زار"، "صید دل" وغیرہ کی ترکیبون سے پورا تغزل کا رنگ پیدا کر دیا ہے،

زہے ز نرگس مست تو پر خمار آہو   ز بند نافہ مشکب تو شرمسار آہو

بہ حیرتست دران چشم دیدہ نرگس   بغیرتست دران زلف مشکبار آہو

بگرد لب تان صدرہ چو دائرہ برگشت   ندید چون خط تو یک بنفشہ زار آہو

چہ صنعت است دران نرگس گران غمزہ   درو نشی صید دلست و برون شکار آہو

ز رشک نقطہ مشکین کہ برگل تو چکید   مدام داد در سینہ خار خار آہو

گریز مین اپنے ممدوح کو شکار کا مبارک شیر کہتا ہے، جس کے سامنے بدمست فلک کی حیثیت محض ایک آہو کی ہے، اور پھر یہ کہتا ہے کہ آہو اس کے ممدوح کے در کی خاک سے خطا کی طرف شمامۂ کافور لے گیا، آہو کو اور جانورون پر اسی لیے فضیلت ہے کہ اس کے ممدوح کے دربار کی خاک سے اس نے نافہ حاصل کیا، بلکہ آفتاب کو بھی اسی کے دربار کی خاک سے زینت حاصل ہے،

گویہ انتہائی مبالغہ ہے، لیکن طرز ادا مین یہ مبالغہ طرازی لطف سے خالی نہین ہے،

زچشم مست تو بدوش خمار ومی شکند | زجام بزم جہان پہلوان خمار آہو
خجستہ شیر کمین تاج دین حق سنجر | کہ شرزۂ فلکش ہست در شمار آہو
صواب دید کہ سوے خطا زخاک درش | برد شمامۂ کافور یادگار آہو
مگر بخاک جنابش کرد دید زمینش خور؟ | کہ بروحوش شد از نافہ کامگار آہو

آہو کی ردیف بنانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے،

ردیف مدح تو صدبارہ زیبد آہوے مشک | زکرمت چو فرستادہ ام دوبارہ آہو
بنافہ داشت ازین بیش کار بار اکنون | زفر مدح تو دارد رواج کار آہو

عمید کا لقب | ملا عبد القادر بدایونی نے اس شاعر کا خطاب و نام ایک جگہ تو ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی[۱]، اور دوسری جگہ ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین عمید تونکی لکھا ہے، تذکرون مین عرفات العاشقین مین خواجہ فخر الدولہ عمید الدین الدیلمی، مجمع الفصحاء مین فخر الملک خواجہ عمید الدین تونکی، گل رعنا مین عمید الدین تولکی سنامی، آتشکدہ مین فخر الدولہ عمید الدین اور مخزن الغرائب مین مفخر الفضلا، مرقوم ہے، ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمید الدین تو نام اور ملک الکلام، فخر الدین، فخر الدولہ، مفخر الفضلاء خطاب تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ان مین سے کوئی ایک ہی خطاب ہوگا، اور یہ خطاب یا تو دربار سے ملا ہوگا، یا مورخون اور تذکرہ نویسون نے یہ القاب شاعر کی شاعرانہ و علمی عظمت کے لحاظ سے اپنی طرف سے لکھ دیے ہین، عرفات العاشقین مین مرقوم ہے کہ "گویند نامش عمید الدین ولقبش فخر الملک" حالانکہ اس کے مؤلف نے اس کا لقب فخر الدولہ بھی تحریر کیا ہے، عرفات العاشقین اور گل رعنا مین ہے کہ فخر الملک کا خطاب غیاث الدین بلبن کے لڑکے سلطان محمد نے دیا، لیکن

---

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، ۹۷

اس بیان کو یقین کرنے مین اس لیے تامل ہے کہ سلطان محمد اپنے باپ کی موجودگی مین کسی کو خطاب نہین دے سکتا تھا، امیر خسرو اور حسن دہلوی اس کے ساتھ برسون رہے، لیکن اس نے ان دونون ارباب کمال کو کسی خطاب سے سرفراز نہین کیا،

وطن | شاعر کی وطنی نسبت تولکی، تونکی، بونکی، لوبکی، دیلمی اور سنامی لکھی گئی ہو، تونکی اور لوبکی تو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، غالباً تولکی صحیح ہے[1]، جو شاید دیلم مین کوئی قصبہ ہے، اسی لیے بعض تذکرہ نویسون نے اس کو دیلمی بھی لکھا ہے، آتشکدہ مین ہے کہ "اصلش از دیار دیلمانست"[2] لیکن مجمع الفصحا مین ہے کہ

"فخرالملک خواجہ عمید الدین گویند نہ از دیلم رشت است واز ہندوستانست و منشاش سنام بود"

پھر اس کا مؤلف لکھتا ہے کہ

"بعضے اورا چنانچہ اشارتے شد، از اہل گیلان من بلاد دارالمرز و طبرستان دانند، ہمانا از گیلان بودہ و بہ ہندوستان رفتہ و دیالمہ اہل آن ولایت را گویند، وے را عمید لوکی، ہم نامند سبب آن معلوم نشدہ، بہر صورت بمقصود اشعار و گفتار است نہ مولد و منبع"

ان گنجلک بیانات کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ شاعر کا آبائی وطن دیلم قصبہ تولک تھا، لیکن اس کے آبا و اجداد جب ہندوستان آئے تو سنام مین سکونت پذیر ہوئے، اور یہین اس کی نشو و نما ہوئی، عرفات العاشقین مین ہے :-

"منشاس سنام بود لہذا گفتہ آید ع تا ابد از دے گرفت سنام نام

ولادت | مجمع الفصحا اور گل رعنا اور ریاض الشعراء مین اس کی ولادت کی تاریخ ۵۵۵ھ بتائی گئی ہو، عرفات العاشقین کے مؤلف نے یہ تاریخ عمید کے ان اشعار سے نکالی ہے،

---

[1] تذکرہ روز روشن میں ہے کہ تولک شہریست در ملک ایران بود، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ تولک غور مین ایک قصبہ کا نام ہے، رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء ص ۷۷، [2] آتشکدہ ص ۱۶۷

یارب اگرچہ پیش ازین بود مراد دل وجگر
خستۂ دلبر چگل بستۂ گلرخ یک

در سرنون و دال عمر از پس خاونون وبا
شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زین شرک

دوسرے شعر مین ن اور د کے تو ۵۴، اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے۔ شعر مین "پس خاونون وبا"
یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے تو ۶۰۱ ہوئے[1]۔ پھر تعجب ہے کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ
کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے۔ ۶۰۱ھ ہونی چاہیے۔ یہ تاریخ اس لیے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ عمید الدین
نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، سلطان ناصر الدین محمود کی شان مین ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔
سلطان کی وفات ۶۶۴ھ مین ہوئی۔ اگر عرفات العاشقین کے مؤلف کی بتائی ہوئی تاریخ ولادت
صحیح سمجھی جائے۔ تو سلطان ناصر الدین کی وفات کے وقت عمید الدین کی عمر صرف نو سال کی ہوتی ہے،
اس عمر مین قصیدہ پیش کرنا ممکن نہین۔ اس لیے ۶۰۱ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

عمید اور سلطان بلبن

آتشکدہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ عمید الدین نے کل ۵۴ سال کی عمر
پائی، اس لحاظ سے اس کی وفات سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین ہوگئی ہوگی، ملا
عبد القادر بدایونی نے بھی اس کا ذکر اسی سلطان کے دور مین کیا ہے، لیکن خود ملا صاحب نے
عمید کا ایک ایسا قصیدہ نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمید نے سلطان بلبن کو بھی اسکی
حکومت کے زمانہ مین مخاطب کیا تھا، اس قصیدہ کے تین چار اشعار ملاحظہ ہون،

مشرف نبود عارضت از خط چرا کشد
چون من بدو دولت این شہریار بند

شاہ جہان کشاے نصیر الحق آنکہ ہست
بردست و پاے بخل ز جودش ہزار بند

والا محمد بلبن کز کمند قہر
بر سر کشان نہد گہ کارزار بند

اے خسرو زمان کہ بیمن تو بہ کشاد
گنجور قدرتنا از عدد کان بسیار بند

[1] منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم جارج رینکنگ نے بھی یہی تاریخ نکالی ہے، دیکھو انگریزی ترجمہ جلد اول۔

رین کنگ نے اپنے انگریزی ترجمہ مین نصیر الحق کو اسم معرفہ ہی قرار دیا ہے۔ لیکن میرے خیال مین یہ بلبن ہی کی صفت ہے۔ مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لیے غیاث الدین کا لقب کیون نہین استعمال کیا ہے۔ غالباً ان ہی اشعار کو دیکھ کر عرفات العاشقین کے مؤلف نے عمید کے متعلق لکھا ہے کہ

"معاصر سلطان محمد بلبن بودی ملازمت آن بادشاہ کردی۔ ودر دیوان دولت او باشرف مفوض بودی"

لیکن مجمع الفصحا مین یہ بیان دیکھ کر تعجب ہوا کہ

"مداحی سلطان محمد یمین می نمودہ"

اسی کا حوالہ جارج رین کنگ نے منتخب التواریخ کے انگریزی ترجمہ کی جلد ا ص ۱۳۸ کے حاشیہ پر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یمین کتابت کی غلطی ہے، یمین کے بجائے بلبن ہونا چاہیے۔

البتہ عرفات العاشقین کا بیان عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے،

"گویند از قاآن ملک سلطان محمد بلبن خطاب یافت وعلما، وفضلا، را بغایت عزیز داشتے امیر خسرو وامیر حسن ...... درمو تان ندیم مجلس خاص وے بودہ اند"

گلِ رعنا کے مولف کا بھی بیان ہے کہ

"عمید الدین از اعظم فضلا وشعراے ہندوستان بود، بعد تحصیل کمالات خود را بدرگاہ سلطان محمد قاآن بن سلطان غیاث الدین بلبن رسانید وبمزید تقرب اختصاص یافت، وبعز الملک ملقب گشت، دولتے وجمعیتے اندوخت، امیر خسرو دہلوی بخدمتش رسیدہ"

عرفات العاشقین مین معلوم نہین قاآن ملک سلطان محمد بلبن ایک ہی ساتھ کیون لکھ دیا گیا ہے۔ قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا۔ اور بلبن اس کا باپ تھا۔

عرفات العاشقین میں کہین یہ ذکر نہین کہ عمید سلطان ناصر الدین محمود کے دربار سے بھی وابستہ رہا، لیکن شروع مین ہم اس سلطان کی شان مین ایک قصیدہ نقل کر آئے ہین، اس لیے یہ یقینی ہے کہ وہ سلطان ناصر الدین کا مادح تھا، اسی طرح گل رعنا کے مولف نے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے دربارون سے اس کی وابستگی کا ذکر مطلق نہین کیا ہے، اور اسکو شہزادہ محمد سلطان ہی کا درباری قرار دیا ہے، لیکن اگر اس کی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے تو پھر یہ بیان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ یقین کرنے مین تامل ہوتا ہے کہ ستر اسی برس کی عمر مین اس نے ایک نوجوان شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو، شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین ۶۷۰ھ سے ۶۸۳ھ تک قائم رہا، اگر ۶۷۰ھ سے پہلے عمید اس کے یہان پہنچا، تو بھی اس کی عمر ستر سے زیادہ تھی، اس عمر مین ایک نوجوان شہزادہ کی ندیمی بظاہر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی، اس کے تمام قصائد اس وقت پیش نظر نہین، جو ہم تک پہنچے ہین، ان مین سے ایک قصیدہ مین محمد کا نام آیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ شہزادہ محمد سلطان ہی کی مدح ہو، لیکن اسی قصیدہ مین نصیر الحق کا لقب بھی استعمال کیا گیا ہے، جو عمید نے اپنے ایک اور قصیدہ مین سلطان محمد بلبن کے لیے استعمال کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین، اس لیے یہ نہین کہا جا سکتا ہے کہ حسب ذیل اشعار شہزادہ محمد سلطان ہی کے لیے کہے گئے ہین، ممکن ہے کہ یہ بھی محمد بلبن ہی کی مدح مین ہون، ایک قصیدہ مین بلبن کو محمد بلبن کہہ کر مخاطب کیا ہے، اس مین صرف محمد ہی کہا ہے، اور اگر یہ شہزادہ محمد ہی کی مدح ہے تو پھر اس کو نصیر الحق کیون کہا، جو بلبن کے لیے استعمال کیا جا چکا ہے،

چو غنچہ گرچہ لب از روزہ بستہ بکشائی — چو من زخوان مدیح خدایگان زنزہ

محیط فیض نصیر الحق آنکہ بکشاوند — زگرد سفرۂ اکرامش انس و جان زنزہ

قضا طلیعہ محمد کہ بہ بند نیزۂ او　　　　بخون خصم کشادہ از سرسنان روزہ

عرفات العاشقین کا بیان بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ عمید خسرو کا سرپرست تھا۔ اگر وہ ان کا (قی)
خسرو کا مربی ہوتا تو خسرو کے قصائد میں اس کی شان میں بھی کوئی نہ کوئی قصیدہ ضرور پایا جاتا، یا وہ اپنی کسی
اور تحریر میں اس کا ذکر ضرور کرتے، لیکن خسرو کہیں اس کا حوالہ تک نہیں دیتے۔[1]

عرفات العاشقین میں ہے کہ عمید بلبن کے زمانہ میں مشرف (اکاؤنٹنٹ) کے عہدہ پر مامور تھے،

"معاصر سلطان محمد بلبن بودے ملازمت آن بادشاہ کردے، ودر دیوانِ دولت او باشراف

مفوض بودے"

ریاض الشعراء میں بھی ہے:-

"در تواریخ مذکور است کہ در ہندوستان ملازمت سلطان محمد بلبن می کردہ واشراف

دیوانش بوے مفوض بودہ"

منتخب التواریخ میں ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے نام کے ساتھ مستوفی جمیع ممالک لکھا ہے،
اور اس کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود ہی کے زمانہ میں کیا ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ وہ اسی
سلطان کے عہد میں مستوفی الممالک تھا، اس خیال کی تائید مخزن الغرائب کے اس بیان سے
ہوتی ہے،

"فخر الفضلاء، خواجہ عمید مستوفی و مشرف جمیع ممالک ہندوستان بود در عہد سلطان
سلطان ناصر الدین ......"[2]

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے عمید الدین پر جو مقالہ اپنی کتاب "فارسی کے قدیم شعراء" میں لکھا ہے، اس میں عرفات العا(شقین)
اور گل رعنا کے بیانات کو صحیح تسلیم کرکے وہی باتیں لکھدی ہیں جو ان دونوں تذکروں میں ہیں [2] نیز دیکھو
نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۸۷،

لیکن خود عمید نے ایک قصیدہ مین بلبن کو مخاطب کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلبن کے عہد مین مشرف کے عہدہ پر مامور تھا، مگر کسی سبب سے معزول کر کے قید مین ڈالدیا گیا۔ شاید وہ ناصر الدین محمود کے عہد مین مستوفی الممالک رہا ہو، اور بلبن کے زمانہ مین مشرف الممالک کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہو، لیکن فرائض منصبی کو ایمانداری سے انجام دینے کے جرم مین قید کر دیا گیا ہو، اور جب وہ قید خانہ مین تھا تو اس نے سلطان بلبن کو اپنے ایک قصیدہ مین مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اس کے ایسا اہلِ فضل، اور طوطی سخن قید مین پڑا ہے،

فرمودہٗ کہ بند نہند اہل فضل را	ہے ہے بر اہل فضل منہ زینہار بند
تعظیم کن ز حیلۂ وا ز درج خاطرم	بر نو عروسِ مدح در شاہوار بند
ہرگز کس از ملوک بر اہلِ سخن نہاد	روزے ز راہ سلطنت وگیرودار بند
من طوطی سخنورم آخر نہ جرہ باز	دریلے طوطیان غلط آمد شکار بند

اس قصیدہ کے تقریباً چالیس اکتالیس اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہے۔ اس کا ایک اور حبسیہ قصیدہ ہے جس مین ۳۹ اشعار ہین، وہ توبہ و استغفار کی خاطر اپنی تمام کمزوریون مثلاً بیجا خیالات، بے جا مداحی اور بے جا حرص و ہوس وغیرہ کو یاد کر کے سلطان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ وہ تنہا مجرم نہین، بلکہ اس کے برعکس وہ مشرف کے فرائض بہتر طریقہ سے انجام دیتا رہا ہے،

ہمہ مانم ہر یکے در شغل و من در بند حبس	حاش للہ زین سخن تنہا گنہ من کردہ ام
کار برعکس است ورنہ خود کہ دزدید کنند	شغل اشراقی[1] کہ من بر وجہ احسن کردہ ام

[1] منتخب التواریخ مین "اشراقی" ہے، اس کے انگریزی مترجم رینکنگ نے اشراقی پر نوٹ لکھتے ہوئے فلسفۂ اشراقیہ سے بحث کی ہے، شغل اشرافی سے مراد مشرف کا عہدہ ہے، اشراقی کتابت کی غلطی ہے،

آخر میں وہ اس صلہ میں کہ اس نے اپنے اشعار میں توحید کے نغمے بھی گائے ہیں، خداوند کریم کی رحمتوں کا طلبگار ہوتا ہے،

یارب از نخلِ کرم برگ و نوائے من بدہ ۔۔۔ مرغِ جان را چون بہ توحیدت نوا ساز کردہ ام

خلعت اسمم کرامت کن کہ مارا در گہت ۔۔۔ مامن اصلیت اینک قصد مامن کردہ ام

دور دار از ظلمتِ شرک و نفاق و حقد و کین ۔۔۔ باطنی کز نور اخلاصت مزین کردہ ام

آفتاب معرفت در سینہ ام تابندہ دار ۔۔۔ چو گہرہائے یقین را سینہ معدن کردہ ام

عمید کی قادر الکلامی سلطان کے دربار میں معذرت اور بارگاہ خداوندی میں استغفار کرنے پر غالباً اس کی رہائی قید سے ہوگئی تھی، معلوم نہیں قید وبند کے زمانے میں اس نے اور بھی قصائد لکھے تھے یا صرف وہی دو ہیں، جن کو ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں نقل کیا ہے، ان دونوں قصائد میں اس کے جوش بیان کے ساتھ اس کا حسن اسلوب، جدت ادا، اور مضمون آفرینی خاص طور پر نمایاں ہیں[1]، اس نے ان حبسیہ قصائد میں بھی جابجا اپنی سخنوری اور قادر الکلامی کا دعویٰ کیا ہے، مثلاً ایک جگہ کہتا ہے،

نامم ز شرق و غرب گذشت از سخن وری ۔۔۔ واجب کند بپائے چنین نامدار بند

پھر دوسرے موقع پر کہتا ہے،

ہستم این یک شعر دیوانی و صد درج گہر ۔۔۔ بلکہ ہر بیتش بہ از شعر مدون کردہ ام

اور یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی نہیں، ملا عبد القادر بدایونی جیسے ناقد فن نے اس کو ملک الملوک والکلام لکھا ہے، اور اس کے مختلف قصائد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے کلام کا اقتباس

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ عمید کے حبسیہ قصائد اپنی دلآویزی، جذبات نگاری اور حسن بیان میں مسعود سعد سلمان اور خاقانی کے حبسیات کے ہم پلہ ہیں، (ہندوستان کے قدیم شعراء ص ۲۱۳)

منتخب التواریخ کے ۱۳۱ اوراق میں دیا ہے۔ عرفات العاشقین کے مولف نے اس کو "استاد الکلام" "افتخار الانام عمید (بمعنی ستون) اقلیم سخنوری، وحید (بمعنی یکتا) زمان معنی پروری، آفتاب جہانگیر کمال" اور "مہر سپہر قدر و جلالت" وغیرہ کہکر اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے۔

"در صنائع و بدائع معانی بیانش سحر پرداز و در متانت و رزانت سخندانی و بینش صاحب اعجاز است"۔

اور اس تعریف کے غلو مین یہ بھی کہتا ہے کہ عمید کے کلام کی فصاحت سحبان کی فصاحت سے بڑھکر تھی،

"فصاحت سحبان در جنب سخنانش فصاحت وائل یافتہ"

مجمع الفصحا کے مولف نے اس کو ایک فصیح البیان اور پختہ کلام شاعر کہا ہے،

مذکورۂ بالا ارباب نظر نے جو کچھ اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اس کی تصدیق خود اس کے کلام سے ہوتی ہے، اس نے شاعری کی ہر صنف مین طبع آزمائی کر کے اپنی جدت طبع اور سخنوری کا ثبوت دیا ہے، قصائد مین نہ صرف اس نے سلاطین اور امرا کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ حمد و نعت کے نغمے بھی بلند کیے ہین، وہ مولانا شہاب الدین کے شاعرانہ کمال کا بہت معترف تھا اور ان کو استاد فن تسلیم کرتا تھا، منتخب التواریخ مین ہے،

"ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی او (یعنی شہاب مہرہ بداونی) را باستادی یاد کردہ"

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے شعرا مین مولانا شہاب کو حمد و نعت کہنے مین اولیت حاصل ہے، عمید نے شاید ان کی تقلید ہی مین حمد و نعت دونون مین قصائد کہے ہین، حمد و صنع مین اس کے ایک قصیدہ کے اچھوتے خیالات کے بعض اشعار ملاحظہ ہون، کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے آفتاب اور ماہتاب دو بادشاہ پیدا کیے ہین، جو آسمان کے گنبد نیلگون پر سفر کرتے

رہتے ہین، سیارے انکے جلو مین ہتے ہین فلک کے نو پردون یعنی قمر، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، ثوابت اور اطلس سے سینکڑون ستارے جھلملاتے ہین، دنیا کو دو خادم عطا کئے ہین، ایک رات اور ایک دن، رات ہندو ہے دن رومی ہے، یعنی ایک سیاہ ہے اور دوسرا سفید، وغیرہ وغیرہ،

برخیز عمید از نہ خسروست دلِ تو — بگذر زغزل حمد خداوند جہان گو

مداحی درگاہ خدا کن کہ برافراشت — بے زحمت آلات بسے گنبد مے نو

دو شاہ روان کرد برین طارم ازرق — پس دادہ زسیارہ شان خیل زہر سو

صد شاہد اختر بگہ شام نمودہ — مشاطہ صنعش زپس پردہ نہ تو

فرمودہ بنجا تون جہان از شب و از روز — دو خادم چالاک لقب رومی و ہندو

عمید اور انوری | ایک اور حمد مین فلک، اسمک، غلاک، پرک، نہپک، معک، کپک وغیرہ جیسے سنگلاخ قوافی ہین، اس مشکل زمین مین عمید نے انوری کے ایک قصیدہ کی تقلید مین یہ قصیدہ کہنے کی کوشش کی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو چار اشعار پہلے ملاحظہ ہون، واضح رہے کہ انوری کا یہ قصیدہ حمد مین نہین کہا گیا ہے، بلکہ کسی کی مدح مین ہے،

اے سپاہت را ظفر لشکر کش نصرت یزک — نے یقین بر طول و عرض لشکرت واقف نہ شک

بستہ گرد موکب صد پردہ بر روے سماک — گرد نعل مرکبت صد رخنہ در پشت سمک

چون رکاب تو گران گردد و عنان تو سبک — روز ہیجاے سپاہت انجم و میدان فلک

فخر الملک عمید نے بہ عرب ذیل حمد مین گو انوری ہی کا چربہ اتارنا چاہا ہے لیکن اس نے نئے نئے الفاظ کے ساتھ نئے نئے مضامین بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس کی لفظی صنعت گری اور تخیل آرائی دونون پر قدرت رکھنے کی بین دلیل ہے، ہم اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

ای ز نهیب علم تو خم زده قامت فلک — خطبهٔ کبریای تو وحدک لاشریک لک

ملک تو ملک ثابت است ملک تو ملک راستین — ملک نه ملک منقلب ملک نه ملک مشترک

پرتو نور قدس تو چهره گشای مهر و مه — گوشه نشین ملک تو اوج سماک تا سمک

طاسک مه شکسته در سر و پای هر مهی — غور محیط بستهٔ گرد ستارهٔ پرک

از جگر تنور شرق امر تو می برآورد — قرصهٔ زر مغربی از پس سنگدون خچک

در چمن از صنایعت دست مشاطهٔ صبا — غازهٔ لطف می کشد برگ مثال برخجک

بر سر عرض نوبهار از در آفرینشت — لاله نشسته با سپر بید ستاده بانچک

قطرهٔ فیض قرب تو گر چکدم بجام دل — ابر نیاز گو مبار اشک امید گو چک

پایگه سخنوری یافتم از قبول تو — خود ز ازل بعون تو دست مراست این خمک

بر فلک اساس نقش داعی دین شرع را — هر یک ازین چهار رکن آیتی از ثمر فرک

یہ قوافی ہیں انوری کے قصیدہ میں کل ۲۲ اشعار ہیں، لیکن عمید نے اپنی سخندانی کے زور میں تقریباً دوچند یعنی ۴۰ اشعار کہے ہیں، اور ایسے قوافی لائے ہیں جو انوری کے یہاں مطلق نہیں ہیں۔
اسی قصیدہ کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمید سنی المذہب تھا، وہ خلفائے راشدین کا مداح اور حامی تھا۔ اور شیعہ فرقہ حضرت ابوبکرؓ پر باغ فدک کا جو الزام رکھتا ہے، اس کی گویا تردید کرتا ہے،

مردم این دو دیده را چار شمرد دوستی — ورنه بماندی از درج ساخته در درک

رفض چه فائده کند چو علی از تو شد بری — زر چه عیار به دهد هر چه نتابدش محک

کاس رباب را چه نقص از گسلد بزخمه در — تار بریشمی برد یا بگسر آیدش خرک

رو سر نامهٔ رسول از سر صدق باز کن — تا شود از ضمیر تو ماحیٔ ثبت فدک

وآنکہ چو بوم شوم دم لاف زند ز خارجی　　محرم غار از و چنانکہ آیت ز ذنب پرک

اس قصیدہ مین کہین کہین نعت اور منقبت کے بھی اشعار قلمبند کر دیے گئے ہین، لیکن عمید نے مستقل ایک نعتیہ قصیدہ بھی کہا ہے، اس کے بھی کچھ اشعار ناظرین سن لین، پہلے دو شعر مین لفظ طراز" کا استعمال صنعتِ اشتقاق کے لحاظ سے کیا گیا ہے، تیسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ روضۂ نبوت کے پھول سے جو خوشبو پھیلتی ہے، وہ اس طرح کی ہے، کہ صبا چمن سے ماچین تک ایسی خوشبو کبھی نہین لے گئی، چوتھے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول پاک پر جو کائناتِ عالم کے سردار ہین، آسمان نے قیمتی موتی صدف کی طرح نثار کیے ہین۔

پانچوین شعر مین عجیب و غریب تمثیلات و تلمیحات ہین، پنج نوبت سے پانچون وقت کی نماز اور دو علم سے آفتاب و ماہتاب مراد ہین، تنورۂ مسدس سے اشارہ عالم الانس، عالم الجن، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم النبات اور عالم المعادن کی طرف ہے، حصار ہفتمینش سے مطلب ساتوان آسمان یعنی زحل ہے، اور اشعار مین بھی اسی قسم کے الفاظ کے اشکال اور معانی کے اغلاق ہین، جن سے خاقانی کا رنگ جھلکتا ہے، جیسا کہ ناظرین کو حسب ذیل چند اشعار سے خود اندازہ ہوگا،

سخنے طرازم اکنون کہ طراز آستینش　　ز طراز جان بجوید چو طراز آفرینش
رہ طرز تو گزینم ز طراز نعت یکرہ　　کہ دو کون شد کتابہ ز طراز آستینش
گل روضۂ نبوت کہ ز سنبلش بماچین　　تحفے بروں ز نافہ نبرد صبا نسیمش
سر کائنات عالم بہائے ہمت او　　چو صدف نثار بردہ فلک از در ثمینش
فلکش ز پنج نوبت دو علم سہ پایہ کردہ　　ز تنورۂ مسدس بحصار ہفتمینش

انوری کے طرز پر عمید نے ایک اور قصیدہ کہا ہے، جس مین خیالات کی برجستگی کے ساتھ ساتھ زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی اور طرز ادا کی شگفتگی و دل آویزی بھی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو تین

شعر پہلے ملاحظہ کرلیں،

جنلا بزمے کز وہردم دگرگون زیوری — آسمان برعالمے بندد زمین پر کشوری

کشوری و عالمی راہم زمین وہم زبان — از چنین بزمے تواند داد ہردم زیوری

مجلس کو دعوی فردوس را باطل کند — گر میان ہردو بنشانند عادل داوری

خاقانی نے بھی ان قوافی مین طویل قصیدہ کہا ہے۔ اس کا مطلع ثانی ملاحظہ ہو،

ماہ بماہ می کند شاہ فلک کدیوری — عالم خاقہ بردہ را توشہ دہد توانگری

اب ان ہی قوافی مین عمیدؔ کے بھی خاص خاص موسیقی بھرے اشعار ہدیۂ ناظرین ہین، ان مین صنعت سجع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، یعنی ہر بیت کے تین تین قافیے ہین، اور چوتھا قافیہ قصیدہ کی زمین کا ہے،

رخت امیدم بردہ شد عالم کز رنج افسردہ شد — شاخ طرب پژمردہ شد بے آب چون نیلوفری

بودم درین تیمار و غم پروردۂ رنج و ستم — کز در درآمد صبحدم شمشاد قد مہ پیکری

نسرین بر و کوچک دہن شکر لب و شیرین سخن — در بر نظرش پیرہن در سر زنازش معجری

از خواب خوش برخاستہ زلف سیہ پیراستہ — خود را چو باغ آراستہ بربستہ زیبا زیوری

شکلش زہول انگیختہ سرمہ بہ چشمش ریختہ — غبغب فرو آویختہ چو دلبر سیمین بری

باریک ساق و سخت سم فربہ کفل باریک دم — ہرگز نہ کردہ راہ گم در تیرہ شب بے رہبری

شاخش چو ماہ یکشبہ چشمش سیہ تراز شبہ — نامش چو ذکر شتر بہ مشہور در ہر کشوری[۱]

اس قسم کی فصیح اور شیرین زبان مین قصیدہ لکھنے پر اس کو اپنے متعلق شاید ضرورت سے زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لیے فخر و تمکنت کے ساتھ کہتا ہے،

---

[۱] یہ اشعار مجمع الفصحا سے لیے گئے ہین،

مثل عمید تو سخن نادر و دوران در زمن — نہ در سپاہان و یمن نہ در سمرقند و ہری

یہ تو اس کی تعلی ہے لیکن اس مین شک نہین کہ اس نے نہ صرف پرانے اساتذہ کے رنگ مین لکھکر اپنی قادر الکلامی کا اظہار کیا ہے، بلکہ مشکل اور عجیب و غریب ردیف مثلاً ناخن، کشتی، آہو اور روزہ وغیرہ اختیار کر کے اپنی سخن سنجی کے اعجاز اور بقول مؤلف عرفات العاشقین طرز بیان کی سحر پردازی کا ثبوت دیا ہے، جس کے نمونے ہم پہلے پیش کر چکے ہین، روز روشن کے مؤلف نے اس کے قصائد کے بارہ مین لکھا ہے کہ یہ مقبول رہے[۱]، ڈاکٹر اقبال حسین اس کے قصیدون پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی غایت عقیدت مین لکھتے ہین کہ اس کے بعض قصائد مین اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی ہے، اور ان مین جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ فطری اور پاکیزہ ہین، ان کے تخیلات زیادہ تر جاذب توجہ اور مناسب ہین، طرز نگارش شستہ" اور چست ہے، اور قافیہ بندی مین ہمواری اور روانی، مخدومی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی بھی رقمطراز ہین کہ قدرت کلام اور فصاحت بیان مین عمید اول درجہ کے فارسی شعراء مین شمار کیے جانے کا مستحق ہے، لیکن معلوم نہین انھون نے یہ کیسے لکھ دیا کہ شاید غزل گوئی جس کا ان دنون ایران مین چرچا بڑھتا جاتا تھا اسے ناپسند تھی،[۲]

عمید کی غزل گوئی

عمید کا جوش طبع غزل گوئی مین بھی ابھرا، اور گو ہندوستان مین اس تغزل کی شراب کو میر حسن اور خسرو نے تیز کیا، لیکن عمید کی قصیدہ نگاری اور غزل گوئی سے جو دو آتشہ پیدا ہوئی وہ اس لائق ہے کہ اس سے بھی کچھ سرور حاصل کیا جائے، عمید کے قصائد کی عشقیہ تشبیب مین تغزل کی ساری رنگینیان پائی جاتی ہین، اس قسم کی تشبیب کو علیحدہ کر لیا جائے تو وہ غزل بن جائے، اسی طرح اس نے جو غزلین کہی ہین، ان مین قصیدے کی تشبیب کی پوری جھلک ہے، مثلاً حسب ذیل غزل کے علیحدہ علیحدہ اشعار مین اس نے مفرد خیالات پیش کرنے کے بجائے معشوق کے چہرے،

---

۱ روز روشن ص ۵۰۰، ۲ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت،

بال، گیسو، طرہ، غمزہ، رفتار، رخسار، لب وغیرہ کی مسلسل تعریف کی ہے، جس طرح قصیدہ مین ممدوح کے جود و سخا، جبروت و اقتدار اور عدل و انصاف کی مدح کی جاتی ہے، اسی طرح اس غزل مین معشوق کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، زبان تو بے شک غزل کی ہے، لیکن انداز بیان قصیدہ کا ہے، پوری غزل مین بڑی صفائی اور روانی ہے، جو خاص خاص صنائع و بدائع کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے، پہلے غزل، پھر اس کی صنعتین ملاحظہ کرین:

روئے تو پیرایۂ صحنِ چمن　　موئے تو سرمایۂ مشکِ ختن

بستۂ گیسوئے تو صد دین و دل　　خستۂ بادامِ تو صد جان و تن

طرۂ طرارِ تو عاشق فریب　　غمزۂ خونخوارِ تو لشکر شکن

فتنۂ رفتارِ تو کبکِ دری　　والۂ رخسارِ تو ہر مرد و زن

درگہ خندہ لبِ لعلت شکست　　رونقِ بیجادہ و درِ عدن

زلفِ تو بر روئے تو گوئی کہ ہست　　سنبلِ پرخم زدہ بر نسترن

نرگسِ جادوئے تو ہنگامِ ناز　　آفتِ جان و دلِ مجروحِ من

بندۂ خاک درِ تو شد عمید　　آتشِ غم در دل و جانش مزن

مطلع مین صنعت ترصیع ہے، یعنی دونون مصرعے کے الفاظ، وزن اور قافیے متحد ہین، اور چوتھے شعر مین ذو قافیتین کے ساتھ کچھ ترصیع کی صنعت بھی آگئی ہے، پھر پوری غزل مین معشوق کے کئی اوصاف کا ذکر پے در پے اس طرح کیا گیا ہے کہ صنعت تنسیق الصفات خود بخود پیدا ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ عمید کی غزلین انتہائی درجہ کی روان اور مترنم ہین، اور ان کے خیالات عموماً سیدھے سادے ہین، اس کے طرز ادا مین جو فطری روانی ہے، اس کی وجہ سے اسکی شاعری مین ہمواری اور موسیقیت پیدا ہوگئی ہے، عمید کی غزلون کا مجموعہ سامنے ہوتا تو پھر یہ

فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال حسین کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، یا اس کے اظہار مین کچھ غلط سے کام لیا گیا ہے، مندرجۂ بالا غزل پر تو اس رائے کا اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن عرفات العاشقین مین اس کی جو ایک اور غزل درج ہے، اس کا رنگ ذرا کچھ مختلف ہے، اور اس پر ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے چسپان نہین ہو سکتی ہے،

اس مین عمید نے تجنیس لفظی کی صنعت کے ساتھ کچھ اس انداز مین اشعار کہنے کی کوشش کی ہے کہ بعض تو کامل کہی جا سکتی ہین، لیکن بعض ناقص ہین، مثلاً "دربار" کے ساتھ "بار" اور یک بار بار اور تار مو کے ساتھ "تارتار" تو صحیح ہین لیکن خار کے ساتھ "لعبت فرخار" بازار کے ساتھ زار اور عیارۂ نو کے ساتھ عیار یار ناقص ہین، اسی لیے حسب ذیل غزل مین وہ سلاست اور روانی اور حلاوت نہین، جو مذکورۂ بالا غزل مین ہے،

گر ندہی عقل را بلب دربار یار	بر دلم از غم منہ خیرہ بیک بار بار
تا گل رویت شگفت ہر نفس از رنگ تو	در جگر و دل شکست لعبت فرخار خار
در خم ہر تار موز لعت تو دارد شبے	روز دلم کردہ چون شب زان تار تار
دوش ببازار عشق شد دل و در ہر قدم	کشتۂ چشم تو دید بر سر بازار زار
خور من از خانگی خورد عیار نو ست	ہیچ کس را مباد ہم چو تو عیار یار
داری شفای ولت چون کرم خسروی	یکنفس این خستہ را محرم این راز دار

عمید کی ہزل گوئی — آتشکدہ اور مجمع الفصحا[1] مین عمید کی ایک ہزل بھی درج ہے جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ہزل کہنے پر بھی قدرت تھی، عام ہجو گویون کی طرح اس کی حسب ذیل ہجو مین سب و شتم نہین بلکہ صرف طنز اور تشنیع ہے، چھوٹی بحر مین زبان اور طرز بیان دونون بے تکلفانہ ہین،

---

[1] مجمع الفصحا ص

خواجہ بغزود ولیکن بہ ورم	گشت مشغول ولیکن بہ شکم
میزبان بود ولیکن بہ رباط	نانم آورد ولیکن بہ درم
سربرآورد ولیکن بفضول	دل تہی کرد ولیکن ز کرم
بس حریص است ولیکن بحرام	بس جواد است ولیکن بہ حرم
درش بگشاد ولیکن از بخل	لب فرو بست ولیکن ز کرم
خواجہ رنجور ولیکن بفجور	خواجہ مشغول ولیکن بہ شکم
دولتش باد ولیکن نہ براہ	نعمتش باد ولیکن شدہ کم
جاودان باد ولیکن بہ سقر	سالہا باد ولیکن بہ سقم

آتشکدہ کے مؤلف کو یہ ہزل پسند آئی ہے، اس لیے اس کو اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہے اور نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے،

"این چند بیت از قطعہ اکہ در ہزل گفتہ نوشتہ شد از دست بد نگفتہ"

عمید اور منظوم مناظرات | عمید نے جس طرح انوری کے بعض قصائد پر کچھ قصیدے کہے ہین، اسی طرح اسدی طوسی کے رنگ مین منظوم مناظرات لکھ کر اپنی قادر الکلامی اور سخنوری کا سکہ جمایا ہی، ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ ہندوستان مین منظوم مناظرہ لکھنے مین اولیت کا شرف عمید ہی کو حاصل ہے، خلاصۃ الاشعار مین سیف وقلم کا مناظرہ منقول ہے، عرفات العاشقین مین "بنگ وشراب" کا مناظرہ درج ہے، اور یہی زیادہ مقبول ہوا، روز روشن مین بھی یہ نقل کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو ناظرین کی ضیافت کے لیے ان کی خدمت مین پیش کرتے ہین،

دی درمیان بادۂ صافی فزاج و بنگ	در مصدر[1] دماغ من افتاد شور و جنگ

---

[1] روز روشن "مصعد"

بگشاے زبان کہ منم دختر عنب — صافی تن و نشاط فزاے[۱] عقیق رنگ

تا من سر از دریچۂ خم بر نمی کشم — نا سُست خون گرفتہ[۲] و خون خشک رود و چنگ

گر دہ دہانِ زنگ زمن قطرۂ چکد — بر روے شیر زنگ[۳] تفاوت کند ز رنگ

در[۴] موشکی ضعیف زمن جرعۂ چشد — نشگفت اگر ز پنجہ خراشد رُخ پلنگ

ممسک[۵] زمن برائحہ گر نفس زند — بخشد گہر بدامن و لولو بہ سنگ سنگ

خاصیت[۶] من این و تواے بنگ خشک مغز — ذکر خواص خویش بن گوے بیہ رنگ

بنگ سبک سر از سر حدت زبان کشاد — کاے زد غفلت تو بکے شکر و شرنگ

من[۷] صوفیم ز خانقہ کیمیاے عقل — بردا منم ز نزد حکیمان بطبع چنگ

وز[۸] قوتِ تخیل من بر زبان کنند — سحر حلال در صفت نو خطانِ شنگ

از تو یکے پیالہ و صد محنت خمار — از من طلب علاج دلِ ناتوان و زنگ

لا تقربوا الصلوٰۃ بہ اوراق نقش ہست — ام الخبائثست سر آئینہ از تو زنگ

ے[۹] گفت منکر آیۂ منصوص نیستی — نام تو بر صحیفہ نیامد ز زیر سنگ

من[۱۰] در دہان شیر در آیم صبا صفت — تو بہ کنی ز روبہک سست پاے لنگ

وانگہ[۱۱] بہ بحر خرمیم غوطۂ خورد — اندر دہ عمر باشند اندر دم نہنگ

من اصل با طراوت و تو شربے نمک[۱۲] — نام شراب صافی و نام تو خشک بنگ

---

۱ روز روشن نشاط فزا ۔ ۲ روز روشن دم گرفتہ ۔ ۳ روز روشن شیر زہ ۔ ۴ و ۵ یہ اشعار روز روشن مین نہین ہین ۔
۶ یہ مصرع روز روشن مین اس طرح ہے ۔ ع گر باور تو نیست بپا اے بنگ خشک مغز ۔ ۷ روز روشن دو شعر
۸ و ۹ یہ دو اشعار روز روشن مین نہین ہین ۔ ۱۰ روز روشن ع داوش جواب دے کہ تو منصوص نیستی
۱۱ و ۱۲ روز روشن مین نہین ہین ۔ ۱۳ عرفات العاشقین سیر بے نمک

بگش بخشم گفت چه لافیم ہمہ گر — در و از ضرب شرع نداریم ہرد و سنگ

باشد کہ این بساط مقالت بگستریم — در مجلس شہکس مشہور رد م و زنگ

فرزانہ تاج دولت بو بکر بن ایاز — آن کو د و قلب پرور و از خم یک خدنگ

پورا مناظرہ شستہ اور شگفتہ زبان مین لکھا گیا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے ہے کہ ہندوستان مین اس نظم کا جواب نہ ہو سکا، یہ اگر اسدی کے مناظرات سے بہتر نہیں ہین تو کمتر بھی نہین۔

عمید سے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانہ مین فارسی زبان کا ایک جلیل القدر، فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھا، لیکن وہ اتنا مشہور نہین ہوا جتنا کہ وہ مستحق تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی زندگی مین خسرو کی شاعری کا نیر اعظم بلند ہو رہا تھا، اور جب نصف النہار کو پہنچا تو عمید بھی اور شاعرون کی طرح ماند پڑ گیا، اور افسوس ہے کہ اس کا کلام زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا، ملا عبدالقادر بدایونی ہی کے وقت مین اس کا کلام "عزیز الوجود" ہو گیا تھا لیکن ملا صاحب نے ازراہ علم نوازی اس کے بہت سے قصائد اپنی تاریخ مین جمع کر دیے ہین، اور کلام کے کچھ نمونے عرفات العاشقین، خلاصۃ الاشعار اور مجمع الفصحاء مین بھی محفوظ ہین اور یہی اس شاعر کی کل کائنات رہ گئی ہے، پھر بھی جو کچھ باقی ہے اس کو ایک باکمال اور مایۂ ناز اہلِ فن ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

معذرت | عمید کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن دونون کے عہد مین آنا چاہیے تھا، لیکن محض اس خیال سے کہ ناظرین کو ایک ہی جگہ اس شاعر کے تمام حالات پڑھنے مین سہولت ہو گی، سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین اس کی اور اس کی شاعری کی ساری تفصیلات قلمبند کر دی گئی ہین۔

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ

۱۲۶۶ - ۱۲۸۷ء

سلاطین دہلی میں غیاث الدین بلبن اپنی شوکت و حشمت اور جلال و عظمت کے لیے سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں رہا، اس کی زندگی کی ابتدا تو غلامی سے ہوئی لیکن دبدبۂ شاہی کو اس نے اس طرح بلند کیا کہ وہی آیندہ فرمانرواؤں کے لیے نمونہ بن گیا،

ابتدائی زندگی التمش کی طرح وہ بھی ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا، اس کا باپ البری ترک کے دس ہزار خاندانون کا سردار تھا[1]، مغلون نے ترکستان مین قراختائی کو تباہ و برباد کیا تو بلبن کسی مغل سپاہی کے ہاتھون گرفتار ہو گیا، جس نے بغداد مین لاکر اس کو خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا، خواجہ جمال الدین نے اس کو اپنے فرزند کی طرح گھر مین رکھا، وہ اپنے زہد، تقویٰ اور ذہانت کے لیے مشہور تھا، بلبن کی مذہبی تربیت کی ابتدا اسی گھر مین ہوئی، خواجہ جمال کو جب یہ معلوم ہوا کہ بلبن کی رگون مین ہندوستان کے مشہور فرمانروا سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف کا خون ہے تو اس کو اور غلامون کے ساتھ لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، اور جب سلطان التمش کے حضور مین ۶۳۰ھ مین پہنچا تو سلطان نے تمام غلامون کو بیش قرار رقم دے کر خرید لیا، التمش نے بلبن کے چہرہ پر

[1] طبقاتِ ناصری ص ۲۸۰

سعادت وعظمت کے آثار دیکھ کر اس کو خاصہ دار[1] یعنی اپنا ذاتی محافظ مقرر کیا، بلبن کا بھائی کشلی خان التمش کے دربار مین پہلے ہی پہنچ چکا تھا، اور ترقی کر کے امیر حاجب کے عہدہ پر مامور تھا، بلبن نے اپنے بھائی کو پہچانا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اسی کے بعد اس کی عزت و وقعت اور دوبالا ہوگئی[2]، اور رفتہ رفتہ وہ التمش کے چہل گانی امرا، (ترکان چہل گانی) مین داخل ہوگیا[3]،

خواجہ جمال الدین بصری کے گھر مین بلبن پر جو مذہبی رنگ چڑھا، اس کی جلا التمش کی ان مذہبی مجلسون مین ہوئی جن کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہین، ان مجلسون کو بلبن برابر یاد کیا کرتا تھا، اور ان مین بزرگان دین نے جمع ہو کر جو کچھ بیان کیا اس کو اس نے برابر ذہن نشین رکھا، اور اپنے لڑکے کو بھی بطور نصیحت سنایا کرتا تھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ان مجلسون مین ایک بار مولانا سید نورالدین مبارک غزنوی کا جو وعظ سنا تھا اس کو بار بار دہرا کر دیا کرتا تھا،

التمش کی وفات کے بعد بلبن نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف ان امرا کے ساتھ دیا، جو رکن الدین کی تخت نشینی پسند نہین کرتے تھے، وہ سلطان رضیہ کی تخت نشینی کا بھی حامی نہ تھا، اسی عزل و نصب کے سلسلہ مین شاہی فوج کے ہاتھون گرفتار ہو کر نظر بند کردیا گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ مین قید سے نجات پائی، اور میر شکار کے عہدہ پر مامور کیا گیا،

---

[1] طبقاتِ ناصری ص ۲۸۲ [2] ایضاً [3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۲۶، فرشتہ جلد ۱ ص ۷۴،

تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری میں ہے کہ غیاث الدین بلبن کو شمس الدین التمش نے اپنا داماد بھی بنا لیا تھا، لیکن معاصر تاریخون مین اس کا ذکر کہین نظر سے نہیں گزرا، البتہ برنی (ص ۱۴۵-۱۴۴) کی روایت ہے کہ بلبن کے لڑکون نے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین ختم کی تو سلطان التمش نے خوشی مین خواجہ تاج الدین بخاری کو دو گاؤن اور ایک لاکھ جیتل انعام مین دیے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ التمش نے خواجہ تاج الدین کو نواسون کے استاد ہی کی حیثیت سے نوازا ہوگا،

معزالدین بہرام شاہ کے عہد حکومت مین اس کا اعزاز اور بھی بڑھا، اور وہ امیر آخور یعنی داروغہ شاہی اصطبل
کے عہدہ پر فائز ہوا، اس نے یہ خدمت تھوڑے ہی دن انجام دی ہوگی کہ تقدیر نے اس کا ساتھ
دیا، اور ریواڑی کی جاگیر (جو اب گوڑگاؤن ضلع مین ہے) اس کو دی گئی، جہان اس نے میواتیون
کی سرکشی فرو کرکے اپنی مردانگی اور شجاعت کا سکہ جما دیا، سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے زمانے
مین وہ امیر حاجب کے عہدہ پر مامور ہوا، اس عہد مین اس نے گنگا اور جمنا کے دوآبہ کی فوجی مہم
اور مغلون کی یورش روکنے مین نمایان خدمات انجام دین، جس سے اس کی سپہگری کی شہرت
بھی بڑھی، سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ مین وزارت اسی کو تفویض کی گئی، اس کی ایک لڑکی
بھی اس سلطان کے حبالۂ عقد مین آئی جس کے بعد اس کا اقتدار اتنا بڑھا کہ نائب الملک بن کر
سلطان ناصر الدین محمود کے بجائے خود ہی حکومت کرنے لگا، وہ اس عہد کے معزز ترین خطاب
الغ خان سے بھی سرفراز کیا گیا، ناصر الدین محمود کی وفات ہوئی تو بلبن کی سیاسی بصیرت اور
سپہگری کا سکہ اتنا جم چکا تھا کہ امراء نے بالاتفاق اسی کو تخت شاہی پر بٹھایا۔[1]

مشائخ سے عقیدت: بلبن اپنے شاہی آقاؤن مین سب سے زیادہ سلطان شمس الدین التمش سے
متاثر رہا، اسی کے قول و فعل کے مطابق حکمرانی کرنے اور اپنی نجی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کی،
التمش کی طرح اس کو بھی مشائخ و علماء سے بڑی گرویدگی و عقیدت رہی، گو التمش نے سلوک و
معرفت کی جو منزلین طے کین وہ شاید خود طے نہ کر سکا، لیکن بزرگان دین اس کو اچھی نظر سے
دیکھتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کی عبادت اور راسخ العقیدگی کی تعریف کی ہے[2]

---

[1] مزید تفصیلات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۲۸۱-۳۰۱، فرشتہ ج ۱ ص ۷۵-۷۴، [2] فوائد الفواد مین ہے در میان حکایت سلطان غیاث الدین بلبن در افتاد رحمۃ اللہ علیہ ملازمت او در نماز جمعہ و اوقات خمسہ عقیدہ خوب، آن گاہ فرمود کہ وقتے با قاضی لشکری گفت شب گذشتہ (یعنی شب قدر) چہ شب بزرگوار بود، قاضی لشکری گفت شما را کجا روشن شدہ است سلطان گفت آرے۔
(ص ۲۳۲-۲۳۱)

اور اس کے لیے برابر رحمۃ اللہ علیہ اور طاب اللہ ثراہ کے دعائیہ اور تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہین جو عموماً صلحاء اور اخیار کے لیے لائے جاتے ہین[1]، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ امیر خورد مؤلف سیر الاولیا بھی اس کے نام کے ساتھ "انار اللہ برہانہ" لکھتے ہین[2]،

بلبن اور بابا گنج شکر

بلبن مشائخ مین سب سے زیادہ معتقد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا تھا، گذشتہ اوراق مین لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ سلطان ناصر الدین محمود کا وزیر تھا تو سلطان کے حکم سے بابا صاحب کی خدمت مین چار گاؤن کا فرمان اور ایک کثیر رقم کا ہدیہ لیکر پہنچا، لیکن بابا صاحب نے فرمان تو لینے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ ان کو دوسرے اس کے طلبگار ہین، البتہ درویشون کے خرچ کے لیے نقد رقم قبول کر لی[3]، پہلے یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف کی روایت ہے کہ بلبن نے حضرت بابا صاحب سے ملاقات کی تو اثنائے ملاقات مین بابا صاحب نے بلبن کے لیے یہ اشعار پڑھے، جو گویا اس کے تخت دہلی کے حصول مین فال نیک ثابت ہوئے،

فریدون فرخ فرشتہ نبود	ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود
ز داد و دہش یافتہ نیکوئی	داد و دہش کن فریدون توئی[4]

یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ بلبن نے بادشاہت سے پہلے اپنی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ کو حضرت بابا صاحب کے حبالۂ عقد مین دیا جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیان پیدا ہوئین[5]، یہ گویا درویش نوازی اور اللہ کے ایک محبوب سے انتہائی عقیدت و گرویدگی کی مثال ہے،

بلبن بادشاہ ہوا تو اس نے بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی، ہر ممکن صورت سے بادشاہت

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۹ [2] سیر الاولیا ص ۱۰۶ [3] فوائد الفواد ص ۹۹ [4] سیر الاولیا ص ۸۰-۷۹، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [5] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۸۱ چشتیہ سلسلہ مین بلبن کا نام جس احترام سے لیا جاتا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اسی رشتہ ہی کی بنا پر ہوا

کا رعب اور وقار قائم رکھنے مین کوشان رہا، اس کا دربار آراستہ ہوتا تو ملوک و امراء، صدہا نقیب و چاؤش اور دیو پیکر جوان ننگی تلوارین لیے ہوئے اس کے گرد و پیش کھڑے رہتے. باہر کا کوئی سفیر یا ہندوستان کا کوئی راجہ دربار مین باریاب ہوتا تو سلام کے وقت خوف سے گر پڑتا، یا بے ہوش ہو جاتا۔ چنگیز خانی فتنون سے پریشان ہو کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم اور شام وغیرہ سے پندرہ شہزادے بلبن کے دربار مین آ کر پناہ لیے ہوئے تھے، ان مین سے صرف دو کو جو بنی عباس کی نسل سے تھے تخت کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی، بقیہ اور شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے، دربار کے بڑے بڑے امراء پر اسکی ہیبت ایسی طاری رہتی کہ وہ اس کی طرف زیادہ دیر تک دیکھنے کی ہمت نہ کرتے تھے، سینکڑون امراء اور فوجی سردار اس کے گرد و پیش ہوتے، اس کی سواری چلتی تو پانچسو سیستانی، عربی، سمرقندی اور غوری سوار اسکے جلو مین ننگی تلوارین لیے ہوئے اور بسم اللہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے، ان کے نعرون سے بازار اور جنگل گونجنے لگتے، یہ دو دو کوس تک سنائی دیتے. تماشائیون اور سامعین پر لرزہ طاری ہو جاتا، لوگ سو سو اور دو دو سو کوس سے آ کر یہ تماشا دیکھتے، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن نے اپنی حکومت کے بیس سال کے دور مین شاہی وقار، شاہی آداب، اور شاہی دبدبہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ اس سے زیادہ بلند نہ ہو سکا[1]،

لیکن اس شوکت و حشمت کے باوجود وہ ہر قسم کے مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا، اور حصول برکت کے لیے ان کے گھرون پر جاتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین کہ

.... مشائخ بر جادہ را بغایت حرمت داشتے و بدیدن بزرگان دین در خانہائے ایشان برفتے (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶)

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۲۶-۳۰-۳۳ تاریخ فرشتہ ص ۷۶ و ۷۵

بلبن کا خیال تھا کہ ایک حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو ایسے شخص کی پناہ مین دیدے جس نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے کو صرف خدا کے لیے وقف کر دیا ہو، ایسا شخص اس کو پناہ مین نہ لے تو وہ اس سے انتہائی عاجزی و زاری کر کے اپنے کو اس کی پناہ میں دیدے۔[1]

بلبن اور حضرت علی چشتیؒ

یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ بلبن ایسے کون سے بزرگ کی پناہ مین تھا، شاید بابا گنج شکرہی کا دامن اس نے تھام رکھا ہو، لیکن سیرالاولیاء مین ایک ایسی روایت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس نے شیخ علی چشتیؒ کے سایۂ عاطفت مین پناہ لی ہو، یہ بزرگ چشت سے آکر دہلی مین مقیم تھے، چشت کی سجادہ نشینی کے لیے دو بزرگ ان کو دہلی سے لیجانے کے لیے آئے، شیخ علی چشت جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس کی خبر بلبن کو ملی، وہ ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور ان کے قدمون مین گر کر قسم کھائی کہ اگر آپ چشت تشریف لے گئے تو مین بھی اپنی مملکت چھوڑ کر آپ کے رکاب مین چشت پہنچون گا، خواجہ علی نے فرمایا تم نے خداوند تعالیٰ کے بندون کو آرام و آسایش پہنچانے کا عہد کیا ہے، اور تمام لوگ تمھاری وجہ سے آسودہ ہین، اگر تم میرے ساتھ گئے تو ایک دنیا پریشانی مین مبتلا ہو جائے گی، اور تم سے مواخذہ ہوگا لیکن سلطان نے جواب دیا اب چاہے جو کچھ ہو، مین آپ کے قدمون سے دور رہنا نہین چاہتا، خواجہ نے سلطان کو اپنا اتنا عقیدتمند پایا تو دہلی مین قیام کرنا گوارا کر لیا۔[2]

مراۃ الاسرار کے مولف نے بھی یہ روایت پوری تفصیل سے لکھی ہے، اور اسی سلسلہ مین یہ بھی

---

[1] تاریخ فیروزشاہی (ص ۱۰۳) میں ہے

"اگر توانی بامردشہ بسیار زاری و عجز خود را در پناہ کسے اندازے کہ او صورۃً و معنیً رُئے از دنیا گردانیدہ باشد و کلّی و جزوی خود را در بندگی خدا وقف کردہ باشد"

[2] سیرالاولیاص ۲۱۲

تحریر کیا ہے کہ

"چون سلطان غیاث الدین بلبن مرید خواجہ علی بود، بہزار الحاح خواجہ را گماشت کہ بچشت زود" (قلمی نسخہ ورق ۳۵۰)

اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بلبن خواجہ علی چشتی کے حلقۂ ارادت مین باضابطہ داخل تھا،

بلبن اور خواجہ شمس الدین ترک

سلطان بلبن حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی سے جس عاجزی و خاکساری سے ملا ہے وہ بھی ایک عجیب وغریب واقعہ ہے، حضرت خواجہ شمس الدین ترک کو جب ان کے مرشد حضرت خواجہ علاء الدین صابر سے پانی پت مین قیام کرنے کا حکم ملا، تو روحانی طور پر اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت اپنے مین نہ پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزید مجاہدہ و ریاضت کی خاطر مزدوری کرنے لگے، دہلی آکر غیاث الدین بلبن کی فوج مین سوارون کے زمرہ مین شامل ہوگئے، اور جب شاہی فوج ایک قلعہ[۱] کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئی تو وہ بھی ساتھ گئے، قلعہ کی تسخیر مین بڑی دیر لگی، ایک رات سخت آندھی آئی، اس آندھی مین بلبن کے سقہ نے ان کی بزرگی کے کچھ آثار دیکھے، تو اس نے بلبن کو، اس کی خبر دی، بلبن کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا، وہ رات کو چپکے سے پاپیادہ ان کی قیام گاہ پر اس وقت پہنچا جب وہ کلام پاک کی تلاوت مین مشغول تھے، بلبن چپ چاپ دست بستہ کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو سلطان پر نظر پڑی، تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے، اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کرکے عرض کی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد مین موجود ہین لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہین ہوسکا، خواجہ شمس الدین نے ہرچند اپنے

---

[۱] سیر الاقطاب کے مؤلف نے قلعہ کا نام نہیں لکھا ہے۔

کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان نے ایسا ہی کیا اور قلعہ فتح ہوگیا، دوسرے دن سلطان نے غایت مسرت میں برہنہ پا خواجہ شمس الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، لیکن خواجہ شمس الدین کو اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم ہوا، تو کمل اوڑھ کر شاہی لشکر سے چل نکلے ہوئے۔[1]

فیوض مشائخ بلبن کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وہ مشائخ کے مزاروں کی زیارت کے لیے ضرور جاتا، مشائخ، سادات اور علماء میں سے کسی کا انتقال ہوتا تو ان کے جنازہ میں ضرور شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم میں حاضر ہوکر ان کے لڑکوں اور بھائیوں کو خلعت دیتا، ان کے لیے جاگیریں اور وظائف مقرر کرتا،[2] اس کا عہد نہ صرف سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ و سادات جمع ہوگئے تھے کہ مورخوں نے ان کے وجود کی وجہ سے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے،[3] حضرت بابا گنج شکرؒ کے علاوہ خواجہ علی چشتی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدینؒ، شیخ بدر الدین غزنویؒ، شیخ ابو المؤید، نظام الدین شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابرؒ، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی شیخ نجیب الدین فردوسیؒ، شیخ ابوبکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہوگیا تھا، ان مشائخ کے برکات کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے

...... میامن و برکات ایشان در عہد سلطان بلبن فیض رحمت آسمان متواتر بر زمین نازل می شد (ص ۵۸۳)

ظاہر ہے کہ بلبن نے ان تمام صلحاء و اخیار سے فیوض حاصل کیے ہوں گے، اور ان کی صحبت سے

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۹ - ۱۸۷ [2] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۷ - ۴۶ [3] ایضاً ص ۱۱۱، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۸۳

جو اثرات اس مین پیدا ہوئے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

علماء کی قدردانی ابن بطوطہ نے بلبن کی عدل پروری، بردباری اور نیک چلنی کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ وہ عالم اور فاضل بھی تھا، اسی لیے اس نے مشائخ کی طرح علماء کی بھی بہت قدر و منزلت کی۔ اس کا خیال تھا کہ دار السلطنت مین مشائخ، علماء اور فضلاء کا بہت بڑا اجتماع رہنا چاہیے تاکہ اس شہر کی فضیلت قائم رہے، اپنے لڑکے بغرا خان کو نصیحت کرنے کے سلسلہ مین اپنی ایک اندرونی خواہش کا اظہار اس طرح کرنا چاہا،

دار الملک خود را از علماء و مشائخ و سادات و مفسران و محدثان و حافظان و مذکران و فاضلان و ماہران ہر ہنری پر کن تا مصر جامع گردد (برنی ص ۱۰۳)

خود بھی اسی پر عمل کرتا رہا، اتفاق سے چنگیز خانیون کے فتنہ سے پریشان ہو کر جو مختلف شہزادے باہر سے آئے تو ان کی معیت مین خوارزم، دیلم، غور، یمن، موصل، سمرقند، کاشغر اور خطا سے علماء و فضلاء اور دوسرے اہل ہنر بھی بڑی تعداد مین آئے، بلبن نے ان شہزادون اور ارباب کمال کو علیحدہ علیحدہ محلون مین آباد کیا، اور ان کے یہ نام رکھے، محلہ عباسی، محلہ سنجری، محلہ خوارزم شاہی، محلہ دیلمی، محلہ علوی، محلہ اتابکی، محلہ غوری، محلہ چنگیزی، محلہ رومی، محلہ اسفزی، محلہ یمنی، محلہ موصلی، محلہ سمرقندی، محلہ کاشغری، محلہ خطائی، بلبن ان پناہ گزین شہزادون ہی کا مربی نہ تھا، بلکہ ان کے جلو مین جتنے ارباب ہنر اور اصحاب فن آئے تھے ان سب کی بھی سرپرستی کی جس سے اس کے عہد مین علم و فن کی بڑی رونق رہی، تاریخ فیروز شاہی مین ہے

از فضلاء و طلباء و ہنرمندان و ماہران و مقربان و قوالان و مطربان عدیم المثال آن عصر مملو و مشحون بودہ است و از جہت آنکہ در عہد او معتبران بسیار بودہ اند اعتبار او در اطراف عالم پیدا آمدہ ۔ (ص ۱۱۲)

تاریخ فرشتہ مین بھی ہے کہ بلبنی عہد اپنے ارباب ہنر کی وجہ سے ربع مسکون مین بے نظیر و بے عدیل تھا، اور بلبن کا دربار محمود و سنجر کے دربار سے بہتر تھا۔ اس کے لڑکے خان شہید کے یہان تو بکثرت علماء و فضلاء و مشائخ جمع ہو گئے تھے۔[۱]

بلبن کو علماء کے ساتھ جو گرویدگی رہی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ وہ علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، بزرگان دین کے سامنے کبھی خود کھانے مین پیش دستی نہین کرتا۔ کھانے کے وقت فضول باتین کرنے کے بجائے علماء سے دینی مسائل کی تحقیق کرتا رہتا، جس سے اس کا دسترخوان مذہبی مذاکرے کی ایک مجلس مین منتقل ہو جاتا۔ وہ جس طرح مشائخ کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا، اسی طرح علماء کی بھی عزت و توقیر کیا کرتا۔ شاہی جلال و جبروت کے باوجود ان کے گھرون پر بھی بے تکلف چلا جاتا، ان مین سے کسی کا بھی انتقال ہو جاتا تو تعزیت کے لیے ان کے گھر پر جاتا۔ ان کے جنازے مین شریک ہوتا اور ان کے عزیزون کو وظیفے اور جاگیرین عطا کرتا۔ اس کی سواری شاہانہ کروفر سے کہین گذرتی ہوتی اور کسی واعظ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا تو وہین فوراً اتر جاتا، اور عام لوگون کے ساتھ جاکر بیٹھ رہتا۔ وعظ مین خدا اور رسول کے احکام سنتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی، اور ڈھاڑین مار مار کر رونے لگتا۔[۲]

بلبن جن علماء کی طرف خاص طور پر مائل اور ملتفت ہوا، ان مین سے بعض کے مختصر حالات ذیل مین درج ہین:۔

مولانا برہان الدین محمود مولانا برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث اور علوم عقلی مین ان کے زمانہ مین ہندوستان مین ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا۔[۳] فقہ ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے پڑھی جنھون نے یہ پیشین گوئی

[۱] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۵، [۲] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۶-۴۷، [۳] نزہۃ الخواطر از مولانا عبد الحی ج ۱ ص ۲۴۰

کی تھی کہ

"این کودک چنان شود کہ بادشاہان بر در او بیایند"[1]

حدیث امام صغانی صاحب مشارق الانوار سے تحصیل کی، اس کے بعد ہندوستان وارد ہوئے جہاں سلاطین اور امراء میں ان کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، علم شریعت کے ساتھ علم طریقت میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا[2]، سلطان بلبن ان کا بڑا احترام کرتا تھا، جمعہ کے روز وہ جامع مسجد میں بڑے تزک و احتشام سے نماز پڑھنے کے لیے جاتا، نماز کے بعد اس کا معمول تھا کہ اپنی پوری شاہانہ شوکت و عظمت کے ساتھ مولانا برہان الدین کے گھر پر جاتا، اور ان سے مودب ہو کر ملتا اور فیض اٹھاتا تھا، بلبن کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں،

بعد از نماز جمعہ با چندان کوکبہ و دبدبہ کر سوار شدی در خانہ مولانا برہان الدین بلخی فرود آمدہ تعظیم و توقیر آن عالم ربانی بواجبی محافظت نمودی۔" (تاریخ فیروز شاہی ص ۶۶)

مولانا برہان الدین نے ۶۸۶ھ میں وفات پائی، ان کی قبر حوض شمسی کے پورب جانب ہے، اخبار الاخیار کے مؤلف کا بیان ہے کہ لوگ ان کے مزار کی خاک اپنے لڑکوں کو اسلیے کھلاتے ہیں کہ علوم کے دروازے ان کے لیے کھل جائیں،

نجم الدین عبد العزیز

علامہ نجم الدین[3] عبد العزیز بن محمد دمشقی فلسفہ کے بہت بڑے عالم تھے، امام فخر الدین رازی سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان آئے، اور دہلی میں سکونت اختیار کی، یہاں کے سلاطین و امراء نے ان کی تشریف آوری کو مغتنم سمجھا[4]، سلطان بلبن ان کی بڑی تعظیم کرتا[5]، ان کے یہاں بھی وہ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد آتا، اور انکی صحبت سے مستفیض ہوتا[6]،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۸ [2] ایضاً و تذکرہ علماء ہند ص ۳۲ [3] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۶۸ [4] نزہۃ الخواطر ص ۷۰، ج ۱ [5] برنی ص ۶۸ [6] تاریخ فرشتہ ص ۷۶

شیخ سراج الدین ابوبکر

شیخ سراج الدین[1] ابوبکر بن یوسف سجزی فقہ، اصول فقہ، اور عربی ادب کے بہت بڑے عالم و استاد تھے، درس و تدریس مین مشغول رہے، علماء کی ایک بہت بڑی جماعت ان سے مستفید ہوئی،[2] سلطان بلبن ان کی بھی بڑی عزت کرتا تھا، ہر جمعہ کو ان کی خدمت مین بھی حاضر ہوتا، اور ان سے علمی فیوض حاصل کرتا،[3]

مولانا شرف الدین ولوالجی

مولانا شرف الدین ولوالجی بہت بڑے فقیہ تھے، دہلی مین فقہ کے درس کے لیے مشہور تھے، سلطان بلبن ان کا بھی بڑا قدردان رہا، اور ان سے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتا،[4]

مولانا برہان الدین بزاز

دہلی کے ایک دوسرے ممتاز فقیہ مولانا برہان الدین بزاز کا بھی بلبن بڑا احترام کرتا تھا،[5]

قاضی رکن الدین سامانوی

قاضی رکن الدین سامانوی بھی اپنے عہد کے مشہور فقیہ تھے، سلطان بلبن ان کی بھی عزت و توقیر کرتا رہا،[6]

مولانا کمال الدین زاہد

مولانا کمال الدین زاہد علم کے علاوہ اپنے زہد و تقویٰ مین بھی مشہور تھے، مولانا برہان الدین محمود بن ابوالخیر بلخی شاگرد امام صغانی سے تحصیل حدیث کی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا کمال الدین زاہد ہی سے امام صغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار پڑھی، سلطان بلبن نے مولانا کمال الدین کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سنکر ایک روز ان سے مودبانہ درخواست کی کہ اگر آپ میری نمازون کی امامت قبول کرین تو کیا عجب کہ آپ کی امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مین میری نمازین بھی قبول ہون، لیکن مولانا کمال الدین نے اس

---

[1] برنی ص ۳۶۰ [2] نزہۃ الخواطر ص ۱۲۱ ج اول [3] تاریخ فرشتہ ص ۷۶ [4] برنی ص ۶۷ و نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۲۳ [5] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۲۸ [6] ایضاً ص ۱۵۵

درخواست کو قبول کرنے کے بجائے مکدر ہو کر کہا کہ میرے پاس نماز کے سوا کوئی چیز نہیں رہی ہے، اب بادشاہ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے، بلبن یہ سنکر خاموش ہوگیا، اور معذرت کرکے مولانا کو رخصت کیا۔[1]

مولانا شمس الدین خوارزمی مولانا شمس الدین خوارزمی شروع مین دہلی مین درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اپنے علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ عصر سمجھے جاتے تھے، دہلی کے تمام اساتذہ ان ہی کے شاگرد تھے،[2] ان کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسن اخلاق اور لطافت طبع کی بھی بڑی شہرت تھی، سیر الاولیاء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"عجب لطافتے و طبعے لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود"

پھر یہ لطیفہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف مین انکو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھا نہین گیا، تو اس کی پشت پر انھون نے عربی مین یہ لکھ بھیجا کر

انا فیکم خطہ کخطہ فی الشط فلا تکتب لنا

یعنی تمھارا خط ایسا ہے جیسے بط کے پاؤن کے نشان دریا کے کنارے ہون،[3]

سیر العارفین کے مولف ان کے بارہ مین رقمطراز ہیں کہ

"دہلی کے اندر علماء، اور فقراء بے شمار تھے، لیکن سر آمد علماء روزگار اور اجلاء و فضلائے کبار اس وقت مین شیخ شمس الدین خوارزمی تھے، تمام علماء کے گویا مرجع و مآب تھے، اور فی نفسہٖ مولانا مذکور علم اصول و فروع، معقول و منقول کے جامع تھے" (اردو ترجمہ ص ۱۱۵)

شیخ نظام الدین اولیاء بدایون سے دہلی مزید تعلیم کے لیے آئے، تو مولانا شمس الدین ہی

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۸ و سیر الاولیاء ص ۱۰۶-۱۰۵ [2] سیر الاولیاء ص ۱۰۱- بزم صوفیہ کے ص ۱۸۱ پر بھی انکا ذکر ہے لیکن اس مین شمس الدین خوارزمی کے بجائے سہواً شمس الدین دامغانی لکھ دیا گیا ہے۔ [3] سیر الاولیاء ص ۲۷۳ (۲۷۳؟)

کے سامنے زانوسے تلمذتہ کیا. مولانا نے ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردون کو اپنے حجرہ مین بلاکر درس دیا کرتے تھے. چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردون، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی، اور حضرت شیخ نظام الدین کو حاصل تھا، ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ مین نے تمھاری کیا خطا کی تھی جو تم درس مین حاضر نہ ہوئے. بتا دو کہ پھر وہی قصور کرون، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہوسکو، لیکن جب حضرت نظام الدین اولیاء کا ناغہ ہوجاتا، اور وہ ان کی خدمت مین پہنچتے تو ان کو دیکھ کر بجائے کچھ کہنے کے یہ شعر پڑھتے.

آخر کم از آن کہ گاہ گاہے | آئی و بما کنی نگاہے[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مقامات حریری ان ہی سے پڑھی، اور اس تلمذ کی وجہ سے ان کا احترام برابر قائم رکھا، سیر الاولیاء مین ہے

"حضرت پیش شمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آن نگاہ می داشت"[2]

مولانا شمس الدین بھی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی شاگردی کے زمانہ مین ان کی بڑی عزت کی، اور ان کی صغر سنی مین بھی تمام علماء سے زیادہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے،[3]

سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے مولانا شمس الدین کی ذات والاصفات کی قدر کرتے ہوئے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا، اور اپنی سلطنت کا مستوفی الملک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا، جب یہ اعزاز اور عہدہ ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۳، سیر العارفین (اردو ترجمہ ص ۱۱۶) مین "آخر" کے بجائے "بارے" ہے

[2] سیر الاولیاء ص ۱۰۳ [3] سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص ۱۱۶

تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح میں یہ شعر کہا،

شمسا کنوں بکام دل دوستاں شدی　　مستوفی ممالک ہندوستاں شدی[1]

مولانا فخرالدین ناقلہ

مولانا فخرالدین ناقلہ بھی دہلی کے ممتاز عالم تھے۔ فقہ، اصول اور عربی ادب میں ان کا علم بڑا گہرا تھا، ان کے بھی بہت سے شاگرد پیدا ہوئے، بلبن نے ان کو اپنی مملکت کا قاضی بنا کر صدر جہاں کے عہدہ پر مامور کیا، اور وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے[2]،

ان علماء کے علاوہ قاضی رفیع الدین گازرونی، قاضی شمس الدین مراجی، قاضی جلال الدین کاشانی بن قاضی قطب الدین کاشانی، قاضی سدید الدین، قاضی ظہیر الدین، وغیرہ بھی اس عہد میں اپنے بلند علمی پایہ کے لیے مشہور تھے[3]، اور قضاۃ کے منصب پر فائز رہ کر شاہی دربار سے وابستہ تھے، سادات میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جن کے زہد وتقوی کی وجہ سے اس دور میں بڑی رونق رہی، ان ہی میں شیخ الاسلام سید قطب الدین (جد بزرگوار قاضیان بدایوں) سید منتخب الدین، سید جلال الدین، سید معین الدین سامانہ اور کیتھل جنجیر، بیانہ اور بدایوں کے بھی سادات تھے، تاتاریوں کے خروج سے بھی بہت سے سادات دہلی میں آکر جمع ہو گئے تھے۔ (برنی ص ۱۱۱)

ترویج تعلیم

اس عہد میں جن علماء نے درس وتدریس میں خاص شہرت حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، مولانا برہان الدین بلخ، مولانا نجم الدین دمشقی، مولانا سراج الدین سنجری، مولانا برہان الدین بزاز، مولانا شرف الدین ولوالجی، اور مولانا منہاج الدین جوزجانی، (برنی ص ۱۱۱) ان میں سے موخرالذکر تینوں بزرگوں سے بلبن کا گہرا لگاؤ رہا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، ان

---

[1] اس روایت کی تصدیق سیرالاولیاء سے بھی ہوتی ہے (ص ۳۰۵) سیرالاولیاء میں ریزہ کے شعر میں شمسا کے بجائے "صدرا" ہے، اور "مستوفی ممالک" کے بجائے "مستوفی ممالک" ہے۔ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴ و نزہتہ الخواطر ج ۲ ص ۱۰۷ [3] سیرالاولیاء ص ۸۲،

بزرگون کے علاوہ اور دوسرے ارباب کمال بھی درس وتدریس کے ذریعہ مختلف قسم کے علوم وفنون کی ترویج مین مشغول تھے، تاریخ فیروزشاہی مین ہے،

در عصر پادشاہی سلطان بلبن چندین علماء وسرآمدہ کہ از نوادر استادان بودند بر صدر افادت سبق می گفتند........ وچندین استادان ومفتیان وسرآمدگان کہ از شاگردان وپسر علماء عہد شمسی در گفتن سبق ونوشتن جواب فتوی معتبر بودند ودر جملہ عہد بلبنی بچندین استادان وبزرگان کہ یکے از یشان اقلیمی رابیا را یہ پیراستہ بودند (ص ۱۱۲ - ۱۱۱)

اس زمانہ مین دہلی کے دو مدارس مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ کے اخراجات شاہی خزانے سے پورے کیے جاتے تھے، ان دونون مدارس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مدرسہ ناصریہ کو بھی ایلتمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصرالدین محمود کی وفات پر اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قائم کیا تھا،

اس عہد کے مدارس مین کلام پاک اور حدیث کی تعلیم ضروری تھی، تفسیر مین کشاف، ایجاز اور عمدہ عام طور سے پڑھائی جاتی تھی[1]، اب کشاف کے بجائے جلالین کامل وبیضاوی سورۂ بقرہ پڑھائی جاتی ہے، حدیث مین بخاری اور مسلم کے علاوہ مشارق الانوار[2]، مصابح الدجی[3] اور مصابیح[4] پڑھائی جاتی تھین، اول الذکر دونون کتابین امام صغانی کی ہین، اب ان کتابون کی جگہ مشکوٰۃ نے لے لی ہے، فقہ کے نصاب مین ہدایہ، قدوری اور مجمع البحرین[5] تھین، قدوری اور ہدایہ کی تعلیم تو اب تک جاری ہے، البتہ مجمع البحرین کی جگہ شرح وقایہ نے لے لی ہے، اور اب مجمع البحرین طاق نسیان بن کر رہ گئی ہے، یہ ابن الساعاتی کی مشہور کتاب تھی جو انھون نے قدوری اور النسفی کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا تھا، نحو مین کافیہ ومفصل[6] مقبول تھین، کافیہ تو

[1] فوائد الفواد ص ۱۰۹ [2و3] ایضاً ص ۱۰۳ [4] سیر الاولیاء ص ۲۰۷ [5] ایضاً ص ۲۸۹ [6] ایضاً

اب بھی نصاب میں ہے، مفصل کی جگہ شرح ملا جامی نے لی ہے، ادب میں مقامات حریری بہت زیادہ مقبول تھی،[۱] منطق میں شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھائی جاتی تھیں،[۲] فارسی میں کیمیائے سعادت، تذکرۃ الاولیاء، خمسہ نظامی پڑھنے پڑھانے کا عام رواج تھا، فن تصوف میں قوت القلوب، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، لوائح، طوالع الشموس (از قاضی حمید الدین ناگوری) وغیرہ ذوق شوق سے پڑھی جاتی تھیں،

بلبن پر بزرگان دین کے اثرات

علماء و مشائخ کی پرکیف صحبتوں سے بلبن میں جو انقلاب ہوا اس کے اثرات اس کی نجی و سیاسی زندگی دونوں کے لیے مفید ثابت ہوئے، تخت نشین ہونے سے پہلے اس کی مجلسوں میں ساغر و پیمانہ کا دور چلتا، رقص و سرود کا جشن منایا جاتا، قمار بازی بھی ہوتی، اہل مجلس پر سونے اور چاندی نچھاور کی جاتی، لیکن تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ان تمام مکروہات سے وہ تائب ہوا، اور رفتہ رفتہ علماء و مشائخ کی صحبت سے اس میں اتنے غیر معمولی تغیرات ہوئے کہ

وہ عبادت، ریاضت، روزے، نفل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق و چاشت، اوابین اور تہجد کی بھی پابندی کرتا، خواہ کوئی موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا،[۳]

لیکن اس زہد و عبادت کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے مولانا سید نور الدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا، جو انھوں نے سلطان شمس الدین التتمش کے سامنے کہا تھا، اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں

[۱] پیر لادیا ص ۱۰۱ [۲] الندوہ فروری ۱۹۰۹ء، ہندوستان کا نصاب درس از مولانا سید عبدالحی [۳] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶،۴۵

سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق مین خرچ کرتا رہے، لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنون کے قلع قمع کرنے مین صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک مین امر معروف کو جاری اور نہی منکر کو مٹانے مین کوشان نہ رہتا ہو، اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو، تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصہ کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا[1]،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بلبن نے ان فرائض کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی؟ اپنی ریاضت و عبادت کے باوجود اس کو اقرار تھا کہ وہ ایک دیندار حکمران نہیں ہے، وہ خود کہتا کہ ایک دیندار حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حکومت حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کی حکومت کے طرز پر ہو، لیکن وہ اس کا بھی اعتراف کرتا کہ ایسی حکومت قائم کرنا اس کے بس سے باہر ہے[2]، لیکن یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اس کو اپنے دور حکومت مین دین کی حمایت کی خاطر شریعت اسلام، حمیت اسلام اور شعار اسلام کا بڑا خیال رہا، وہ جیسا کہ پہلے آ چکا ہے، نمازین پڑھتا، روزے رکھتا، نماز باجماعت مین شریک ہوتا، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد جاتا، مشائخ سے اپنی گرویدگی کا اظہار کرتا، علماء و صلحاء کی تعظیم و تکریم کرتا، اس نے یہ تمام اوصاف نہ صرف اپنی عاقبت اور آخرت کو درست کرنے کے لیے اپنے مین پیدا کیے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے ان محاسن سے اس کی رعایا مین بھی خدا ترسی، دینداری اور پرہیزگاری پیدا ہوگی، کیونکہ وہ الناس علی دین ملوکھم کا قائل تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی حکمران مین نیکی، دینداری اور تقویٰ ہے تو یہ خوبیان اس کی رعایا مین بھی خود بخود پیدا ہو جائین گی، اور اگر اس مین صرف برائیان ہین تو ساری مملکت مین

[1] برنی ص ۴۴ [2] ایضاً ۴۷

برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی۔[1]

بلبن نہ صرف خود شریعت کا پابند ہوا، بلکہ اپنی قہر و سطوت سے امر معروف و نہی منکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے کی بھی کوشش کی، وہ کہا کرتا تھا کہ

از چنین بادشاہی کہ ...... نہ از ہیبت و حشمت و قہر و سطوت او در دہائے مردمان ترسان و لرزان شود ہرگز دین پناہی و دین پروری کہ بجریان امر معروف و نہی منکر متعلق است، نیاید۔" (برنی ص ۳۵)

ایک اور موقع پر ایک حکمران کے فرائض میں یہ بھی بتایا کہ

"امر و جریان مامورات شرعی و نہی منہیات و ہوائے نفس لازم داند۔" (برنی ص ۷۹)

وہ تو یہ حجت بھی پیش کرتا تھا کہ حکمرانی کے دوران میں ایک حکمران سے جتنی باتیں خداوند تعالے کی رضا اور سنت کے خلاف ہوتی رہتی ہیں، وہ معاف ہو سکتی ہیں، اگر وہ حمیت اسلام اور شعار اسلام کو برقرار رکھنے کی خاطر امر معروف و نہی عن المنکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے میں کوشاں رہے۔[2] بلبن کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب رہی، چنانچہ اس کا اعتراف نہ صرف ضیاء الدین برنی نے بلکہ تیموری دور کے مورخوں نے بھی کیا ہے، طبقات اکبری میں ہے:

"او امر و نواہی را کما ینبغی رعایت لمودے۔"[3]

اوامر و نواہی کی پابندی کرانے کے لیے بلبن مختلف منصب پر متقی، متدین اور خدا ترس حکام ہی کو فائز کرتا، (دیکھئے برنی ص ۳۴، ۴۴، ۷۳، ۷۹) تاریخ فرشتہ میں بھی ہے:

کار مملکت را جز بہ اکابر و مردم دانا نسپردی ...... و تا صلاح تقویٰ و دیانت کسے مشخص نشدے، شغل و عمل نفرمودے۔" (ج ۱ ص ۷۵)

---

[1] برنی ص ۷۰، [2] ایضاً ص ۴۱ [3] طبقات اکبری ج ۱ ص ۷۹

اور اپنے ولی عہد کو بھی اسی کی تلقین کی کہ

"قضاۃ و حکام متدین بر خلائق نصب فرمائی تا رواج دین و رونق عدل میان خلائق پذیرہ آمد"[1]

اور وہ متدین اور متقی حکام کی باتون اور سفارشون ہی کو قبول کرتا، تاریخ فیروز شاہی مین ہے کہ

"قاضیان لشکر راکہ ایشان بحرمان گفتندے در تقویٰ و دین داری مشہور بودندے حرمت بسیار داشتے و شفاعتی کہ ایشان کردندے، قبول کردے"[2]

اسی طرح حکمرانی کے سب سے اہم فرض عدل و انصاف کا جو نمونہ بلبن نے پیش کیا، اسکی مثال ملنی مشکل ہے، تاریخ فیروز شاہی مین ہے:

"داد دہی اور انصاف پروری مین بھائیون، لڑکون، مقربین اور مخصوص لوگون کا لحاظ نہ کرتا، اگر اس کے نزدیک رہنے والون مین سے کوئی کسی پر ظلم کرتا تو اس کا انصاف کرنے مین مطلق نہ چوکتا، اور جب تک مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کر لیتا، اس کے دل کو آرام نہ پہنچتا، انصاف کرتے وقت اس کی نظر اس پر نہ ہوتی کہ ظلم کرنے والا اس کا حامی و مددگار رہے، اس لیے ملکی مصلحت کی بنا پر اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، مظلومون اور بیکسون کے ساتھ اس کی شفقت ماں باپ کی طرح ہوتی، اس کے لڑکے، عزیز، مخصوصین، والی اور مقطع اس کی عدل پروری سے واقف تھے، اس لیے کسی کی بھی ہمت نہین ہوتی تھی کہ اپنے غلامون، کنیزون، سوارون اور پیدل سپاہیون کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کریں"۔ (ص ۴۰)

طبقات اکبری مین ہے:

[1] فرشتہ جلد اول ص ۸۲ و برنی ص ۷۳، [2] برنی ص ۴۴

"در داد و عدل ہیچ یک از سلاطین سابق عدل او نبود" (ج ۱ ص ۷۹)

اس کے عدل و انصاف کے قصے آج تک خاص خاص حلقوں مین سنائے جاتے ہین، (مثال کے لیے دیکھو برنی صفحہ ۱۴۱-۴۰)

خسرو نے بلبن کی حکومت کی تعریف حسب ذیل دو شعرون مین اس طرح کی ہے:

غیاث الدین و دنیا شد بر اورنگ	زبہر عون مظلومان دل تنگ
خرام پیل نپسندید بر مور[1]	شہے بود کز انجشایش و زور

خود اس زمانہ کے ہندوون نے بلبن کی حکومت کو دل کھول کر سراہا ہے، اسی عہد کے کسی ہندو کا لکھا ہوا ایک کتبہ پالم مین ملا ہے جو سنسکرت اور ہری یانہ کی مقامی زبان مین ہے، یہ کتبہ ۱۳۳۷ سنہ بکرمی (مطابق ۱۲۸۰ء) مین لکھا گیا ہے جب بلبن تخت نشین تھا، اس مین مسلمان حکمرانون خصوصاً بلبن کی تعریف کی گئی ہے، بلبن کے بارہ مین لکھا ہے کہ اس کی سلطنت مین آسودہ حالی ہے، اس کی بڑی اور اچھی حکومت مین غور سے غزنہ اور ڈراوڑ سے رامیشورم تک ہر جگہ زمین پر بہار ہی بہار کی دل آویزی ہے، اس کی فوجون نے ایسا امن و امان قائم کیا ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے، سلطان اپنی رعایا کی خبر گیری ایسی اچھی طرح کرتا ہے کہ خود وشنو دنیا کی فکر سے آزاد ہو کر دودھ کے سمندر (شیر ساگر) مین جا کر سو رہے ہین[2]،

ہان البتہ بلبن کے شاہانہ لباس اور اس کے دربار کی زینت و آرایش کی جو تفصیل تاریخون مین ہے

---

[1] مثنوی دول رانی خضر خان، مطبوعہ علی گڈھ ص ۵۰

[2] Epigraphia Indo-Moslemica 1913-1914 pp 35-45
Palam inscription

بحوالہ سلطنت دہلی کا نظام حکومت از اشتیاق حسین قریشی ص ۱۴۲-۲۱۳

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہری نمود و نمایش مین عجمی فرمانرواؤن کی تقلید کرتا تھا، اور اسکا
یہ رنگ مشرکانہ تھا، اس کے دربار مین منقش فرش بچھایا جاتا، زربفت کے پردے لٹکائے جاتے،
چاندی اور سونے کے برتن رکھے جاتے جن مین میوے، شربت اور پان رکھکر اہل مجلس کی تواضع
کی جاتی، کبھی گانا بجانا بھی ہوتا[1]، اس کی سواری کے رکاب مین بھی اسی قسم کی شان و شوکت کا مظاہرہ
کیا جاتا، بلبن کو یہ احساس تھا کہ یہ عظمت نمائی اور خود پرستی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے افعال
و اعمال احکام الٰہی اور سنت نبویؐ کے خلاف ہین، لیکن اس احساس کے باوجود اس نے اپنی
شاہانہ عظمت و جلالت کو برقرار رکھنے کے لیے دربار کے تزک و احتشام کے غیر اسلامی طریقے کو قائم
رکھا، کیونکہ بہت سے سیاسی مصالح کو سامنے رکھ کر اور اس مفتوحہ ملک کے ماحول کو دیکھکر وہ اس
نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جو بادشاہ دربار کی آرایش، شاہانہ سواری کے مراسم اور سلطنت کے آداب کا لحاظ
نہین کرتا اس کا رعب و داب رعیت کے دلوں مین قائم نہیں رہتا، اور نہ دیکھنے والون پر اس کی
حشمت و جلالت کا کچھ اثر ہوتا ہے، ایسے بادشاہ کے دشمن دلیر ہو جاتے ہین، اور اس کی حکومت مین
خلل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین، اس کا قول تھا کہ بادشاہ کا رعب اور اس کی ہیبت جس قدر اسکے
وقار و تمکنت سے رعایا کے دلون مین بیٹھتی ہے، اس قدر سزا اور خشونت سے قائم نہین ہوتی، وہ کہا کرتا
تھا کہ بادشاہ کا پرہیبت اور پرجلال نہ ہونا رعایا کی سرکشی اور بغاوت کا باعث ہوتا ہے، ایسی حالت مین
غیر مسلم باغیانہ روش اختیار کرتے ہین اور مسلمان فسق و فجور مین مبتلا ہو جاتے ہین اور جو بادشاہ اپنی
سطوت کو قائم رکھتا ہے، وہ مدتون حکمرانی کرتا ہے، ورنہ اس کی حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار
گرم رہتا ہے، عدل و انصاف مین اختلال پیدا ہو جاتا ہے، اور ظلم و تعدی کے دروازے کھل جاتے ہین،
وہ تو اس کا بھی قائل تھا کہ اگر ایک بادشاہ باہیبت اور بارعب نہین ہوتا تو اس سے دین حق کی

[1] برنی ص ۳۲

رسوائی ہوتی ہے، اور دوسرے ادیان میں رونق آجاتی ہے، پھر مسلمانوں کے معاملات میں بے انصافی ہوتی رہتی ہے،[1]

مگر اس تاویل اور مدافعت کے باوجود وہ دربار کی نمائش، خود پرستی اور اسی قسم کی اور باتوں کو رسوم جبابرہ ہی میں شمار کرتا تھا۔ اور تمام رسوم جبابرہ کو شرک، خلاف سنت اور موجب عذاب سمجھتا تھا، مگر اس کے خیال میں اس عذاب سے ایک حکمران کے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ خلق اللہ کی بھلائی میں لگا رہے۔ اور اپنے میں خداترسی پیدا کرے، ملک سے فسق و فجور دور کرے، سلطنت کے کام عقلمندوں، ایمانداروں اور خداترس لوگوں کے سپرد کرے، اور عدل و انصاف کو پورے طور پر قائم رکھے،[2]

یہ کہنے میں تامل نہیں کہ بلبن نے حکمرانی کی یہ تمام باتیں اپنے میں پورے طور پر پیدا کیں، تیموری دور کے مورخین خواجہ نظام الدین احمد اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے اوصاف پسندیدہ کے لیے

---

[1] برنی ص ۳۵-۴۴، تاریخ فرشتہ ج اول ص ۷۶-۷۵۔ [2] طبقات اکبری میں بلبن کے ذکر میں ہے:

"و بارہا می گفت کہ اینکہ بادشاہ در اوضاع و احوال خود، رسوم جبابرہ کار می فرماید، ہمہ اشتراک باخدا و خلاف سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم است، مکافات این جز بہ عقاب و عذاب نیست و تلافی این نتوان کرد، مگر آنکہ بچہار چیز، اول آنکہ قہر و سطوت خود را در محل خویش مصروف گرداند و جز از رفاہیت خلق۔ و ترس حق در نظر او نباشد، دویم آنکہ نگذارد کہ در ممالک او فسق و فجور علانیہ بوقوع آید، وسد این باب فرماید، و فاسقان و بے باکان را دائم منکوب و مخذول دارد، وسیوم آنکہ کار عمل و شغل بمردم دانا و شایستہ و بادیانت خداترس تفویض نماید و مردم بداعتقاد را در ملک خود جا ندہد کہ سبب اضلال خلق خدا شوند، چہارم آن کہ در عدالت و داد خواہی استقصا نماید بمرتبہ کہ آثار ظلم و تعدی در دیار او نماید"

(ج ۱ ص ۸۱)

حسب ذیل اشعار لکھے ہین:

فریکخسروی از پنجا خاست	کہ جہان را بعدل وعلم اراست
روز خلوت گلیم پوشیدے	بہ نماز و بنیاز کوشیدے
روئے بر ریگ و دل چو دیگ بجوش	دل سخن گستر و زبان خاموش

بلبن کے فریکخسروی نے تو نہین لیکن اس کے "عدل" "علم" "نماز و نیاز" "روئے بر ریگ" "دل سخن گستر" اور "زبان خاموش" نے اس میں ایسا کردار پیدا کیا، جس سے حمیت اسلام اور شعار اسلام کو ضرور فروغ ہوا۔ اور جب وہ اس دنیائے فانی سے عالم بقا کو سدھارا تو اس کی موت پر ماتم نہ صرف ارکان حکومت بلکہ بزرگان دین نے بھی کیا۔ تاریخ فیروز شاہی مین ہے:

"ملک الامراء کوتوال بلبن کی موت پر چھ مہینے زمین پر سویا، شہر کے تمام ملوک، امراء، صدور، اکابر و معارف بھی چالیس روز تک زمین پر سوئے، عقلمند، ہوش مند اور تجربہ کار لوگ بھی سلطان کی موت پر رنجیدہ اور مغموم ہوئے، اور شہر کے تمام بزرگان دین نے سلطان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانے تقسیم کیے[1]"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور دوسرے بزرگ جب بلبن کا نام لیتے تو اس کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" "طاب اللہ ثراہ" اور "انار اللہ برہانہ" بھی کہتے، خواجہ نظام الدین اولیا رح نے اپنی مجلس مین اس کے مذہبی عقائد کی تعریف بھی کی ہے[2]

بلبن کے دربار مین شعراء کی کمی

بلبن کو علماء و مشائخ سے کچھ ایسی دلچسپی رہی کہ وہ شعراء کی طرف مائل نہ ہوسکا۔ درباری روایات کے مطابق شعراء اس کے سامنے آکر قصائد پڑھتے اور

---

[1] برنی ص ۱۲۳

[2] فوائد الفواد ص ۲۳۲ - ۲۳۱

اور انعامات پاتے[1]، لیکن وہ ذوق شعری سے کچھ ایسا عاری تھا کہ علماء کی طرح شعراء اس کے دربار میں رسوخ حاصل نہ کرسکے، مگر اس زمانہ کے شعراء کو بلبن کے شہزادوں اور امراء کے درباروں میں ایسا ملجا و ماوی مل گیا تھا کہ ان کو بلبن کے عدم التفات کا احساس مطلق نہ ہوا شمس دبیر، قاضی اثیر، امیر خسرو اور حسن سجزی نے ان شہزادوں اور امراء کی سرپرستی اور زرپاشی میں فارسی

[1] برنی ص ۳۲، طبقات اکبری جلد اول ص ۸۰، امیر خسرو کے دیوان تحفۃ الصغر میں بلبن کی شان میں کئی قصائد درج ہیں، یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ خسرو نے بلبن کے دربار میں جاکر یہ قصائد پیش کیے، یا غائبانہ اسکی مدح لکھکر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے، ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے ہم خسرو کے بعض قصائد کے اشعار یہاں پر درج کرتے ہیں:

یقین کہ روز جہانرا نیامدست زوال ۔۔۔ چو از کسوف برون آمد آفتاب جلال

غیاث دنیا و دین سایۂ خدا ے کہ خلق ۔۔۔ بدو نیامد از ہم آفتاب زوال

بروز جمعہ بیار استند ہمچو عروس ۔۔۔ برائے شاہ جہان شہر را بہ زیور و مال

بہ قبہ کردند اشکال گردش گردون ۔۔۔ بجز و بگردش گردون نباشد این اشکال

بتان نادرہ ہستند دختران بدیع ۔۔۔ ہمی کنند شمائل روان چو آب زلال

ز طبل شاہی آواز کے کہ برمی خواست ۔۔۔ بشرق و غرب ہمی رفت و جنوب شمال

ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے جسکو خاقانی کے طرز پہ کہنے کی کوشش کی ہے،

صبح است و بر دو ید ہ صبا معجز نرش ۔۔۔ وافگندہ زلف شب ز عذار مرغوش

بلبن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

اعظم غیاث دنیا و دین و غیب مکرمت ۔۔۔ گر غیب شد ممالک دنیا مقربش

آفاق کردہ بسپر دوران رکاب او ۔۔۔ دوران نگندہ زیور اقبال در برش

ایک اور قصیدہ کا مطلع یہ ہے، یہ بھی خاقانی ہی کے طرز پر ہے۔

خسرو عالم غیاث الدین شہ گردون ۔۔۔ جناب آنکہ بر سر کردی چولان چرخ شد مالک رقاب

شاعری مین جو چار چاند لگائے، وہ ہندوستان مین فارسی ادب کی تاریخ کا ایک اہم اور شاندار باب ہے، ہم پہلے ان شہزادون اور امراء کا ذکر کرتے ہین، پھران شعراء کے حالات زندگی اور کارنامے سے ہم ناظرین کو روشناس کرائین گے،

شہزادون کی تعلیم و تربیت

بلبن کو اپنے شہزادون کی دینی اور دنیاوی تعلیم کا بڑا خیال رہا، اس کا دوسرا لڑکا بغراخان لکھنوتی کا حاکم ہوا تو اس وقت بھی اپنے بیٹے کو یہ تعلیم دی کہ اگر تم اپنے کو خدا کا بندہ اور اسی کا پیدا کیا ہوا انسان سمجھتے ہو تو ہر حال مین پانچون وقت نماز با جماعت ادا کرتے رہو، اور یہ حدیث پڑھی کہ جماعت کا تارک منافق اور ملعون ہے، اور امام کی پہلی تکبیر کے ساتھ جماعت مین شریک ہونا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، اور اگر نماز ادا نہ ہو سکے تو اس کی قضا ضرور پڑھ لینی چاہیے کہ اس سے عاقبت بنتی ہے،[1]

ظاہر ہے کہ بلبن نے اسی طرح اور دوسرے ارکان اسلام کی تعلیم پر بھی زور دیا ہوگا، دنیاوی تعلیم مین شہزادون نے پہلے تو خطاطی اور زبان و لغت کی تعلیم پائی، پھر ادیبون اور مورخون کی ضروری کتابون کا مطالعہ کیا، اصول حکمرانی اور رموز جہانبانی سیکھنے کے لیے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین اور مآثر السلاطین خاص طور پر پڑھین خواجہ تاج الدین، سلطان شمس الدین التتمش کے ندیم خاص تھے، انھون نے بلبن کے شہزادون کو آداب السلاطین ختم کرائی تو سلطان التتمش نے ان کو دو گاؤن اور ایک لاکھ جیتل انعام مین دیئے[2]

بلبن نے شہزادون کو خلوت و جلوت مین اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے کی بھی خاص تربیت دی، اس کی تاکید تھی کہ وہ اپنا خلا ملا اکابر، اشراف، ارباب دانش، اصحاب ہنر اور نیک بندگان خدا ہی سے رکھین کہ اس سے دنیا مین نیک نامی اور عقبیٰ مین سرخروئی پیدا ہوتی ہے،

---

[1] برنی ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص ۵ ۴ - ۴۴ ۱

وہ ان کو ایسے لوگوں سے ملنے کی سخت ممانعت کرتا جو کم نسل، اخلاقی حیثیت سے بے مایہ، بد دیانت یا مذہبی عقیدے میں گمراہ ہوتے،[1]

بلبن کی تعلیم و تربیت سے اس کے بڑے لڑکے محمد سلطان میں گوناگوں اوصاف پیدا ہوئے، سلطان بلبن اس کو اس کے پسندیدہ خصائل کی وجہ سے بہت ہی عزیز رکھتا تھا، وہ نہ صرف اپنی شجاعت، نبرد آزمائی، تدبر اور بصیرت کے لیے سب کی نظروں میں مقبول تھا، بلکہ اپنے عام عادات و اطوار کے لحاظ سے بھی خواص و عوام اور مشائخ و علماء سب ہی کی نگاہ میں محبوب تھا، اس کی تہذیب و شائستگی کا یہ حال تھا کہ جب دربار میں بیٹھتا تو دن کا دن اور رات کی رات گذر جاتی لیکن اپنا زانو نہیں بدلتا کسی نے اس کی زبان سے کوئی ناملائم لفظ نہیں سنا، مشائخ سے ان کا ادنیٰ خادم بن کر ملتا، ایک روز شیخ عثمان اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین دوسرے درویشوں کے ساتھ شہزادہ کے یہاں ایک مجلس سماع میں شریک ہوئے، عربی اشعار پر ان درویشوں پر وجد طاری ہوگیا، اور وہ رقص کرنے لگے شہزادہ بھی دست بستہ کھڑا ہوگیا، اور برابر زار و قطار رو رہا تھا،[2]

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار شہزادہ کی مجلس فضلاء و شعراء سے ہمیشہ بھری رہتی اور اس میں برابر شاہنامہ، دیوان سنائی، دیوان خاقانی اور خمسۂ نظامی پڑھے جاتے اور ان پر بحث و تمحیص ہوتی، اگر مجلس میں کوئی ندیم ایسا شعر پڑھ دیتا جو پند و نصائح سے بھرا ہوتا تو شہزادہ اس کو سنکر رونے لگتا، اور بعض اوقات اس پر ایسی رقت طاری ہو جاتی کہ شرکائے مجلس کو اس کے تاثرات دیکھکر حیرت ہوتی،[3] ارباب ذوق شہزادہ کی شعر فہمی کے بے حد معترف تھے، خسرو کہا کرتے تھے کہ سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کو حافظہ میں محفوظ رکھنے میں محمد سلطان

[1] برنی ص ۷۵، [2] ایضاً ص ۶۸-۶۷، [3] ایضاً ص ۶۷-۶۸

جیسا کسی کو نہ پایا، شہزادے نے ایک بیاض تیار کی تھی جس مین اپنے مذاق کے مطابق بیس ہزار اشعار انتخاب کر کے درج کیے تھے، ان اشعار کے انتخاب پر خسرو اور حسن سجزی بھی داد دیتے تھے، یہ بیاض ایسی نادر چیز تھی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو بلبن نے اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دے دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہاتھ آئی، اربابِ ذوق اس کی نقلین لیتے اور بیاضون مین درج کرتے تھے،[۵]

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین لگتا، دہلی مین بلبن کے یہان علماء و فضلاء کا بڑا اجتماع ہو گیا تھا، ان مین سے بعض ارباب علم محمد سلطان کی فیاضی و زرپاشی سن کر دہلی سے ملتان منتقل ہو گئے تھے، شہزادہ کی علمی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ رقمطراز ہے:

"ہمیشہ مجلس ہمایون خود را بہ فاضلان سعادت قرین و شاعران فراست آئین آراستہ درحق ہمگنان انواع الطاف و اعطاف مصروف داشتے و زمانہ از وجود فائز الجودش بہار بہار و چمن چمن نسرین و نسترن در جیب و دامن کردے" (ج ا ص ۷۸)

دہلی کے شعراء مین سے خسرو اور حسن سجزی کی وجہ سے محمد سلطان کے دربار کی رونق خاص طور پر بڑھی، اور ان تینون سخن فہمون اور سخن سنجون کا اجتماع ہوا تو شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی رنگینی اور کیفیت رہی، شہزادہ ان دونون ارباب کمال کو اس مدت مین اپنے بے پایان لطف و نوازش اور انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہا، خسرو دل کھول کر شہزادہ کی شان مین قصائد کہتے، اور شہزادہ مال و دولت نچھاور کر کے ان کی داد دیتا، چنانچہ خسرو اس کے جود و سخا اور خلق کے بارہ مین اس کو مخاطب کر کے کہتے ہین:

جود تو گوش صدف را پارہ کرد   نام لولو ہر کسے لالا نہاد

جود تو گوش صدف را پارہ کرد   نام لولو ہر کسے لالا نہاد

مشک ارزان شد بوصف خلق تو | کلک من چو روئے در سودا نہاد
مشتری جز مدح تو ننوشت ہیچ | خامہ را بر روئے کاغذ تا نہاد

حسب ذیل قصیدہ مین خسرو نے شاہزادہ کی شان مین اپنے والہانہ جذبات کا اظہار بڑے دلکش پیرایہ مین کیا ہے، عشقیہ تشبیب مین حسن الفاظ کی دل آویزی اور طرز ادا کی شگفتگی کے ساتھ جذبات مین بھی بڑی رنگینی ہے، صنعت التفات (یعنی ممدوح کی مدح کے وقت ضمیر حاضر سے اسکو یاد کرنا) مین شہزادہ کو مخاطب کرتے ہیں:

زہے رویت شگفتہ لالہ زاری | در حسن ترا گل پردہ داری
رخت را بہتر از مہ می شمارم | وزین بہتر نمی بینم شماری
درختِ صندل آمد قامتِ تو | کہ می پیچد درو زلفت چو ماری

اس سراپا نگاری کے بعد خیالِ یار، خیالِ وصل اور خیالِ فراق کی مصوری کر کے گریز کرنا چاہتے ہیں، جس سے گریز مین بڑی دلکشی پیدا ہو گئی ہے،

چو خود رفتی بتسکینِ دلِ من | خیالِ خویش را بفرست باری
نخواہم یادگاری از تو لیکن | خیالت آنکہ بدہی یادگاری
دلم یک چند بود اندر پس کار | فراقت باز پیش آورد کاری
گلے نہ شگفتہ بختم را ز وصلت | ز غم ہر موئے بر تن گشت خاری

اسی کے بعد ممدوح کا ذکر لاتے ہین:

زشاخ بخت چون برگے ندارم | بخواہم از جناب شاہ باری
شہنشہ نصرت دنیا محمد | کہ نارد چرخ چون او شہریاری

شہزادہ کے وقار، تمکنت، حکمرانی، بلندی اقبال، اصابت رائے، اور جود و سخا کی

تعریف خاص انداز مین کرتے ہیں،

بگاہِ زلزلہ کوہِ گران سنگ | زذاتش عاریت خواہد وقاری
جہاں دارا توئی دارا جہان را | جہان دائم ہمی گوید کہ آری
زمین شد مست ز اقبالت کہ دارد | نگہبان ہمچو رایت ہوشیاری
سپہر پیر از رای تو ہر دم | گزد انگشت ہمچو شیرخواری
نگر زد لافِ گوہر با تو دریا | کہ ابر از ژالہ گردش سنگ باری
چو در بار دین آمد ابر دستت | گہر گیرد گل اندر ہر دیاری

دعائیہ اشعار پر قصیدہ ختم کرتے ہیں:

زبہر نظم خسرو در ثنایت | کشد ہر لحظہ دُرِ شاہواری
حدیث مدح چون پایان ندارد | بدعوت بہ کہ باشد اختصاری
مدار دارِ عالم باش در ملک | بود تا دارِ عالم را مداری
حسود ملک را بر دار می کن | وزین دارش زمان می کن بداری[1]

تحفۃ الصغر کے علاوہ وسط الحیوٰۃ مین شہزادہ محمد کی شان مین تقریباً ۲۳ قصائد ہین، جن مین کبھی ابو الفرج رونی کبھی انوری، کبھی ظہیر فاریابی، کبھی اسمٰعیل کمال اور کبھی اپنے خاص رنگ مین اشعار کہکر اپنے قلم کی روانی دکھاتے ہیں، اور یہ روانی دریا کی موجوں کی طرح لہرین مارتی ہوئی دکھائی دیتی ہے،

بحر مجتث مقصور مین ابو الفرج رونی کے ایک طویل قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

بدیع نیست بہ شب دیدن ستارہ در آب | بروز بین کہ سپہرے است پر ستارہ بر آب

[1] دیوان وسط الحیوٰۃ، علی گڈھ اڈیشن ص ۵۳

خسرو نے ابو الفرج رونی ہی کی تقلید مین بحر مجتث مثمن، مخبون مقصور مین ایک طویل قصیدہ کہا ہے، جس کے تین بند ہین، تیسرے بند کے شروع میں کہتے ہین

سپیدہ دم کہ دمد آفتاب روشن تاب | زمانہ را کند از آفرین شاہ خطاب
یگانہ نصرت دین قان ملک محمد راد | خدایگان فلک مرکب ہلال رکاب
گرفتہ منزل رفعت بر آسمان لقبش | اگرچہ منزل گردد ز آسمان القاب
ببند بازوے اوبست بہر قوت دین | زمانہ رشتۂ انصاف و گوہر خطاب
جہان ز معدلت اوست قائم ارنہ بچرخ | بروج منقلب اند و ستارگان قلاب

انوری نے سلطان سنجر کی شان مین ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

گر دل و دست بحر و کان باشد | دل و دست خدایگان باشد

خسرو نے اسی کی تقلید مین بحر بدل کر یعنی بحر ہزج مثمن سالم مین شہزادہ کے لیے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

کسے را کین چنین زلف و بناگوش اینچنان باشد | اگر در دیدۂ و دل جائے سازد جائے آن باشد

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

درونم ز آتش اندیشہ بند از بند می سوزد | عفاء اللہ چون کسے کو را تپ اندر استخوان باشد

انوری نے اسی قافیہ کے ساتھ یہ شعر کہا ہے،

ظلم را دائم از سیاست او | تپ لرزہ در استخوان باشد

خسرو شہزادہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

سران را تاج سلطانی محمد شاہ بن سلطان | کہ تاج سلطنت او راست تا ملک جہان باشد
چہ معجون یافت یارب بخت او از حقہ گردون | کہ ہم ہموارہ بیدار است وہم دائم جوان باشد

قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے:

بدار ملک و دولت جاودان می باش دشمن را | بدار ملک بر می کش کہ ملک او ہمان باشد

انوری نے اپنے قصیدہ کو اس شعر پر ختم کیا ہے،

در جہان ملک جاودانت باد | خود چنین ملک جاودان باشد

ظہیر فاریابی کا ایک قصیدہ ابوبکر بن محمد کی شان مین ہے جس کا مطلع یہ ہے،

دریں ہوس کہ من افتادہ ام بنادانی | مرا بجان خطرست از غم تو تا دانی

کمال اسمٰعیل نے بھی اسی قافیہ مین ایک قصیدہ کہا ہے، اس کا مطلع یہ ہے،

بگویم ار نہ کند رخنہ در مسلمانی | تو ئی کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

ان ہی دونون ارباب کمال کے قصیدون کو سامنے رکھ کر خسرو نے شہزادہ محمد سلطان کی شان مین ایک قصیدہ کہا جس کی تشبیب کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

چون زلف غالیہ گون بر عذار بنشانی | نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

ز شانہ زخم زبان گرچہ می کشد زلفت | نمی کند سر موئے کم از پریشانی

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس | کہ نیست ہیچ کسے را غم مسلمانی

حدیث روئے تو از دم صبا بشنید | بہ بست لعل لبت از سپید دندانی

برون کشید سر از آب روشن آن سبزہ | کہ داشت جوئے لبت زیر آب پنہانی

کمال اسماعیل کا ایک قصیدہ حسب ذیل مطلع کے ساتھ ہے،

زہے ز سنبل تر کردہ لالہ را پردہ | بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

اس ردیف، قافیہ اور وزن مین بھی خسرو نے شہزادہ کی شان مین ایک قصیدہ کہا ہے، جس کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہین:

مکش بگرد رخ از خط دلربا پردہ — کہ کس ز شب نکند آفتاب را پردہ

ز بیم آن کہ رسد چشم آفتاب بتو — ببندد ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

کند بہ پیش خطت پردہ پوشی سبزہ — چو گل بباغ کشد بر سر گیا پردہ

نوائے عیدت تو کاہنگ او بنہ پردہ است — بساختہ فلک از بہر او نوا پردہ

نسیم خلق تو روزی خلق را چون گل — کشاد از پس ہر پردۂ جدا پردہ

لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ خسرو نے صرف پرانے استادوں ہی کی خوشہ چینی کرکے شہزادے کی مدح کی بلکہ اپنے خاص رنگ مین بھی قصیدہ لکھکر اپنا زور کلام دکھایا ہے، مثلاً حسب ذیل مدح مین بہاریہ تشبیب کا جو بہتر سے بہتر نمونہ ہو سکتا ہے، وہ پیش کرتے ہین، ابر نیسانی سے مابلبل کی شورانگیزی، گل و نرگس کی زرفشانی سے روئے زمین کی طلاکاری، مرغان چمن کی نغمہ سرائی، باد نسیم کی عنبر بیزی، غنچہ کی کجکلاہی، بند قبا کی چستی، باد صبا کی مستانہ خرامی، لالہ کی خون افشانی، چشم نرگس کی افسون خوانی، سرو و سوسن کی سرکشی، بنفشہ کی تواضع و فروتنی، ابر کی سیارہ افشانی کی مصوری کرکے بہار کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دی ہے،

وقت آن آمد کہ بر بالائے گردون بر شود — ابر نیسانی کز و آواز بلبل تر شود

از زر افشانِ گل و نرگس ہمہ روئے زمین — شد چنانکہ از خاک را در مشت گیری زر شود

صبح دم مرغان ببانگ آیند و ز باد نسیم — خاک زیر پر مرغان بیضۂ عنبر شود

گر قبا را چست بندد گہ کلہ را کژ نہد — غنچہ را آن دم کہ بر خود خواب اندر سر شود

آب را باد صبا زنجیر در گردن کند — دست بید انجیر را چون بید پا خنجر شود

ہر زمان دریا ز نیلوفر سپہر بر روئے آب — بفگند تا از حبابش قبۂ اسپہر شود

آب را بینی کہ از تندی چہ گنبد ہا کند — چون ز باران آبلہ در پائے نیلوفر شود

نوبہار از لالہ بلبل را بہ طشت خون نشاند ... تا چرا عاشق بروئے لالۂ احمر شود

بر زمین گند ناگون قطرہا افتد ز ابر ... سالک مروارید تر در گوش سیسبر شود

زلف سنبل دام چشم نرگس افسون خوان شدہ است ... تا گر بلبل بدان افسون بدام اندر شود

سرو و سوسن را بنفشہ زبان تواضع می کند ... تا مگر در خدمت آزادگان در خور شود

اب اس بہاریہ تشبیب کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

کار دور الکون شود گردان و در ہر مجلسے ... ساقیا را دست مطلق پرے د ساغر شود

باغ می گوید کہ من در وجہ ساقی می نہم ... ہر زر و سیمی کہ گل را جمع در دفتر شود

غنچۂ نو خیز می خواہد ز بستان بر کند ... تا بسوئے مجلس شہزادہ کشور شود

شہ نصیر دولت و دین کز نسیم دولتش ... بارہ زرین شاہان را بلند افسر شود

رائے او از یک نظر در خانۂ چرخ افگند ... ماہ را بینی کہ اندر خانۂ دیگر شود

شہزادہ محمد سلطان کی تمنا

اسی ادب و فن کی فضا مین شہزادہ محمد سلطان کی تمنا اور خواہش ہوئی کہ ملتان ہر قسم کے علوم و فنون کا مرکز ہو جائے، چنانچہ شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحب دل بھی تھے. ملتان تشریف لائے تو شہزادہ نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، نذرانے اور ہدیے پیش کیے، اور ان سے بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان مین قیام فرمائین، لیکن انھون نے اس کو قبول نہین کیا،[1]

خسرو اور سعدی

اسی طرح شیخ سعدی کی خدمت مین شیراز دو بار قاصد بھیج کر ان سے ملتان آنے کی التجا کی، زاد راہ بھیجا، اور ملتان مین ان کے لیے ایک خانقاہ اور اس کے مصارف کے لیے گاؤن وقف کر دینے کا وعدہ بھی کیا. لیکن شیخ سعدی نے دونون مرتبہ اپنی پیری کا عذر کیا

[1] برنی ص ۶۷

اور ہر مرتبہ دست خاص سے اپنی بیاض میں سے کچھ اشعار لکھ کر شہزادہ کو تحفہ بھیجا، فرشتہ کی روایت ہے کہ اس تحفہ کے ساتھ شیخ سعدی نے شہزادہ سے خسرو کی سفارش بھی کی[1]، یعنی اس سے ہندوستان کے اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، میخانہ کے مولف عبد النبی خان جواہر الاسرار مولفہ شیخ آذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ سعدی ہندوستان آئے اور امیر خسرو کی صحبت میں رہے، اور ان کی تعریف یہ شعر کہکر کی ہے:

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت | شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

ایک اور موقع پر خسرو کے لیے یہ بھی کہا

جلد سخنم دارد شیرازۂ شیرازی

شیخ آذری کی اس روایت کو بعض تذکرہ نویسوں نے غلط بتایا ہے۔ اس لیے مولف میخانہ نے لکھا ہے:

"اما چون تو ان گفت کہ شیخ آذری غلط کردہ است زیرا کہ او یکے از اکابر است و این قسم بزرگان سہو نمی فرمایند ولیکن انچہ بخاطر مؤلف کتاب میخانہ عبد النبی خان فخر الزمانی می رسانیست کہ حضرت مصلح الدین در اول جوانی در ایام سیاحت وقتے کہ خسرو درصغر سن بودہ رابدو رسانیدہ و با او صحبت داشتہ" (ص ۶۳)

لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ سعدی جوانی ہی میں خسرو سے ملے، شیخ سعدی کی ولادت سنہ ۵۸۹ھ بتائی جاتی ہے، اور خسرو سنہ ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ان کی پیدائش کے وقت سعدی ۶۲ سال کے تھے، تو پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ وہ اپنی جوانی میں خسرو سے آکر ملے، مولانا شبلی شعر العجم جلد دوم (ص ۱۴۲) میں رقمطراز ہیں کہ آذری نے جواہر الاسرار میں لکھا ہے کہ

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۶۹

شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لیے شیراز سے دہلی آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں اور اور بعض تذکرہ نویسون نے صراحتاً اس واقعہ سے انکار کیا ہے، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہوتا ہے کہ آذری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنا ممکن تھا، میخانہ کے مؤلف نے تذکرہ مخزن اخبار کی جو روایت نقل کی ہے، اس مین شیخ سعدی اور خسرو کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے، البتہ اس مین یہ ضرور ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کے بھیجے ہوئے تحفے اور امیر خسرو کے اشعار شیخ سعدی کے پاس پہنچے تو انھون نے نقد وجنس تو فقراء ومساکین مین تقسیم کردی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھ کر ان کی تعریف کی۔

"اشعار امیر خسرو را مطالعہ می فرمود وتحسین بسیار نمودہ"

شہزادہ محمد سلطان کی شہادت

افسوس کہ اس علم دوست، علم پرور اور باکمال شہزادہ کی عمر نے وفا نہ کی، ۶۸۳ھ مین چنگیز خانیون نے ایتمر خان کی قیادت مین ہندوستان پر حملہ کیا، تو انھون نے لاہور اور دیبالپور کی غارت گری کرتے ہوئے ملتان کا رخ کیا، شہزادہ محمد سلطان ملتان سے نکلا اور لاہور کے پاس دریا کے کنارے ایتمر خان کا مقابلہ کیا، اور اس کو شکست دی، شہزادے کے لشکری مغلون کے تعاقب مین آگے بڑھ گئے، شہزادہ محمد نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، دریا کے کنارے پانچ سو لشکریون کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ یکایک دو ہزار مغل کمین گاہ سے نکل کر شہزادہ پر حملہ آور ہوئے، شہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر بڑی دلیری اور جانبازی سے ان کا دیر تک مقابلہ کیا، اور قریب تھا کہ مغل شکست کھا کر فرار ہو جائین کہ اچانک ایک تیر شاہزادہ کو آکر ایسا لگا کہ اس کے زخم سے جانبر نہ ہو سکا، اور اس کی شہادت ہندوستان کی تاریخ کا ایک بڑا ہی المناک واقعہ ہے، اس کی علم دوستی کا حال یہ تھا کہ اس میدان جنگ مین بھی خسرو اور حسن دہلوی اس کے ہمرکاب تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد مغل ان دونون کو گرفتار

کرکے اپنے ساتھ لے گئے۔ خسرو نے اسی گرفتاری اور اسیری مین اپنے مربی کی شہادت پر دو نہایت ہی درد انگیز اور غمناک مرثیے لکھے، جو "منظوم سحر حلال" کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک مدت تک لوگ گھر گھران مرثیون کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیزوں پر نوحہ کرتے تھے[1]، پہلا مرثیہ سعدی شیرازی کے مرثیۂ بغداد کی بحر رمل مثمن ومقصو رمیں ہے، اس میں گیارہ بند ہیں، ہر بند مین بارہ اشعار ہین، پہلے بند میں شہزادہ کی شہادت کے جانگداز سانحہ پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں،

واقعہ است این یا بلا کز آسمان آمد پدید ۔۔۔ آفت ست این یا قیامت کز جہان آمد پدید

رخنۂ کامسال در ہندوستان آمد پدید ۔۔۔ راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را

بہت ہی رنج وقلق کے ساتھ کہتے ہین کہ شہزادہ کی موت سے مجلس یاران درہم برہم ہوگئی اور اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

مجلس یاراں پریشان شد چون برگ گل زباد ۔۔۔ برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

ہر مژہ بے دیدن یاران سنانے شد بہ چشم ۔۔۔ تیر بالا چون ز نوک ہر سناں آمد پدید

دل نہ پیچد چوں؟ ز نامہ رشتۂ صحبت گسست ۔۔۔ دُرّ نہ ریزد چوں؟ خلل در ریسماں آمد پدید

بڑی حسرت سے اسی مجلس یاران کے دوبارہ اجتماع کی تمنا کرتے ہیں، لیکن پھر یاس بھرے لہجے میں کہتے ہین کہ مجلس کے بچھڑے ہوئے دوست بنات النعش (سات ستارے جو قطب کے ستارون کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں) ہو کر رہ گئے ہیں، پھر یہ بنات النعش پروین دائیں میں

---

[1] منتخب التواریخ میں ہی "دو مرثیۂ ترکیب بند کہ در دیوان غرۃ الکمال مسطور است بنظم وردہ در دہلی فرستاد وتا یک ماہ وبیش آن ترکیب بند ہا را مردم می خواندند وبر کشتگان خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند"

یہ دونوں مرثیے میری نظر سے وسط الحیوٰۃ میں گذرے ہیں،

ملے ہوئے ستارے) کیسے بن سکتی ہے، یعنی اب بچھڑوں کا جمع ہونا ممکن نہیں۔

من نخواہم جز بہاں جمعیت واین کے شود — خود خیال ست این بنات النعش پروین کے شود

دوسرے بند میں ملتان سے لاہور تک شہزادہ کی فوج کشی، جان بازی اور شمشیر زنی کا ذکر ہے، جس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ شہزادہ کی پامردی اور جوانمردی کام نہ آئی، اور اس کی ساری تدبیریں تقدیر کے سامنے بیکار ہو کے رہ گئیں،

او درین تدبیر آگہ زتقدیر فلک — صفحۂ تدبیر را خطِ مشیت در کشید

تیسرے بند سے آٹھویں بند تک مغلوں سے خونریز لڑائی کا ذکر ہے، کہتے ہیں کہ لڑائی کیا تھی۔ قیامت تھی،

نے فزع بود آں قیامت را معین دیدہ ام — گر قیامت را نشان این است بس من دیدہ ام

شہزادہ کی موت سے مسلمانوں کی فوج کو جو نقصان پہنچا اس کا ذکر کر کے اپنے کو تسکین دیتے ہیں کہ اس کی شہادت کوئی عیب نہیں، نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو دار پر چڑھایا، اسی طرح شہزادہ دین کی خاطر کافروں کے ہاتھ شہید ہوا، لیکن اس تسکین و تسلّی کے باوجود خسرو اپنے اندوہ و غم کو ضبط نہیں کر سکے ہیں، شہزادہ کی موت پر ہر طرف جو آہ و بکا ہوئی اس کی تصویر آٹھویں بند میں کھینچتے ہوئے پہلے تو شاعرانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اس موت پر آفتاب رویا، ماہتاب رویا، دریا میں مچھلیاں روئیں، ہوا میں پرندے روئے، ستاروں کے آنسو شبنم کی صورت میں ہے، پھر ملتان کے لوگوں پر کیا گزری، اسکو بیان کرتے ہیں:

خلقِ ملتان مرد و زن گریہ کنان دمو کنان — کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند

از خروشِ گریہ و بانگِ دہل کس می نخفت — بسکہ در ہر خانۂ اہلِ عزا بگریستند

ہم بآب چشم خود کردند ترتیب وضو	مغفرت جویان کہ در وقتِ دعا بگریستند
دیدہ خون افشاند بر گل چون گلوے کشتگان	بسکہ ہر کس کشتگانِ خویش را بگریستند

نوین بند مین ایک دوسرے پیرایہ مین شدتِ غم کا اظہار ہے جس کا آخری شعر یہ ہے

موے سر تا چند ازین غم زار و گریان بر کنم	این تنِ چون موئے بارے از سر جان بر کنم

پھر دسویں بند مین دوستوں کی جدائی کا بڑا ہی درد انگیز ماتم ہے، شہزادہ کی بزم کے دوستوں کو یاد کر کے نوحہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں

حیف باشد مردمان در چشم ما از چشم دور	دیگران را چون توان دیدن بجائے دوستان
دوستان رفتند غیرے را چہ گیرم در کنار	چون کشم بر قامت ہر کس قبائے دوستان

آخری بند میں دوستوں اور شہزادہ کے لیے دعا کرتے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے

یارب از خورشید رحمت نور در جان بادشان	جان ز فیض نور چون خورشید تابان بادشان

آخر مین برسم تعزیت سلطان بلبن کو تسکین دیتے ہین، اور اس کے بقیہ دونوں شہزادوں کے لیے دعائیں کرتے ہین،

چون محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد	کیقبادش اسعد و کیخسروش مسعود باد

یہ مرثیہ شروع سے آخر تک کچھ ایسا درد انگیز اور المناک ہے کہ اس کو پڑھ کر آج بھی اس ہر دل عزیز شہزادہ کی موت کا غم تازہ ہو جاتا ہے، دوسرے مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

اے دل بغم نشین کہ ز شادی نشان نماند	اے دیدہ خون گری کہ طرب در جہان نماند

اس مرثیہ کا بھی ہر شعر غم والم سے بھرا ہوا ہے، خسرو مغلوں کی قید سے چھوٹ کر دہلی آئے تو شہزادے کی موت پر جو مراثی لکھے تھے، غیاث الدین بلبن کے دربار میں جا کر پڑھے، دربار مین کہرام مچ گیا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، سلطان بلبن اس قدر رویا کہ اس کو

بخار آگیا[۱]، وہ شہزادہ کی شہادت کے بعد لب گور ہوتا چلاگیا، برنی کا بیان ہے کہ شہزادہ کی موت کے بعد وہ ملکی مصالح کی بنا پر دربار مین تو پورے وقار و تمکنت کے ساتھ آتا لیکن رات کو اپنے محبوب فرزند کی یاد میں زار و قطار روتا، کپڑے پھاڑ لیتا، اور سر پر خاک ڈال لیتا[۲] یہاں تک کہ اسی غم مین ایک روز عالم جاودانی کو سدھارا،

مرثیۂ حسن سجزی

خسرو نے اپنے مذکورۂ بالا مراثی میں اندوہ و غم، کرب و الم اور سوز و گداز کی جو مصوری کی ہے، اس سے زیادہ موثر اور دردانگیز مرقع کھینچنا ممکن نہ تھا، اسی لیے شہزادہ کے دوسرے ہم جلیس اور اس کے عہد کے دوسرے بے مثل اور قادر الکلام شاعر حسن سجزی نے اس دردناک حادثہ کا مرثیہ نظم کے بجائے نثر میں لکھا، جو خسرو کے مراثی ہی کی طرح بہت مقبول ہوا، بڑا طویل مرثیہ ہے لیکن ہر زمانہ مین ذوق و شوق سے پڑھا گیا حتی کہ تیموری دور کے مورخوں میں نظام الدین بخشی مؤلف طبقات اکبری اور ملا عبد القادر بدایونی مؤلف منتخب التواریخ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس طویل مرثیہ کو نقل کرکے گویا اس کی داد دی ہے، اس کے کچھ ٹکڑے ہم ناظرین کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں، تاکہ شہزادہ کی موت پر حسن سجزی کے جذبات مین جو تلاطم پیدا ہوا اس کا اندازہ ہو، اور ان کی نثر نگاری کا نمونہ بھی سامنے آجائے. گو یہ اسلوب بیان انھون نے اپنی مشہور و معروف تالیف فوائد الفواد میں اختیار نہیں کیا،

اس مرثیہ میں ایک فاضلانہ تمہید کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہے، پھر شہزادہ کی بہادری کا ذکر کرکے اس کی ناگہانی شہادت کی تصویر کھینچتے ہیں کہ یکایک ایک تیر قضا شہزادہ کو آکر لگا اور اس کے زخم سے اس کی روح اس کے قالب سے نکل کر روضۂ رضوان کی طرف منتقل ہوگئی اور معلوم ہوا کہ اسی وقت دین محمدی کی پشت غمزدہ یتیمون کے دل کی طرح ٹوٹ گئی اور ملت محمدی کی دیوار گھر بیابان کی طرح پست ہوگئی، ملک کی قوت کھوگئی، اسلام کا سہارا جاتا رہا،

[۱] شعر العجم ج ۲ ص ۱۱۵ [۲] برنی ص ۱۱۰،

"ہم در علین این عنا و اثنائے این آشوب و بلا ناگاہ تیرے از شست قضا بہ بال

آں شہباز فضائے غزا رسید و مرغ روح از قفس قالب آنحضرت بجانب گلشن روضۂ

رضوان نقل کرد، اناللہ وانا الیہ راجعون، ہمان زمان پشت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

چون دل یتیمان زار بشکست وسۂ ملت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم چوں گور غریباں پست

بیفتاد و اعتقادی کہ بازوی ملک را بود از دست بہ شد و اعتمادے کہ بیضۂ اسلام

داشت از جائے برفت"

غروب آفتاب کے وقت شہزادہ کی روح عالم بالا مین پرواز ہوئی، آسمان سوگوار

ہوکر نیلگوں ہوگیا، سیارے اشکبار ہوگئے، زحل نے اہل ہند کی تعزیت میں سیاہ لباس پہن

لیا، مشتری نے شہزادہ کے خون آلود کپڑے دیکھ کر اپنا لباس چاک کر لیا، مریخ رنج اور تاسف

میں اس طرح تڑپنے لگا جیسے حوت (مچھلی) آفتاب کے سامنے اور حمل (بھیڑ) قصاب کے سامنے

تڑپتی ہو، آفتاب اس شرم سے کہ اس حادثہ کو ہونے سے کیوں نہ روک دیا، زمین میں ڈوب

گیا، زہرہ نے یہ دیکھکر کہ اجرام فلکی کس مصیبت مین آگئے ہیں، طنبورہ کو زور سے اور دف کو

دوسرے دھن مین بجانا شروع کیا، اور نیا راگ الاپنے لگی، اور شہزادہ کی وفات پر رونے لگی

عطارد نے جو لڑائی اور فتح کا حال لکھا کرتا ہے، دوات کی سیاہی سے اپنا منہ سیاہ کر لیا اور

غم مین کاغذ سے اپنے کو لپیٹ لیا، ہلال بھی افق مین سر پیٹ کر سوگوار بنا ہوا تھا، اب فارسی

عبارت ملاحظہ ہو

راست وقت غروب آفتاب عمر آن شاہ کہ آفتابش زرد شدہ بود بمغرب فنا فرو

رفت، و گردون بر شعار سوگواران جامہ در نیل زدہ و اشک سیارہ بر اطراف رخسارہ

روان گردیدن گرفت، زحل بر وقت تقاضائے وفاء شرط عزا کسوت سیاہ گردانید و

مرگ او بر اہل ہندوستان نوحہ می کرد، و مشتری بر دریغ آن اندام گردانندو و قبائے
خون آلود دراعہ چاک می کرد، و دستار بر خاک می زد و مریخ کہ دست قوت او چون
چشم ترکان وردی معیشت او چون جعد زنگیان تنگ و تاریک ماو از تاسف آن
خار خار کہ در دل خون انگیخت چون حوت در پیش آفتاب و چون حمل در قبضہ قصاب
می طپید، و آفتاب از شرم آنکہ چرا در دفع این حادثہ و قمع این واقعہ نکوشید بر نیامد و
در تہ زمین فرو شد. و زہرہ چون دید کہ اجرام او چنگ ایام چہ زحمت یافتند زاد فی الطنبور
نغمہ دف را ورق بگردانید و سماع در پردۂ دیگر آغاز کرد و بر فات آن شاہ بندہ نواز
خود بجائے ساز نالیدن گرفت. و عطارد کہ در غزوات و فتوحات بہ موافقت کاتب
فتحنامہا در قلم می آورد دران نظم از سواد دوات خود روی سیاہ می کرد و از اوراق دفتر
خویش پیراہن کاغذین می دوخت و ماحالے در صورت ہلالے با قامت منحنی دران قیامت زمین سر بدیوار و درافق می زد۔"

اس کے بعد شہزادہ کے ایصال ثواب کے لیے دعائیں ہیں،

خسرو اور حسن سجزی کے مراثی کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شہزادہ سلطان محمد کی
زندگی وفا کرتی تو ہندوستان کی علمی تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا، شہزادگی ہی کے زمانہ میں تو اس کا
دربار علم و فن کا گہوارہ بن چکا تھا، جب وہ تخت نشین ہوتا تو معلوم نہیں شعراء و فضلاء کی سرپرستی
کس کس طرح کرتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر
ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا، اور
بلبنی تخت پر متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں میں غرق ہو جاتے، لیکن ارباب
فضل و کمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں

دیکھا، اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت و استطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان، ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا۔" (۶۹-۶۸)

شہزادہ بغرا خان

بلبن کے دوسرے لڑکے ناصر الدین محمود المعروف بہ بغرا خان کی بھی تعلیم و تربیت شہزادہ محمد سلطان ہی کی طرح ہوئی، اس نے بھی خطاطی، زبان اور تاریخ کی تعلیم خاص طور پر پائی، لکھنوتی سے اودھ آکر اس نے اپنے لڑکے کیقباد کو آداب السلاطین کے حوالے سے جو رموز حکمرانی بتائے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے آداب السلاطین کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا،[1] مگر شہزادہ محمد سلطان اور اس کے طبائع میں فرق تھا، اس لیے محمد سلطان کو جو محبوبیت حاصل ہوئی وہ اس کو حاصل نہ ہوئی، لیکن وہ بھی علم دوست، ہنر پرور اور خصوصاً ماہرین فنون لطیفہ اور ارباب نشاط کا دلدادہ رہا، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دربار قصہ گویوں، سازندوں، گویوں، اور ظریفوں سے بھرا رہتا تھا،[2] لیکن امیر خسرو کے دیباچۂ غرۃ الکمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہزادہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتا تھا، اور شعراء کو اپنی زرپاشیوں سے سیراب کرتا رہتا تھا، ایک بار سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے ممتاز زرین خان کشلی خان کی قیام گاہ پر شعراء کا اجتماع ہوا، اس میں بغرا خان بھی شریک تھا، شعراء نے اپنے اپنے کلام کشلی خان اور بغرا خان دونوں کو مخاطب کرکے سنائے، شعراء میں شمس دبیر، قاضی اثیر کے علاوہ خسرو بھی تھے، خسرو کی زمزمہ سنجی سے بغرا خان اتنا متاثر ہوا کہ صلہ کے طور پر ان کو ایک لگن بھر کر روپیے دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی، خسرو اسی کے دربار سے وابستہ تھے، اس کی ناگواری کے بعد اس کے دربار سے علیحدہ ہو کر بغرا خان کے یہاں سامانہ

[1] برنی ص ۱۴۲، [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۵،

چلے گئے، جس نے ان کو ندیم خاص بنا کر بڑی قدر، و عزت کی، وہ خود لکھتے ہیں:

"بندہ بندیمی خاص مخصوص گشتم، و بر قاعدہ خدمت قیام نمودم، روز بروز کار براوج می شد" (دیباچہ غرۃ الکمال)

خسرو نے اس قدر شناسی سے متاثر ہو کر اس کی شان میں کئی قصیدے کہے جن میں ایک کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

چون بجنت روشن من سر بہ آسمان آورد — مرا بہ حضرت شہزادۂ جہان آورد

خدائگان سلاطینِ عصر نصرتِ دین — کہ بخت بر در او سر بہ آستان آورد

بلند مرتبہ محمود شاہ بن سلطان — کہ عزم او کرۂ چرخ زیر ران آورد

عنانِ باو بہ یکبارگی برفت از دست — ازان کمیت کہ باد با دہم عنان آورد

برائے ضبط جہان آفتاب تیغت را — قضا زمادر ایام تو امان آورد

حدیث چشمۂ خورشید بر فلک می رفت — فلک حکایت آن تیغ در میان آورد

نسیم بزم تو چون بزم بوستان بگرفت — بہ پردہ داری گل را بہ بوستان آورد

بہ تیغ سایۂ گل راہی برد سوسن — کہ او بہ مجلس تو یاد گلستان آورد

حدیث جود تو یاران بگوش ماہی گفت — صدف زگفت تو آتش آب در دہان آورد

بیاد بزم تو دل غنچہ گشت نرگس را — زباد لرزہ چو در شخص ناتوان آورد

چو بخت دید کہ دستم کسے نمی گیرد — گرفت دستِ من و بر خدائگان آورد

۶۷۸ھ میں بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا، تو اس کے درباری شعراء شمس دبیر اور قاضی اثیر کے علاوہ خسرو اور حسن سجزی بھی اس کے ہم رکاب تھے، لکھنوتی پہنچکر خسرو کو دہلی کی یاد زیادہ ستانے لگی، مولانا شمس دبیر کی خواہش تھی کہ خسرو ان کے آقا کی مجلس ہی کو

پر رونق بنائے رکھیں، لیکن امیر خسرو نے بنگال کے معاوضہ میں دہلی دینا پسند نہیں کیا، اسلیے وہ دہلی واپس آگئے،

جن شعراء نے بغرا خان کی منادمت آخر وقت تک کی، ان میں دو کے نام نمایاں ہیں، مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر،

شمس دبیر مولانا شمس دبیر کا پورا نام شمس الدین تھا، دہلی کے ملوک سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوئے، تو دبیر (سکریٹری) کے فرائض انجام دیتے رہے، اس لیے ان کے نام کا جزء دبیر ہوگیا، تذکروں، تاریخوں اور خواجگان چشت کے ملفوظات میں ان کا ذکر عام طور سے شمس دبیر ہی کے نام سے ہے، سنام وطن تھا، تاریخ فرشتہ میں ہے،

"شمس الدین نام شاعرے کہ ساکن قصبہ سنام بود ......" (جلد دوم ص ۳۸۹)

خواجہ امیر حسن سجزی مرتب فوائد الفواد نے ان کو اپنا قریبی عزیز اور ہم قوم بتایا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی مجلس میں ایک بار مولانا شمس دبیر کا ذکر فرمایا تو امیر حسن سجزی نے کہا "بندہ را با دنسبت قرابتے ہست .... خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ ہم قوم بود، بندہ گفت آرے"[1]

مولانا شمس دبیر کی ابتدائی تعلیم کا حال تو معلوم نہیں ہو سکا، لیکن ان کی علمی استعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے علوم کی تعلیم پائی تھی، مولانا عبد الحئی نے ان کا شمار علماء میں بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ممتاز علماء اور شعراء میں تھے،[2]

شمس دبیر اور بابا گنج شکر فوائد الفوائد کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہو سکا کہ انھوں نے علم سلوک پر قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب لوائح بابا فرید الدین گنج شکر سے پڑھی تھی،[3] اس لحاظ سے بابا صاحب

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۳۸ و ۱۶۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۵ [3] فوائد الفود ص ۱۳۸ و سیر العارفین اردو ترجمہ ج ا ص ۸۸، ۸۹، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۹

ان کے استاد تھے، اور غالباً ان سے بیعت بھی کی تھی[1]، کیونکہ بابا صاحب کے مجموعۂ ملفوظات راحت القلوب
مین ان کی مجلس کے تذکار میں ان کا بھی کئی بار ذکر آیا ہے، ۲۷ رشعبان ۶۵۵ھ مین ان الفاظ مین
ذکر ہے،

"شیخ بدرالدین غزنوی نے عرض کی کہ اہل سماع کی بیہوشی کہان سے آئی، شیخ الاسلام
نے فرمایا، اس روز سے کہ جب انھون نے "الست بربکم" کی ندا سنی اور بیہوش ہو گئے،
وہ بیہوشی ابتک ان میں سرایت کی ہوئی ہے، اس لیے جب بھی یہ سماع سنتے ہین بیہوشی
ان مین اثر کرتی ہے، اور وہ بیہوش ہو جاتے ہین، اس وقت شمس دبیر نے زمین کی طرف رخ
کرکے کہا اس روز جب کہ الست بربکم کی ندا آئی تو کیا سب روحیں ایک تھین، فرمایا" ہان"۔

۲۵ رشوال ۶۵۵ھ کی مجلس مین ان کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ ایک موقع پر انھون نے بابا
فریدالدین گنج شکر کی شان مین ایک طویل قصیدہ کہا، اور ان کی اجازت سے ان کو سنانا شروع
کیا، بابا صاحب اس قصیدہ کو سنتے جاتے اور جابجا ان کی اصلاح فرماتے جاتے، مولانا شمس الدین
دبیر اس سے خوش ہوئے، اس کے بعد بابا صاحب نے فرمایا کہ کیا صلہ چاہتے ہو، شمس دبیر نے کہا
کہ ایک بوڑھی ماں کی خبرگیری کرتا ہون، لیکن تنگیٔ معاش سے پریشان ہون، بابا صاحب نے فرمایا
جاؤ شکرانہ لے آؤ، مولانا شمس دبیر نے پچاس جیتل (یا جیتل) لاکر پیش کیے، بابا صاحب نے اپنے دست
مبارک سے اسی وقت مجلس کے حاضرین میں تمام جیتل تقسیم کر دیے، جن مین چار حضرت نظام الدین
اولیاءؒ کو بھی ملے، پھر بابا صاحب نے فاتحہ پڑھی، اسی کے بعد شمس دبیر کی مالی پریشانی جاتی رہی[2]، یہ روایت
فوائد الفواد (ص ۱۲۸ - ۱۲۷) سیر العارفین (اردو ترجمہ ۸۹) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۸۹)
میں بھی ہے، لیکن راحت القلوب مین ہے کہ بابا صاحب کی دعاؤن کے چند روز بعد مولانا شمس دبیر

[1] نزہۃ الخواطر میں ان کے بارہ مین ہے و اخذ الطریقۃ عن الشیخ فریدالدین مسعود الاجودھنی [2] راحت القلوب ص ۳۱

سلطان غیاث الدین کے دبیر ہو گئے، فوائد الفواد اور سیر العارفین میں ہے کہ غیاث الدین کے لڑکے
کے دبیر ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شمس الدین التمش کے لڑکے کے وزیر ہوئے،

شمس دبیر اور بغرا خان ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں کیا ہے
اور ان کو عہد ناصری کا ملک الکلام بتایا ہے[1] اور ان کا ایک قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ملا صاحب
کے خیال کے مطابق سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا تھا، گو آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

"سلطان غیاث الدین بلبن در آخر حال اور انشی مملکت بنگالہ کامرود ساختہ در ملازمت
پسر بزرگ خویش نصیر الدین بغرا گذاشتہ بود" (ج ۱ ص ۹۴)

لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے شمس دبیر کے متعلق جتنی باتیں لکھی ہیں، ان میں زیادہ تر مسامحات
ہیں، مثلاً اوپر کے اقتباس میں بلبن کے بڑے لڑکے کا نام نصیر الدین بغرا بتایا گیا ہے، جو صحیح نہیں،
اس کا نام محمد سلطان تھا، البتہ اس کے چھوٹے لڑکے کا نام ناصر الدین (نصیر الدین نہیں) محمود
بغرا خان تھا، جو لکھنوتی کا ایک آزاد حکمران تھا، اور اسی کے مناو مدت میں مولانا شمس دبیر برابر
رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، ملا عبد القادر بدایونی کو دہلی کے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن
کے لڑکے ناصر الدین محمود (والی لکھنوتی) کا دھوکا ہوا، اسی لیے انھوں نے شمس دبیر کو عہد ناصری
کا شاعر بتایا ہے، اور جو قصیدہ لکھنوتی کے والی ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا ہے، وہ دہلی کے
سلطان ناصر الدین کی طرف منسوب کر دیا، اور شاید ان ہی کے بیان کو سامنے رکھکر فرشتہ نے

---

[1] ملا عبد القادر کی عبارت یہ ہے کہ

"از جملے کہ در عہد ناصری کوس نواختہ بدرجۂ ملک العلامی رسیدہ بودند شمس الدین دبیر است"

منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم نے ملک العلامی کے بجائے ملک الکلام لکھا ہے، اور اس کا ترجمہ
Lord of Eloquence کیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ جلد اول ص ۱۲۳)

لکھ دیا ہے کہ

"زود ی شمس الدین وزیر پسر شمس الدین التمش شدہ (ج ۲ ص ۳۹۰)

تذکرہ نویسون مین مظفر حسن اور مولانا عبد الحئی نے بھی غالباً ملا عبد القادر ہی کے بیان پر بھروسہ کیا ہے، مظفر حسن نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنے تذکرہ روز روشن مین لکھا ہے،

"شمس الدین دبیر بتوجہ ناصر الدین غازی منشی ممالک گردید"

نزہتہ الخواطر مین بھی ہے:

"وہ سلطان ناصر الدین محمود بن التمش کے عہد مین دیوان انشا کے متولی تھے، اور اسی کے شان مین بڑے پرزور قصائد کہے"

لیکن درحقیقت شمس دبیر جیسا کہ فوائد الفواد مین ہے، حضرت بابا گنج شکر کی دعاؤن کی بدولت سلطان غیاث الدین کے لڑکے یعنی ناصر الدین محمود بغرا خان کے دبیر ہوئے، اس کی تصدیق امیر خسرو کے دیوان عزۃ الکمال کے دیباچہ سے بھی ہوتی ہے، اس دیباچہ مین وہ مولانا شمس کے نام کے ساتھ برابر دبیر لکھتے ہین، اور ان کو شہزادہ بغرا خان کے ندیم ہی کی حیثیت سے یاد کرتے ہین، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین:-

"روزے شہزادہ خورد بغرا خان بزرگی فرمود و در خانۂ خان معظم کشلو خان کہ ابن عم او بود مہمان آمد، بدان سبب کہ از عشرت ایشان مدام دور بسلطان می رسید از حرفا خلوتے چند برابر دارند تا شمس الدین دبیر و قاضی اثیر برا اثر دران قران السعدین و اجتماع نیرین ......"

بلبن کے ابتدائی دور مین مولانا شمس الدین اور زیادہ معزز اور مقتدر امیر ہوگئے، جیسا کہ امیر خسرو کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے جو انھون نے اپنی صغر سنی مین اس وقت لکھا جب وہ دربار کے مختلف امراء کی مدح مین قصائد لکھ کر اپنے شاعرانہ کمال کا سکہ جمانے اور دربار مین رسوخ

حاصل کرنے کی بھی پوری کوشش کر رہے تھے، چند اشعار یہ ہین:

دہند زر دل و دیدہ نرگس و سمنش — کند چو باد صبا وصفِ غنچۂ دہنش
بکوہ لالہ گرفتیت سنگ تر دامن — کہ تا بسینہ زند پیش سیمگون سمنش
چرا بہ بحر معلق شدست چون ہاروت — اگر نہ خندہ کند رہ نمائی سخنش
سپہر عز و علا شمس دین و دول کہ گشت — میان سنبلہ فضلی بسر دو دانہ حسنش
بچرخ آئینہ وش عکس رائے روشن اوست — کہ کردہ اند خطاب آفتاب تیغ زنش
چو نوک خامۂ او دررہِ خطا برود — چرا نہ پیش او باز نانہ ختنش؟

اور جب بغرا خان دہلی سے سامانہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، تو مولانا شمس بھی اس کی معیت مین گئے، سامانہ مین ان کی حیثیت اور بھی زیادہ ممتاز ہو گئی، چنانچہ امیر خسرو سامانہ بغرا خان کے یہان پہنچے، تو وہان کے قیام کے زمانہ مین مولانا شمس دبیر کی شان مین بھی قصائد کہے، ان مین سے ایک قصیدہ کے بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،[1]

ناگہش مست ز گلزار برون آوردند — وز تہ مقنعۂ رخسار برون آوردند
باز کردند گریبانش کہ گر ماز دہ بود — سینہ چو گل و گلنار برون آوردند
بلبلان ریختنی کعبِ پاش از دل گل — اے بسا زر کہ بمنقار برون آوردند
گل کہ در خاک بغلطید ز رشک اندامش — پارہ پارہ شدہ از خار برون آوردند
چون غم سوختہ گشتند روان آب حیات — از خط صدر جہاندار برون آوردند
شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او — فضل را قیمت و مقدار برون آوردند
از پے کشتن دشمن دو زبانِ قلمش — گوئی خود از دہن مار برون آوردند

[1] یہ قصیدہ کے منتخب اشعار ہین پورا قصیدہ نقل نہیں کیا گیا ہے،

در پناہِ قلمش جان برد از تیرِ خدنگ | شرزہ شیرے کہ زنے زار برون آوروند
اے دبیرے کہ بہ پروانۂ نوک قلمت | تیغ خورشید ز زنگار برون آوروند
زان ولایت کہ در آن خامۂ تو تیرہ بزد | عَلَمِ فتنہ نگونسار برون آوروند
گرہ کلکِ ترا اہلِ سخن بکشادند | زان ہمہ لولوئے شہوار برون آوروند
نافۂ مشک ز خلقِ تو بکہسار رخزید | مو گرفتند ز کہسار برون آوروند

اجودھن کی حاضری | مگر اس دنیاوی اعزاز کے باوجود مولانا شمس دبیر نے بابا گنج شکرؒ کے یہاں کی حاضری نہیں چھوڑی، کبھی کبھی اجودھن میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کا بھی ساتھ ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں:

"میں شمس دبیر شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمہ ایک ہی وقت شیخ کے یہاں سے واپس ہوئے، چند منزل ہم لوگ ساتھ رہے، پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے، انھوں نے (یعنی شمس دبیر نے) سام کی راہ لی، اور ہم لوگ سرستی کی جانب روانہ ہوئے، جب ہم لوگ ان سے رخصت ہوئے تو شیخ جمال الدین نے شمس کی طرف منہ کرکے یہ مصرع پڑھا، ع

اے یار قدیم راست امی روی

اس وقت اس مصرع نے عجیب کیفیت پیدا کر دی[1]"

سیر الاولیاء میں بھی ایک روایت ہے جو معلوم نہیں مذکورۂ بالا روایت ہی کو تصرف کرکے لکھی گئی ہے، یا کوئی علٰحدہ روایت ہے، بہرحال یہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا۔

"شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ شمس الدین دبیر اور دوسرے یاروں اور

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۸

عزیزوں کو ایک ساتھ (شیخ کے یہاں سے) مراجعت کا اتفاق ہوا، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وداع کے وقت شیخ جمال الدین نے کچھ وصیت کرنے کو کہا، اہل ارادت کے آداب میں یہ ہے کہ سفر پر روانہ اور شیخ سے جدا ہوتے وقت وہ وصیت چاہتے ہیں، اگر شیخ درخواست کرنے سے پہلے ہی وصیت کردے تو بہت اچھا ہوتا ہے ورنہ مرید اس کے لیے درخواست کرتے ہیں، شیخ شیوخ العالم نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، میری وصیت یہ ہے کہ سفر میں ان کو (یعنی میری طرف اشارہ کیا) خوش رکھو۔

ع مقصود توئی دگر بہانہ است

شیخ جمال الدین اس حکم کے مطابق بڑے لطف سے پیش آئے، خواجہ شمس الدین دبیر بھی جو معدنِ لطافت اور کانِ ظرافت تھے بڑی تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے رہے۔۔۔۔۔" (ص ۱۷۹)

حضرت بابا گنج شکرؒ کے وصال کے موقع پر (۶۶۴ھ میں) مولانا شمس دبیر اپنے مرشد کے پاس ہی تھے، وفات سے کچھ روز پہلے انھوں نے نظامی کی مندرجۂ ذیل مثنوی سنائی :-

جہان چیست بگذر ز نیرنگ او — رہائی بچنگ آر از چنگ او

مقیمے نہ بینی درین باغ کس — تماشا کند ہر یکے ہر نفس

درین چار سو، ہیچ بیگانہ نیست — کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست

در دہر دمے نو برے می رہند — یکے می رود دیگرے می رسد

جہان گرچہ آرامگاہے خوش است — شتابندہ را نعل در آتش است

دو در دارد این باغ آراستہ — در و بند این ہر دو برخاستہ

در آ از درے باغ بنگر تمام — ز دیگر درے باغ بیرون خرام

اگر زیرکی با گلے خو مگیر — کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر

درین دم کہ داری بہ شادی بسیچ — کہ آیندہ در زیر پیچیست و پیچ

یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز — دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز

نظامی سبک باش یاران شدند — تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

بابا گنج شکر نے یہ مثنوی سنی تو متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو مولانا شمس دبیر کو اپنی بارانی عطا فرمائی،[1]

حضرت نظام الدین اولیاؒ، مولانا شمس کے حسن طبع اور اخلاق کے مداح تھے، مگر ان کو ان سے ایک ہلکی سی شکایت یہ تھی کہ انھوں نے دنیاوی اعزاز بابا گنج شکر ہی کی دعاؤں کے ذریعہ حاصل کیے۔ مگر بابا صاحب کے وصال کے بعد ان کے خاندان والوں کے ساتھ انھوں نے کوئی حسن سلوک نہیں کیا، حضرت نظام الدین اولیاء کے الفاظ یہ ہیں:

"اما درانچہ روزگار او بساخت، اگرچہ خدمت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نقل فرمودہ بود در حق فرزندان او اہل بیت شیخ چندان توفیق خدمت نیافت باندانست یا کسے او را نگفت"[2]

لکھنوتی میں قیام — طغرل کی بغاوت اور سرکشی فرو کرنے کے لیے ۶۷۸ھ میں جب سلطان غیاث الدین لکھنوتی کی مہم پر جانے لگا تو اس نے سامانہ سے بغرا خان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا، بغرا خان اپنے خلوت و جلوت کے تمام ہمراہیوں کی معیت میں باپ کے ساتھ روانہ ہوا، مولانا شمس دبیر اور خسرو بھی اس کے جلو میں تھے، فوائد الفواد میں امیر حسن سجزی خود روایت کرتے ہیں کہ اس سفر میں مولانا شمس دبیر کے ہمراہ وہ بھی تھے۔

"در آنکہ سلطان غیاث الدین بہ لکھنوتی رفت در ان لشکر بندہ داد (یعنی مولانا شمس دبیر)

---

[1] راحت القلوب ص ۹۸ [2] فوائد الفواد ص ۱۲۸ یہ ملفوظ ۷۱۴ھ کا ہے۔

ہم در اثنائے راہ چہ در کشتی و چہ در خشکی یکے می شدیم" (ص ۱۲۸)

سلطان غیاث الدین طغرل کی بغاوت فرو کر کے لکھنوتی سے دہلی واپس آنے لگا تو بغرا خان کو لکھنوتی کی اقلیم عطا کی، اور اس کے ساتھ چتر، دورباش اور دوسرے لوازم شاہی بھی دیے، اور نصیحتیں بھی کیں، جن کو مولانا شمس الدین ہی نے قلمبند کیا، ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بلبن کے دو دبیر تھے، عمدۃ الملک خواجہ علا اور ملک قوام الدین۔ موخر الذکر لکھنوتی کی مہم میں ساتھ تھا۔ اور اسی نے لکھنوتی سے فتحنامہ لکھکر دہلی بھیجا تھا[1]، مولانا ضیاء الدین برنی اس مہم میں مولانا شمس الدین کا بغرا خان کے دبیر کی حیثیت سے تعارف کراتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ سلطان بلبن نے بغرا کو نصیحت کرتے وقت اپنی خلوت میں پہلے تجربہ کار بوڑھے امراء کو بلایا، پھر بغرا خان سے کہا کہ اپنے دبیر شمس کو دوات، قلم اور کاغذ میرے پاس لانے کو کہو، تاکہ میں تمھارے لیے ان سے کچھ نصیحتیں لکھوا دوں، بغرا خان نے شمس دبیر کو سلطان کے سامنے پیش کیا، سلطان نے بغرا خان اور شمس دبیر دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا، اس کے بعد سیاست و حکمرانی کے اصول و رموز سے متعلق جو قیمتی نصیحتیں کیں، ان کو مولانا شمس الدین لکھتے رہے، یہ نصیحتیں تاریخ فیروز شاہی کے ۱۲ صفحوں (۱۰۶ - ۹۵) میں درج ہیں،

شمس دبیر اور خسرو جب سلطان غیاث الدین بلبن لکھنوتی سے رخصت ہوا، تو خسرو بھی اس کے ساتھ ہو گئے، مولانا شمس دبیر کو یہ گوارا نہ تھا کہ خسرو جیسے دوست اور شاعر کی صحبت سے محروم ہو جائیں، اور اپنے آقا بغرا خان کی منادمت کے لیے بھی ان کو پسند کرتے تھے، لیکن خسرو کو بنگال جیسی جگہ پسند نہ تھی، اور ان کو اپنے عزیزوں کی جدائی بھی شاق تھی، اس لیے مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کے اصرار کے باوجود سلطان بلبن کے ساتھ دہلی واپس ہو گئے، وہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۱،

مین رقمطراز ہیں:

"ملک شمس الدین دبیر و قاضی اثیر خواستند کہ بہ لباسانم دامن گیری کنند، اما فراق عزیزانم گریبان گیر بود و ضرورت یوسف وار زندان چاہ زندان سوے مصر جامع روان گشتم و در سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم"۔

سلطان بلبن کی وفات کے بعد بغرا خان لکھنوتی مین بنگالہ کا حکمران بن بیٹھا، اور اس کے لڑکے کیقباد نے دہلی کے تخت پر اپنا قبضہ جمایا اور اس طرح باپ بیٹے کی دو متوازی حکومتین قائم ہوگئیں، لیکن کیقباد بہت جلد اپنے درباریون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بن گیا، اور سلطنت دہلی کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، بغرا خان نے پہلے تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط لکھ کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو خود فوج لے کر بہار کی سرحدون تک بڑھ آیا، امرائے دہلی بھی پوری جنگی تیاری کے ساتھ کیقباد کو اودھ لے آئے، اور گھاگرا اور سرو (شاید سرجو مراد ہو) کے درمیان باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی، بغرا خان کی معیت مین شمس دبیر بھی تھے، اور باپ بیٹے کی اس ملاقات کے مراحل طے کرانے مین پیش پیش رہے، خسرو نے اس تاریخی ملاقات کو اپنی مشہور و معروف مثنوی قرآن السعدین مین نظم کیا ہے، اس مین مولانا شمس دبیر کا ذکر اس طرح کیا ہے:

جست رسولے کہ گذارد پیام	ہر چہ بگوئید بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد	کم نکند ہیچ ز نیروے مرد
دید کہ کس نیست ز برنا و پیر	در خور این کار چو شمس دبیر[1]

اس موقع پر خسرو کی بھی ملاقات مولانا شمس دبیر سے ہوئی، اور ایک دوسرے سے بڑے والہانہ انداز سے ملے، امیر خسرو اپنے بچھڑے ہوئے مربی اور سرپرست کو دیکھ کر رونے لگے،

[1] قرآن السعدین ص ۱۰۲-۱۰۱ علی گڑھ اڈیشن

ایک رقعہ میں رقمطراز ہیں:

"ناگاہ ذات منور شمس الدین دبیر[1] نور اللہ الی یوم الدین چون آفتاب قیامت برسر این ذرہ آمد طلعت الشمس کشمس الطلعۃ از گرمی آن مہر بر خود بسوختم و خونم از حرارت درونی بیرونی جوشید از غایت احتراق طاقت آن نداشتم کہ سوئے او توانم دید معہذا چشم بجانبش تیز کردم آب چشم من بگشت۔"

آب در چشم بگردد چو ببینی خورشید خاصہ خورشید ے کش خانہ بود اندر چشم

مولانا شمس کے نام کی رعایت سے آفتاب، طلعت الشمس کشمس الطلعۃ، مہر، خورشید وغیرہ کے الفاظ بار بار لائے ہیں، ان کی صحبت میں امیر خسرو تین دن تک رہے، قاضی اثیر بھی مولانا شمس کے ساتھ تھے، اس صحبت کا ذکر امیر خسرو مذکورۂ بالا رقعہ میں بڑے لطف و لذت سے کرتے ہیں اور جب مولانا شمس رخصت ہونے لگے تو انھوں نے امیر خسرو کو اپنا ایک دیوان عطا کیا، چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں:

"بعد از سلطان بسیار بندہ را وداع کرد و آیت العود خیر بخواند و دیوان خاص کہ نظمش از نثرہ و شعرے سخن می گوید یادگار بکاتب سپرد و خود و بمقر دولت خرامید۔"

خسرو ان سے بڑے کرب و بے چینی سے جدا ہوئے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"و نادیدن آن عزیز را بہ نقد بر خدائے علیم حوالہ کرد۔"

مولانا شمس دبیر اپنے آقا بغرا کے ساتھ ۶۸۶ھ میں لکھنوتی واپس گئے، اور غالباً وہیں

---

[1] اعجاز خسروی رسالہ خامسہ کے ص ۵۲ کے حاشیہ پر یہ درج ہے:

"شمس الدین نام یکے از مریدان حضرت نظام الدین اولیا بود و بساتین الانس از تصنیفات اوست"

یہ تو غلط ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بساتین الانس ان ہی کی تصنیف ہے۔

عالم جاودانی کو سدھارے، روز روشن مین ان کی تاریخ وفات ۷۰۰ھ لکھی ہے (ص ۳۵۸)

امیر خسرو مولانا شمس دبیر کی سخن سنجی و سخن فہمی کے برابر معترف رہے، ایک بار دہلی مین کشلو خان کے یہان شعر و شاعری کی مجلس ہوئی، اس مین شہزادہ بغرا خان کے ساتھ مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی شریک ہوئے، امیر خسرو بھی جو اس وقت محض ایک نوخیز شاعر تھے، اس بزم مین حاضر تھے، لیکن وہ خود لکھتے ہین کہ ان دونون کی حیثیت بڑے سیارون یعنی زہرہ اور مشتری کی تھی، اور وہ محض عطارد (کاتب فلک) کی طرح وہان موجود تھے، پھر ان کی سخن سنجی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ ان کی نظم سیارون (نثرہ اور شعری) سے ہم کلامی کرتی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہین کہ شاعر شمس الدین دبیر کے فضائل و کمالات بیان سے باہر اور تعریف و توصیف سے مستغنی ہین، انھون نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو اپنے اشعار کے اچھے ہونے کا معیار ان ہی کی پسندیدگی پر رکھتے تھے، اور اس پر وہ فخر کرتے تھے، مگر تعجب ہے کہ ملا صاحب نے اس سلسلہ مین یہ کیسے لکھ دیا:

"در دیباچہ غرۃ الکمال و در آخر ہشت بہشت کلام خود را بہ ذکر محامد و نشر مناقب او زیور تمام بخشید" (ج اص ۹۴)

غرۃ الکمال کے دیباچہ مین تو شمس دبیر کی مدح ضرور ہے، لیکن ہشت بہشت کے آخر مین شمس دبیر کا نہین، بلکہ مولانا شہاب الدین مہمرہ کا ذکر ہے، جیسا کہ پہلے دکھایا جا چکا ہے،

حال کے تذکرون مین مولانا شمس کا ذکر روز روشن اور نزہتہ الخواطر مین ہے، روز روشن مین ہے:

"طبعش از اقسام شعر بسوے قصیدہ بسیار مائل بود" (ص ۳۵۴)

نزہتہ الخواطر مین ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہین ملتا،

"کان شاعرا بلیغا مجید الشعراء" (ج ۲ ص ۵۵)

شمس دبیر کے کلام کی نایابی — لیکن افسوس ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہین ملتا، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا جو قصیدہ نقل کیا ہے وہی ان کی کل کائنات ہے جو ہم تک پہنچی ہے، یہ قصیدہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مولانا شمس نے اپنے آقا و ولی نعمت ناصر الدین محمود بغراخان کی شان مین کہا ہے، قصیدہ مین ناصر الدین بغراخان کے نام کے بجائے محمود لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور تھا،

قصیدہ ملاحظہ ہو:-

این ہمہ کار دلم از تو بنادانی خام	دادۂ دوش مرا وعدۂ مہمانی خام
پختہ کردم ہمہ شب چشم ندانستم کان	طمعے بود از ان گونہ کہ می دانی خام
پختہ دارم دل از اندیشۂ رویت کہ چرا ست	رنگ تو پختہ ہمین نقرۂ پیشانی خام
سست می دارم وہر چند قوی می کندم	ریسمانی است زمن تا بہ پریشانی خام
لکن از عیش خورم پختہ چو مہمان توام	کہ ثوابے است قوی دادن قربانی خام
گفتیم ہیچ مسلمان نہ خورد خام ببین	غم تو می خورم اینست مسلمانی خام
خام می خواہم از سینۂ خود بہ شگافم	پختہ بنمایم اندک کہ تو می خوانی خام
بس کہ در حسن تو در ملک حیرانم	کار نا پختہ من ماندہ ز حیرانی خام
چو ملک خسرو ثانی است نماند ہرگز	کارم از دولت خسرو ملک ثانی خام
ناخبر دنیا و دین آنکہ بہ پیش ملکش	شد ز شاہان ہوس ملک سلیمانی خام
شاہ محمود شہ آن سلطان کز فر پدر	دیگ در آرزوئیش نیست سلطانی خام
آفتاب کرمش گر سوے بستان تابد	تابد از شاخ برون میوۂ بستانی خام
چہ کند چرخ اگر بار وقارت نکشد	چہ کشد بار گران مرکب پالانی خام

دشمنت لائق آنست کہ در خام کشی　　　بہ کہ در کالبد خام چہ پیشانی خام

عنل خصم است بجون جاے زرہ پیراہن　　　در گلو می کشدش ہردم ز ندانی خام

ہمہ کار تو ز زر پختہ د بدخواہ ترا　　　کار بر ہرزہ و مصداق پشیمانی خام

خصمت آن غول برہنہ است کر از گل جہان　　　پوستے دارد و آن نیز چوبستانی خام

خلق را گر نکشی ماندہ ہر روز دو وقت　　　دانہ خانیدہ چو دست آس زبے نانی خام

خصم اگر گرد دپر باد چہ باک است ارچہ　　　گرد چون شیر علم حملہ ز کشخانی خام

سحر فرعون چہ آرد چہ فرد خواہد برد　　　اژدہاے علمی از دم ثعبانی خام

خسرو اشمس دبیرست قوی پختہ سخن　　　نیست چون دفتریان سوختہ دیوانی خام

ہست آو پختہ شعرش چو زر پختہ و نیست　　　غثش چون سخن پختہ خاقانی خام

پختہ گر دست فلک بہر تو مملکت یارب　　　پختہ اُو بکرم باز مگر دانی خام [1]

اسی قصیدہ کے کچھ اشعار روز روشن اور نزہۃ الخواطر مین بھی نقل کئے گئے ہین، ان کے علاوہ اور اشعار میری نظر سے کسی اور تذکرہ مین نہین گذرے، حالانکہ انھون نے اپنا ایک دیوان مرتب کرکے خسرو کو دیا تھا، ہندوستان کے خزانۂ ادب کا یہ قیمتی سرمایہ شاید زمانہ کے دست برد کی نذر ہوگیا، سیر الاولیا مین ان کا ایک حسب ذیل شعر منقول ہے، جو محبتِ الٰہی کے سلسلہ مین درج کیا گیا ہے،

آہ سربستہ من اشک مرا در دل گفت　　　خیز باز ے تو برون رو کہ گذر یافتہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اشعار اہل دل کی مجلسون مین بھی پڑھے اور نقل کیے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان پر گمنامی کا پردہ پڑگیا،

---

[1] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۹۲-۹۴

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے (اردو جنوری ۱۹۳۳ء ص ۹۵) ایک مضمون میں لکھا تھا کہ شمس نظام الدین اولیاء کا استاد بھی ہے، انھوں نے مقاماتِ حمیدی (شاید مقامات حریری مراد ہو) اس سے پڑھی، اور علم حدیث حاصل کیا، بلبن شمس کو اپنے فرزند بغرا خان کا مستوفی بتاتا ہے، تاج ریزہ مبارکباد میں کہتا ہے،

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی   مستوفی ممالک هندوستان شدی

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کو شمس کے نام سے غلط فہمی ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی تھے، جو شمس دبیر شاعر سے ایک علحدہ شخصیت تھی، اسی قسم کی غلط فہمی امیر خسرو کے سوانح نگار جناب محمد سعید احمد مارہروی کو بھی ہوئی ہے، وہ تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ امیر خسرو کی استادی کا فخر خواجہ شمس الدین خوارزمی کو بھی اس لحاظ سے حاصل ہے کہ انھوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے، دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنی مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسرو نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کی ہے، اور ان کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، جناب سعید احمد مارہروی نے وہ قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ہم شمس دبیر کے نام سے گذشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں جناب سعید احمد مارہروی نے نہ صرف شمس دبیر اور مولانا شمس الدین بلکہ شہاب مہمرہ کو بھی خلط ملط کر دیا ہے، کیونکہ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہشت بہشت کی اصلاح مولانا شہاب مہمرہ نے کی، اور امیر خسرو کو ان ہی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی،

قاضی اثیر افسوس ہے کہ مولانا شمس دبیر کے دوست اور اس زمانہ کے بلند پایہ شاعر قاضی اثیر کے حالات یا ان کے اشعار کے نمونے ہم کو کہیں سے نہیں مل سکے، اس لیے ان کے متعلق کچھ لکھنے سے ہم سردست قاصر ہیں،

امراء بلبنی دربار کا گل سرسبد علاء الدین کشلی خان تھا، جو بلبن کا بھتیجا اور اسکی حکومت

کا باربک تھا، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ وہ سخاوت مین اپنے وقت کا حاتم طائی تھا، بلکہ وہ یہ بھی لکھتے ہین کہ مین نے معتبر لوگون خصوصاً امیر خسرو سے یہ سنا کہ عطا و بخشش کے علاوہ چوگان اور شکار کھیلنے مین اس کی طرح کسی ماں نے کوئی فرزند پیدا نہین کیا۔[1] تاریخ فرشتہ مین ہے کہ مصر، شام، روم، بغداد، خراسان، ترکستان اور ماوراء النہر وغیرہ مشہور مقامات سے فضلاء و شعراء اس کی بخشش کا شہرہ سن کر اس کے یہان آتے، اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے۔ وہ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے ہر شہر اور ہر ملک مین مشہور تھا۔[2] اس کی غیر معمولی فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی رقمطراز ہین کہ ایک بار خواجہ شمس معین نے اس کی شان مین ایک مدح کہی، برنی نے خواجہ شمس معین کا تعارف محض ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص کی حیثیت سے کرایا ہے، جنھون نے اپنے مربی کے محاسن مین کئی جلدین لکھین، لیکن فرشتہ نے ان کا نام خواجہ معین الدینؒ کے صاحبزادے کی حیثیت سے کیا ہے، بہر حال انھون نے اپنی نظم جشن نوروز کے موقع پر شاہی دربار مین بلبن کے سامنے مطربون کو گانے کے لیے دی۔ اس تقریب مین دستور یہ تھا کہ دربار کے خان اور ملک سلطان کی خدمت میں پیش کیے جاتے، اور ان مین سے ہر ایک کے کارنامے بیان کیے جاتے اور اسی موقع پر شاہی مطربون نے کشلی خان کی شان مین وہ مذکورہ مدح پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

شہ علاء الدین الغ قتلغ معظم باربک — بحر کشلی خان معظم خسرو روے زمین

کشلی خان نے یہ مدح سنی تو مجلس ختم ہونے کے بعد خواجہ شمس معین کو اپنی پایگاہ کے تمام گھوڑے انعام مین عطا کیے، اور مطربوں کو دس ہزار ٹنکے دیے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ

---

[1] برنی ص ۱۱۳ [2] تاریخ فرشتہ ص ۸۷

مجلس ختم ہوئی تو کشلی خان نے خواجہ شمس الدین کو اپنے یہاں بلاکر مجلس نوروزی کے تمام پر تکلف اور قیمتی سامان ان کو دیدیئے، اس کے علاوہ مطربوں کو دس ہزار تنکے دیے، برنی اور فرشتہ دونوں رقمطراز ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ یہ عالی ہمت امیر نقد، اسباب، سامان سب کچھ انعام واکرام میں لٹا دیتا، یہانتک کہ اس کے پاس جسم کے کپڑے کے سوا کچھ نہ رہتا[1]، ہلاکو خان نے اس کی خوبیاں سن کر اس کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور عراق کا نصف حصہ اسکے حوالہ کردینے کا وعدہ کیا، لیکن کشلی خان نے اپنی شوکت وحشمت سے اس کے دربار کی رونق بڑھانے کے بجائے دہلی ہی کے دربار کی زینت بن کر رہنا پسند کیا،

دربار کے امراء میں خسرو سب سے پہلے کشلی خان ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور دو سال تک اس کے دربار میں رہے، اور جیسا کہ خود لکھتے ہیں، اس کی بوستان مجلس کو اپنی سوسنِ زبان کی نسیم سے تازہ اور شگفتہ رکھا، اس کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

صبا امروز پیغامِ گل آورد ست سوے من | کہ یادت می دہم وقتِ شراب و موسمِ گلشن

یہ قصیدہ خسرو نے اس زمانہ میں کہا جب ان پر خاقانی کا رنگ غالب تھا، چنانچہ یہ قصیدہ خاقانی کے اُس قصیدہ کی تقلید میں کہا گیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ضمان دار سلامت شد دلِ من | کہ دار عزلتش داد ند مسکن

گو اس کی بحر مختلف ہے، خاقانی کا قصیدہ بحر ہزج مسدس میں ہے اور خسرو کا قصیدہ بحر ہزج مثمن سالم میں ہے، پھر بھی ایک ہی قافیہ میں دونوں کے کچھ اشعار بھی ناظرین ملاحظہ فرمائیں

---

[1] برنی ص ۱۱۴-۱۱۳ فرشتہ ج ۱ ص ۸،

خاقانی	خسرو
بوحدت رستم از غرق آب وخشت	بجنگ از بیندش رستم بلرزد ہم چو تیغ خود
برستم رستہ گشت از چاہ بیژن	ز سر تا پائے گرد و آب افتد در چہ بیژن
دلم آبستن خرسندی آمد	شہنشہ اختیار الدین محمد شاہ کشلی خان
اگر شد مادر گیتی سترون	کہ گشت از زادن ہمتائے او ہفت اختر استرون
اگر ناہید در عشرت گہ چرخ	فلک برنا چو در مجلس نشینی شاد در دولت
سراید شعر من در ساز ارغن	شراب ارغوانی در کشی با نغمت ارغن
ازین نورند غافل چند اعمی	منم امروز و صحن باغ و بازی کردنے با گل
وزین نطقند منکر چند الکن	کہ بلبل از چہ گویا گشت و سوسن از چہ شد الکن
مراد کاف و نون طاہا ویاسین	ترا اقبال خواہد داد دولت بازتا دایم
کہ عین رحمتست از فضل ذوالمن	نخواہد از کسے یاری مگر از ایزد ذوالمن

کشلی خان کی شان میں خسرو کا مندرجۂ ذیل قصیدہ بھی خاقانی ہی کے رنگ میں کہا گیا ہے، خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے

صبح ست کمانکش اختران را   آتش زدہ آب پیکران را

اس کی بحر میں خسرو کہتے ہیں:

مبارک باد در دولت رسیدن شاہ گیہان را   پناہ لشکر اسلام پشت دین یزدان را

شہنشہ اختیار الدین چراغ چشم کشلی خان   کہ روشن کرد عکس جبہتش درگاہ سلطان را

عدو شیطان ست و نعل دود شاخی یا سیخ تیرش   ہمائے لاحول ست بہر دفع شیطان را

گر از خون عدو بے آب گیرد نوک پیکانش   کند ہم خون شیطان آب و بد نوک پیکان را

خراسان گیر شد صیت حسام ہندیت آری | بہندستان کشیدی تیغ و بگرفتی خراسان را
عدو بندا ہمان بندہ است احسانِ ترا خسرو | کہ دایم بود خود بندہ شود کے خسرو احسان را

کشلی خان کی شان مین ایک اور قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہون، اس کی تشبیب بہت ہی رنگین اور سامعہ نواز ہے،

بیا کہ وقت مے لعل دل نواز آمد | نیاز بر ہمہ خوبان کہ وقت ناز آمد
پیالہ بر کف من نہ لبالب از مے لعل | پیالۂ کہ چو لعل تو دل نواز آمد
کرشمۂ کہ کند نرگس تو مگذارش | کہ آن شگافتنِ پردہائے راز آمد
مدار تابتہ چرخ قطب دولت و دین | کہ قطب زآمدن او در اہتزاز آمد
سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلی خان | کہ بخت بر در او بندہ چون ایاز آمد
نشانۂ نظر و سائبان دولت بخت | کہ فتح بر علم نصرتش طراز آمد

کشلی خان کی قیام گاہ پر اکثر بزم مشاعرہ منعقد ہوتی، اس کی ایک بزم کا ذکر امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین بھی کیا ہے، جس مین شعراء کے علاوہ شہزادے اور دوسرے معززین بھی شریک تھے، امیر خسرو نے شہزادون مین بغرا خان اور شعراء مین شمس دبیر اور قاضی اثیر کے نام خاص طور پر لیے مین، وہ لکھتے ہیں کہ اس بزم مین شمس دبیر اور قاضی اثیر نے اپنی سخنوری کا سکہ خوب جمایا، وہ خود بھی اپنے کمالات کے اظہار مین ان دونون سے کم نہیں رہے، اس سخن آرائی سے شہزادے اور ان کے ندماء بے حد محظوظ ہوئے، اور سونے اور چاندی کے سکے گلاب کی پنکھڑیون کی طرح مجلس مین بکھرے ہوئے تھے، بغرا خان کو خسرو کی شیرینی کلام مین کچھ ایسی لذت محسوس ہوئی کہ اس نے ایک لگن (طبق) بھر کر روپیے خسرو کو دیے، یہ خسرو کی تو بڑی قدر دانی تھی، لیکن کشلی خان کی غیرت نے اس کو پسند نہ کیا کہ

بقول مولانا شبلی مرحوم کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے دربار کا احسان اٹھائے، اس کے چہرہ سے ملال کے آثار ظاہر ہوئے، خسرو نے اس کے بعد بار بار مختلف موقعون پر اس کی تلافی کرنی چاہی، لیکن کشلی خان کے دل سے وہ پھانس نہ نکلی، اس لیے خسرو نے اس کے دربار سے جدا ہو کر بغرا خان کے سایۂ عاطفت مین پناہ لی،

امیر علی سرجاندار

اس عہد کا ایک دوسرا فیاض اور علم دوست ملک امیر علی سرجاندار تھا، سرجاندار (بادشاہ کے دستۂ محافظ کا سردار) تو اس کا فوجی عہدہ تھا، اختیار الدین شاید خطاب ہو، باپ کا نام ایبک تھا، اسی لیے بعض جگہ اس کا نام اختیار الدین علی بن ایبک بھی آتا ہے، لوگ اس کے جود و سخا و بخشش و فیاضی کی وجہ سے اس کو حاتم خان، اور "شاہ عہد" بھی کہتے تھے[1]، وہ جب کسی کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرتا تو ہزارون روپے دے ڈالتا، اس کی کوئی بخشش سو ٹنکے سے کم نہ ہوتی، کسی کو گھوڑے اور خلعت دیتا تو چاندی کے سامان کے بغیر نہ دیتا، فقیرون کو خیرات مین سونے اور چاندی کے ٹنکے تقسیم کرتا، جیتل کا نام زبان پر لانا ننگ سمجھتا، سلطان بلبن کو اس کی فیاضی معلوم ہوئی تو وہ خوش ہو کر کہتا کہ شکر ہے کہ میرا مولازادہ ایسا سخی اور جواد ہے، اور اس کے انعام اور جاگیر مین اضافہ کرتا رہتا، ایک روز بلبن نے اس سے کہا کہ مین نے سنا ہے کہ تم سرمستی کی حالت مین اتنی بخشش کرتے ہو، اگر نشہ مین نہ رہ کر ایسی سخاوت کرو تو مین تم کو فیاض اور سخی سمجھون، اسی روز سے اس نے شراب چھوڑ دی، اور اس کی سخاوت اور بھی زیادہ بڑھ گئی،[2]

---

[1] برنی نے لکھا ہے کہ وہ سلطان بلبن کا مولازادہ یعنی غلام کا لڑکا تھا، (ص ۱۱۸) ڈاکٹر وحید مرزا نے معلوم نہیں کس سند پر اس کو سلطان بلبن کا Cousin (ابن عم) بتایا ہے، (ص ۲۸۰)

[2] برنی ص ۱۱۹ - ۱۱۸

شہزادہ محمد سلطان کی وفات کے بعد خسرو نے اسی ملک کے یہاں ملازمت کر لی تھی، جو اس زمانہ میں اودھ میں کسی عہدہ پر مامور تھا، ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی جو ملاقات اودھ میں ہوئی تو اس موقع پر امیر علی کیقباد کے جلو میں تھا، اور اس کے ساتھ خسرو بھی تھے، کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو اس نے امیر علی کو اقطاع اودھ کی حکومت عطا کی اور خان جہان کا خطاب دیا، خسرو اپنے اس محسن کے ساتھ اودھ میں دو سال رہے، اور اس کے بے پایان لطف و کرم کا اظہار اس کی شان میں کئی قصیدے لکھ کر کیا ہے، غرۃ الکمال میں اس کی مدح میں دو قصیدے منقول ہیں، ایک قصیدہ کی سرخی میں لکھتے ہیں کہ علی کا عین عید کے عین اور ماہ نو سے مشابہ ہے، اسی مناسبت سے قصیدہ کی پوری تشبیب ہلال ہی پر ہے، کہتے ہیں:

ہلال عید جہان را ز نور خویش آراست	شراب چو شفق و جام چون ہلال کجاست
گر شراب شفق خورد شب ز جام ہلال	کہ ہر گہر در و بود جملہ در صحراست
بہ نیم دائرہ ماند ہلال در گردش	ہزار نقطہ ز نقش ستارگان پیداست
چو ہست بر صفت نون عین و لام ہلال	تو نعل توسن شاہ ار بخوانیش خطاست

گریز کے ساتھ مدح کے دو تین شعر ملاحظہ ہوں،

نہ بلکہ شیشۂ مے زان شدست حلقہ نمائے	کہ خان زنیزہ بہ بازی عید حلقہ رباست
سماک نیزہ ملک اختیار دولت و دین	کہ ہر نیزہ او ماہ عید حلقہ نماست
ستودہ حیدر ثانی علی بن ایبک	کہ ہمچو شیر خدا روز رزم بے ہمتاست

آگے چل کر اپنے ممدوح کے جود و کرم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بہ بحر گفتم مانی بدست خان ز کرم	رواں بہ لرزہ در آمد کہ آن محل نہ مراست

کہ سخا و در و یاقوت بخشش کف اوست	کہ عطا خس و خاشاک بایہ کف ماست

دیباچہ غرۃ الکمال مین خسرو لکھتے ہین کہ حاتم خان نے اپنے کف در موج سے ان کو طشت بھر بھر کر اتنے روپیے دیے کہ اگر وہ اس دولت کو محفوظ رکھتے تو ان کے اہل و عیال تمام عمر عزت و خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہتے، اسی جذبۂ احسان شناسی مین انھون نے اس کی شان مین ایک اور مدح کہی، جس کی سرخی میں لکھتے ہین کہ "احسان وجود بیش از مبالغہ شد"۔ چنانچہ اس مدح کے شروع میں کہتے ہیں،

خجستہ باد خداوندرا ولایت نو	فراز چرخ کشیدن طراز رایت نو
ستودہ خان معظم گزیدہ حاتم خان	کہ شد خطاب نوین زینت ولایت نو
ملوک جہان اختیار دولت کرد	زمانہ از کرمش ہر زمان روایت نو
علی بن ایبک کز ذوالفقار تیغ کند	ہمہ ضلالت ہندوستان ہدایت نو

آخر میں پھر فرماتے ہیں:

چو زندہ گشت زنامت حکایت حاتم	ہدلیست حاتم طائی بدیں حکایت نو
زبہر جود تو آوند رشتہ در گردن	زکان اگرچہ بود لعل در حمایت نو

خسرو نے حاتم خان کے محل پر بھی ایک نظم لکھی ہے، اس نے ان کو ایک گھوڑا بھی دیا تھا یہ گھوڑا ان کو پسند نہ آیا، اس پر ایک دلچسپ مثنوی لکھ کر اس کی خدمت مین پیش کی، اور اس سے یہ گھوڑا واپس لے کر دوسرے گھوڑے کی فرمایش اس طرح کی،

اے زتو عالمے در آسایش	کار تو بخشش است و بخشایش
از من خستہ از چہ رنجیدی	کہ نہ بخشودی و نہ بخشیدی
گرچہ دانم کہ از پشیمانی	دادہ خویش باز نستانی

اسپ دیگر بده مرا بستان — لیک زین ظالم بر آر دستان

اسپ فرما و آنچہ اسپ خورد — ورنہ زآن پایگاہ جان نبرد

اسپ بے کہ مدہ اگر خواہی — کہ نمیرد چو من ز بے کاہی

نکشید آنچہ من کشیدم ازو — بخشد ہر چہ من چشیدم ازو

من خود اینک یک نفس کردم — خبر آن جہان ہمی شنوم

می زدم تا تہی کنم یک راہ — غلہ وان قیامت از جو و کاہ

دل بدادم ز بہر جان دادن — ایستادم ز بہر افتادن

زیم من چنین کہ دارم حال — تو بحال نکو بمان صد سال

بادا اسپ مرادت اندر زین — این دعا مستجاب بادا امین

خسرو کو اودھ مین رہتے دو سال کی طویل مدت گذر گئی تو ان کو اپنی مان کی یاد ستانے لگی، بالآخر اپنے محسن سے اجازت لے کر دہلی واپس آئے، حاتم خان نے خسرو کو رخصت کرتے وقت دو طشت اشرفیان بطور زاد راہ عنایت کیں،[1]

ملک الامرا فخر الدین

بلبنی دربار کا ایک اور علم نواز امیر ملک الامراء فخر الدین تھا، وہ دہلی کا کوتوال بھی تھا، اس کے نیک کامون مین صدقہ و خیرات کی بڑی شہرت تھی، اس کے یہان بارہ ہزار وظیفہ خوار کلام پاک پڑھنے کے لیے تھے، جو ہر روز ایک ہزار بار کلام پاک ختم کرتے، یہ امیر ہر روز نئے کپڑے پہنتا، اور جو اتارتا وہ محتاجون کو دیدیتا، اس کا پلنگ اور بستر بھی بدلا جاتا، اور وہ یتیمون اور مستحق لوگون کے لیے رکھ دیے جاتے، ہر سال ایک ہزار غریب لڑکیون کے لیے جہیز کے بھی سامان فراہم کرتا،[2]

---

[1] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۲۲۲ [2] برنی ص ۱۱۷

شعراء | بلبن اور اس کے شہزادوں کے درباری شعراء کا ذکر جابجا اتنا آگیا ہے کہ بہ ظاہر ان کے لیے اب ایک علحدہ سرخی قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے، لیکن ان کے کچھ حالات ایسے بھی ہیں، جن کو اگر یہاں پر بیان نہیں کیا گیا تو بڑی کمی محسوس ہوگی، اس سلسلہ میں اگر بعض واقعات کے تکرار سے ناظرین کو کچھ تکدر پیدا ہو جائے تو ہم ان سے پہلے ہی معذرت کے خواہاں ہیں،

یہاں پر جن شعراء کا ذکر خاص طور پر ہم کرنا چاہتے ہیں، ان میں سب سے نمایاں نام امیر خسرو کا ہے،

خسرو | خسرو اپنے دور کی فارسی شاعری کے پیغمبر تھے، اس وقت سے اب تک ان کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے بارہ میں کوئی نئی بات لکھنا مشکل ہے، لیکن اس کتاب میں ان کا ذکر اتنا آیا ہے کہ ان کی سخن وری اور سخن سنجی کے ساتھ ان کے حالات مختصر طور پر بیان کرنا بھی ضروری ہے،

خاندان | خسرو ترک النسل تھے، ان کا خاندان لاچین کے قبیلۂ ہزارہ سے تعلق رکھتا تھا، لاچین غالباً قبیلہ کے سردار کا نام تھا جس سے یہ قبیلہ موسوم ہوا، یہ قبیلہ کش میں آباد تھا، جو ماوراء النہر میں واقع ہے، یہ کش سے قرشی اور وہاں سے بلخ آیا، خسرو کے آبا و اجداد تیرھویں صدی میں دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان داخل ہوئے، اور کچھ عرصہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں رہے، پھر اسکے بعض افراد شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی آئے، اور اس کے دربار میں ملازم ہوئے، ان ہی میں خسرو کے والد بزرگوار سیف الدین محمود بھی تھے، یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ سیف الدین محمود شمس الدین التمش کے دربار میں کس عہدہ پر مامور تھے، لیکن یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے دربار کے معزز امیر تھے، خسرو نے دیباچہ غرۃ الکمال میں ان کے نام کے ساتھ

"امیر" اور "سیف شمسی" لکھا ہے، برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بارہ ہزار تنکے سالانہ وظیفہ ملتا تھا[1]، وہ اپنی بہادری اور نبرد آزمائی کے لیے مشہور تھے، جیسا کہ دیباچہ غرۃ الکمال میں امیر خسرو لکھتے ہیں:

"پدرم سیف شمسی کہ از نور پیشانی تیغ آفتاب بود و نصف شکنی اشتہار یافتہ"

ان کی امارت کے ساتھ ان کی خدا ترسی کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

"ہم از طریق دنیا امیر بود و ہم از جانب عقبیٰ صاحب ولایت با آنکہ امی بود......"

غالباً ان کو مومن پور المعروف بہ پٹیالی[2] میں کوئی جاگیر ملی تھی، اور یہیں وہ سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی شادی عماد الملک کی لڑکی سے ہوئی، جن کا شمار شاہی دربار کے معزز امراء میں ہوتا تھا، اس شادی سے ان کے تین فرزند ہوئے، اعزالدین علی شاہ، ابوالحسن یمین الدین خسرو، اور حسام الدین قتلغ۔

وطن و تعلیم خسرو مومن پور یعنی پٹیالی ہی میں سنہ ۶۵۱ھ (مطابق سنہ ۱۲۵۳ء) میں پیدا ہوئے[3]، سیر الاولیا میں ہے کہ خسرو کی پیدائش کے وقت ان کے والد بزرگوار ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے محلہ کے ایک مجذوب اور صاحب نعمت بزرگ کے پاس لے گئے، انھوں نے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۹۰ [2] پٹیالی ضلع ایٹہ، یو۔پی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے [3] قران السعدین میں خسرو لکھتے ہیں:

انچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت	بود سنہ شمس صد و ہشتاد و ہشت
سال من امروز اگر بر رسی	راست بگویم ہمہ شش بود و سی

یعنی ۶۸۸ھ میں ان کی عمر ۳۶ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ سنہ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے لیکن وسط الحیوٰۃ میں فرماتے ہیں:

کنوں کز شش صد ہشتاد	چار شد تاریخ
مرا بسی و سہ آمد نوبت سی چہار	

اس شعر کے مطابق ان کا سنہ ولادت آغاز سنہ ۶۵۱ھ ہوتا ہے۔

بچہ کو دیکھتے ہی فرمایا،

"آوردے کسے راکہ دو قدم از خاقانی پیش خواہد بود" (ص ۳۰۱)

ہوش سنبھالا تو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ ان کے والد نے خود تو تعلیم نہیں پائی تھی، کیونکہ ان کے خاندان مین سپہگری کا پیشہ تھا، لیکن انھون نے اپنے لڑکون کو شوق سے تعلیم دلانی شروع کی۔ خسرو اپنے دیوان تحفۃ الصغر مین لکھتے ہین کہ ان کے استاد خواجہ سعد الدین ان کو خوش نویسی سکھانے مین ان کی پیٹھ پر دُرّے لگاتے۔ لیکن ان کے سر مین زلف پیچان کا سودا ایسا سمایا ہوا تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے کی طرف کم مائل رہے، اور شعر گوئی کی دھن مین جو کچھ موزون ناموزون کہہ سکتے تھے، اسی کی مشق وصلیوں پر کیا کرتے تھے۔ اس کم عمری مین اپنی شعر گوئی کا ایک واقعہ تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ ایک روز میں اپنے استاد خواجہ سعد الدین کے ساتھ خواجہ اصیل نائب کوتوال کے یہاں گیا، وہاں ایک صاحب علم اور "دریائے سخن کے شناور" خواجہ عزالدین نظربند تھے۔ جب ہم دونون وہان پہنچے تو خواجہ موصوف کے ہاتھ مین ایک بیاض تھی، وہ اس کا مطالعہ کر رہے تھے، انھون نے گفتگو شروع کی، تو ان کے منہ سے موتی جھڑنے لگے، میرے استاد نے ان سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کمسن لڑکا میرا شاگرد ہے۔ شعر و شاعری مین بھی بلند پروازی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کو کچھ اشعار پڑھنے کے لیے دیجیے، دیکھیں کہ کس طرح پڑھتا ہے، انھوں نے بیاض مجھکو دیدی، اور میں نے اس مین سے اشعار پڑھنے شروع کیے، میری خوش الحانی سے سب کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے، اور سب متحیر رہے، میرے استاد نے خواجہ موصوف سے پھر کہا کہ شعر پڑھنا تو آسان ہے، لیکن اس کا امتحان لیجیے کہ وہ شعر کہہ بھی سکتا ہے کہ نہیں، انھون نے چار بے جوڑ چیزون مو، بیضہ، تیر، خربزہ کے نام لیے کہ ان کو ملا کر شعر کہو، مین نے برجستہ

یہ اشعار موزون کیے،

ہر موئے کہ در دو زلف آن صنم است ‌ ‌ ‌ صد بیضۂ عنبرین بر آن موئے صنم است

چون تیر مدان راست دلش را زیرا کہ[1] ‌ ‌ ‌ چہ خربزہ دندانش میان شکم است[1]

جب میں نے یہ رباعی پڑھی تو خواجہ عزالدین کو بڑی حیرت ہوئی، انھون نے بہت داد دی اور میرا نام پوچھا، میں نے کہا خسرو، والد بزرگوار کا نام پوچھا، مین نے اصل نام کے بجائے قبیلہ کا نام بتایا، یعنی لاچین، خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا، لاچین یعنی چین نہین، پھر کہا، ترک خطا است، یعنی ان کو ترک کہنا خطا ہے، میں نے اسی کو الٹ کر کہا بے خطا ترک است یعنی قطعاً وہ ترک ہے، دریافت کیا کہ تم درم خریدۂ ناصری ہو، عرض کی سلطانی شمسی کا ہوں،[2] خواجہ صاحب نے کہا کہ تمھاری نسبت سلطانی ہے، اس لیے اپنا تخلص سلطانی رکھو،[3]

مشق سخن | خسرو نے اس نصیحت پر عمل کیا، تحفۃ الصغر کی اکثر غزلون میں یہی تخلص ہے، اسی کم عمری میں خسرو نے شاعری شروع کی، وہ خود لکھتے ہیں کہ جب میرے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے تھے، تو میں نے شعر گوئی کی ابتدا کی،[4] لیکن جب وہ آٹھ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار ایک معرکہ میں شہید ہو گئے، آگے چل کر خسرو نے باپ کی یاد میں ایک مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم شد ‌ ‌ ‌ دریاے خون روا شد و در یتیم شد

---

[1] مولانا شبلی نے شعر العجم (ج ۲ ص ۱۰۵) میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے،

چون تیر بدان راست دلش را زیرا کہ ‌ ‌ ‌ چون خربزہ دندانش درون شکم است

[2] سلطانی اشرفی کو کہتے ہیں، درم کی رعایت سے یہ لفظ لائے تھے، [3] یہ روایت تحفۃ الصغر کا مختصر خلاصہ ہے، [4] دیباچہ غرۃ الکمال میں ہے، در ان صغر سن کہ دندان می افتاد، سخن می گفتم و گوہر از دہانم فرو می ریخت۔

بظاہر خسرو پر بڑی مصیبت آگئی، لیکن اس مین بھی مصلحت خداوندی پوشیدہ تھی، والد کی شہادت کے بعد اپنے نانا عماد الملک کی نگرانی اور سرپرستی مین آ گئے، اور یہ سرپرستی ان کے لیے بڑی نعمت ثابت ہوئی، اس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں:

"جد من بر سر من بود، آن جد نبود، بلکہ دولتے بود، وصاحب دولتے .... (دیباچہ غرۃ الکمال)

عماد الملک کی سرپرستی عماد الملک بڑے طنطنہ کے امراء میں سے تھے شمس الدین التمش کے عہد سے بلبنی عہد تک عرض ممالک کے عہدہ پر فائز رہے، دبدبہ و حشمت کا یہ حال تھا کہ دو سو ترک غلام، دو ہزار ہنارو، اور دو ہزار سوار برابر ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے[1]، اپنے دفتر کے کام کرنے والوں کو اپنے پاس بلاتے، مہمان رکھتے، خلعت دیتے، اور ان کو بیس بیس ہزار ٹنکے اپنی تنخواہ میں سے دیدیتے۔ دسترخوان بچھتا تو انواع واقسام کے کھانون کے پچاس ساٹھ خوان آتے، امراء و ملوک کے علاوہ جو بھی موجود ہوتا، کھانے میں شریک ہوتا، اگر کھانا بچ جاتا تو غربا مین تقسیم کر دیا جاتا، کوئی دسترخوان پر شریک ہونے سے معذور رہتا تو اس کے گھر کھانا بھجوایا جاتا، عماد الملک خاص قسم کا پان کھایا کرتے تھے، جو اپنی لذت اور لطافت کے لیے بہت پسند کیا جاتا، ان کی مجلس مین پچاس ساٹھ غلام ہی پان برابر تقسیم کرتے رہتے تھے، ان کے دربار کے تمام آداب بڑے بڑے خوانین و ملوک ہی کی مجلسون کی طرح تھے، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ نیک کامون مین انھون نے اتنے گاؤن وقف کیے تھے، کہ ان کے زمانے یعنی فیروز شاہی عہد تک لوگ ان کے اوقاف سے گذر اوقات کرتے ہیں اور عماد الملک کے ایصال ثواب کے لیے کلام پاک پڑھتے رہتے ہیں[2]، عہد بلبنی مین عماد الملک کا شمار سلطنت کے چار ستونون مین ہوتا تھا،

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال [2] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۱۱۷ - ۱۱۵

تحصیل علم

اسی امارت و ثروت بھرے ماحول مین خسرو نے پرورش پائی، عماد الملک کی مجلس مین علماء، شعراء اور ارباب نشاط سب ہی شریک ہوتے تھے، ظاہر ہے کہ خسرو کو اپنے نانا کی مجلسون مین علم و ادب اور موسیقی کے ذوق کے نشو و نما مین کس قدر مدد ملی ہوگی، ان کے درسی علوم و فنون کی تحصیل کی تو تفصیل معلوم نہ ہوسکی، لیکن تحفۃ الصغر کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر مین ان مین اتنی غیر معمولی قابلیت پیدا ہوگئی تھی کہ فارسی شاعری کے اساتذہ مثلاً انوری اور سنائی وغیرہ کے کلام کا مطالعہ کرسکتے تھے، اور پھر اسی صغر سنی مین ان اساتذۂ فن کے تتبع مین اشعار کہنے بھی شروع کر دیے تھے، اپنی ابتدائی زندگی مین تو انھون نے غالباً مختلف علوم و فنون پڑھنے کی کوشش نہین کی لیکن آگے چل کر ان مین جو علمی استعداد پیدا ہوئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف زبانون کے جاننے کے علاوہ مذہب، فقہ، نجوم، ہیئت، صرف و نحو پر غیر معمولی درک رکھتے تھے،

مختلف زبانون سے واقفیت کا اظہار وہ خود اپنی مثنوی نہ سپہر کے ان اشعار مین کرتے ہیں،

من بز با نہائے کسان بیشترے ۔۔۔ کردہ ام از طبع شناسا گذرے

دانم و دریافتہ و گفتہ ہم ۔۔۔ جستہ و روشن شدہ زان بیش و کم[1]

ان زبانون مین ترکی و فارسی تو گویا ان کی فطری مادری زبانین تھی، دیباچۂ غرۃ الکمال مین ہندی کے متعلق کہتے ہین

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب ۔۔۔ شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

پھر اسی دیباچہ مین ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہین کہ وہ میٹھی ہندی بول سکتے ہیں،

چو من طوطی ہندم ار راست پرسی ۔۔۔ ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

---

[1] نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا، مطبوعہ کلکتہ ص ۱۷۲

پھر عزۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ انھون نے ہندی مین نظمین لکھ کر دوستون مین تقسیم کیں،

"جزوی چند نظم ہندی نیز نذر دوستاں کردہ شدہ است، این جا ہم بذکرے پسندہ کردم"۔

خسرو کے نام سے بہت سے ہندی گیت، دوہے، معمے، مخمس، چوپائیان مشہور ہیں، ایک ہندی تصنیف خالق باری بھی ان ہی کی بتائی جاتی ہے، آیا یہ سب واقعی ان ہی کی ہین یا ان کے نام سے منسوب ہو گئی ہین، اس پر بحث ابتک جاری ہے، ہم ان مباحث سے گریز کرتے ہین، لیکن یہ حقیقت ہے کہ خسرو ہندی کے بھی بہت بڑے شاعر تھے۔

مذکورہ بالا شعر کے اس مصرع۔

شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

سے یہ گمان ہوتا ہے کہ خسرو عربی نہیں جانتے تھے لیکن مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ امیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی کی تحصیل تمام تھی، اعجاز خسروی مین ان کے بعض خطوط عربی مین بھی ہین[1]، عزۃ الکمال کے دیباچہ مین انھون نے اپنے عربی اشعار کے کچھ نمونے بھی دیے ہین، شاید اسی قسم کے نمونون کو دیکھ کر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ وہ عربی مین ادبائے عرب کے ہمسر ہین، عزۃ الکمال کے دیباچہ مین فارسی اور عربی شاعری کا جو موازنہ کیا ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عربی ادب پر ان کی نظر گہری تھی،

اس سلسلہ مین انھون نے فارسی، عربی، ترکی اور ہندی زبانون کے مختلف پہلوؤن پر جو بحث کی ہے، اس کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ وہ فن زباندانی کے حقائق و دقائق سے

---

[1] اعجاز خسروی نولکشور پریس، رسالہ ثانیہ ص ۱۲۳، ۱۲۸

اچھی طرح واقف تھے، اور صرف و نحو پر پوری دسترس رکھتے تھے، کچھ دنون عربی زبان کیطرح فارسی زبان کی صرف و نحو مرتب کرنے کی فکر مین رہے، لیکن پھر فارسی زبان کی عام مقبولیت اور شہرت کا خیال کرتے ہوئے اس کام کو سعی لا حاصل سمجھا، مثنوی نہ سپہر مین رقمطراز ہین

از عربی کردہ ہمہ کس شرفے — واہل عرب را نہ شرف در طرفے

لیک بہ شیرین سخن پارسیان — ضابطۂ نہاد کسے از اہل بیان

من بتوانم چو ز دل خواست کنم — گر پئے این ہمہ روشے راست کنم

لیک چو محتاج نہ اند اہل زبان — وانیست کشادے ز پئے بستہ زبان

چون ہمہ بستۂ بینم لب کس — ہیہدہ حیلہ چہ مانم بہوس[1]

اسی مثنوی نہ سپہر میں فلکیات سے متعلق جابجا ایسی باتین لکھی ہین کہ معلوم ہوتا ہے کہ نجوم و ہیئت مین بھی بڑا درخور تھا، لیکن انھون نے یہ تمام علوم و فنون کسی استاد سے حاصل کرنے کے بجائے، اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے خود ہی حاصل کئے تھے،

استاذۂ فن کی تقلید سولہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے خسرو نے سخن سنجی مین اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی، اور اس زمانہ مین بھی ان کے اشعار کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ گویے مجلسون مین گانے لگے جن کو سن کر بڑے بوڑھے وجد کرتے تھے، ذہن رسا نے اس کمسنی مین بھی کسی شاعر کے آگے زانوے تلمذ تہ کرنے پر آمادہ نہیں کیا، بلکہ فطری ذوق ہی کو اپنا استاد تسلیم کرتے رہے، استاذۂ فن کے کلام پڑھتے اور ان ہی کے رنگ مین کہنے کی کوشش کرتے، شروع مین انوری سے متاثر تھے، تحفۃ الصغر مین ان کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

باز بلبل در غزل خوانی شدہ ست — عاشقِ سرو گلستانی شدہ ست

---

[1] نہ سپہر ص ۱۷۲-۱۷۳

اسی مین انوری کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہین :

خہ کہ در عہد تو سلطان سخن　　　خسرو لاچین سلطانی شدہ ست

تا کشنہ گردون بہ چشم انوری　　　خاک من کحل سپاہانی شدہ ست

اسی زمانہ مین خاقانی کے رنگ کی بھی تقلید شروع کی ، مثلاً خاقانی کا ایک مشہور نعتیہ قصیدہ ہے ، جس کا مطلع یہ ہے :

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم　　　وز صور آہ بر فلک اوا بر آورم

اسی کی تقلید مین خسرو نے غیاث الدین بلبن کی شان مین ایک قصیدہ کہا ، جسکا مطلع یہ ہے ،

صبح از کمین چو رخ بہ تماشا بر آورد　　　چرخ آتشین حجاب بر اعضا بر آورد

اسی قصیدہ مین آگے چل کر کہتے ہیں :

خاقانی ار ز خاک بر آید بہ صد زبان　　　انصاف این قصیدہ غرا بر آورد

اسی طرح خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے ،

گرد خزان تاختن بر صف خیل بہار　　　باد وزان بر رزان گشت بدل کینہ وار

خاقانی نے اس قصیدہ مین تقریباً ۵۰ اشعار کہے ہین ، خسرو نے بھی اسی قافیہ مین دو مسلسل قصیدے کہے ہیں ، جن مین تقریباً ۸۰ ابیات ہین ، ان کے قصیدہ کا مطلع یہ ہے ،

قلب خزان را شکست تاختن نوبہار　　　قالب آفاق کرد جوشن سبز آشکار

خسرو نے خاقانی کے حسب ذیل قصیدہ

ما فتنہ بر تو ایم و تو فتنہ بر آئینہ　　　ما را نگاہ در تو ترا اندر آئینہ

کے جواب مین ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے :

اے ماہ بستہ روئے تو مہر اندر آئینہ　　　مو بیست ز شانہ ریختہ عنبر بر آئینہ

لیکن خسرو نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ وہ اس عمر میں خاقانی کے تتبع مین ناکامیاب رہے، لکھتے ہین کہ اگرچہ خاقانی کے مغلق اشعار حل کر لیتا تھا لیکن کم عمری کے سبب ان کے کلام کے دقائق واضح نہ ہوتے تھے، میری ہمت بلند تھی پھر بھی ان کا کلام اتنا بلند تھا کہ میرے فہم کی رسائی وہان تک نہیں ہوتی تھی، ان کے اصلی الفاظ ملاحظہ ہون'

"چندگاہے فتراک دولت خاقانی را بدوال گیری دست آویزی نمودم وانچہ تعلق بلفظ داشت تعلیق کردم اگرچہ ابیات مغلق درمی یافتم اما درآمد وبیرون شد ارکان آن معانی وابواب آن معانی جابجا بہنگام بربست کشادہ نمی شد کہ کلید زبان۔ ابہ سبب صغرسنی ہنوز دندانہا خورد بود وبرہ دل فتوری نیافت وبہ بینت آب وگل قصوری داشت اگرچہ از ہمت عالی با آسمان سخن می گفتم وسخنم بر زمین نمی افتاد واما علو سخن استاد بالاتر از ان بود کہ دست ہمت من بدان پایہ رسد"

ترتیب دیوان تحفۃ الصغر

لیکن اس ناکامیابی کے اعتراف کے باوجود خسرو خاقانی اور دوسرے استاذہ کی تقلید مین قصائد لکھ کر اور جدت پسندی اور ذہن رسا سے کام لے کر اپنی صغرسنی مین اپنے شاندار مستقبل کا پتہ خود ہی دے رہے تھے، اور جب ابھی ۲۰ سال ہی کے تھے، تو اپنا ایک دیوان تحفۃ الصغر کے نام سے مرتب کر لیا، جس مین تقریباً ۳۵ قصیدے، پانچ ترکیب بند، کچھ متفرقات اور ایک مثنوی ہے، قصیدے غیاث الدین بلبن، شہزادہ سلطان محمد، اور بلبنی دربار کے امرا، امیر علی حاتم خان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین قوام الملک اور عزیز الدین وغیرہ کی شان مین ہین، ایک ترکیب بند مین اپنے نانا عماد الملک کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے، مثنوی مین قلعۂ پٹیالی کے بد تہذیب اور وحشی افغانون کی ہجو ہے،

خسرو اور سلطان المشائخ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ خسرو کے کلام میں روز بروز لطافت، حلاوت اور شوکت ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی دعا اور کرامت کی بدولت پیدا ہوتی گئی۔ ان کا پورا گھر حضرت سلطان المشائخؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھا۔ ان کے نانا اور والد بزرگوار دونوں ان کے مرید تھے[۱]، ظاہر ہے کہ خسرو کو بچپن ہی سے ان کے فیوض و برکات حاصل کرنے کا موقع ملا، وہ خود بھی اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، اپنے مرشد کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہوئے رقمطراز ہیں،

خوش اندم کہ من ز اعتقاد ضمیر	گرفتم بحق دست آن دست گیر
بہ نہ بحر از آن جانبم راہ شد	چو کشتی مرا دست آن شاہ شد
من از دوے لعاب دہان یافتم	کہ زین گونہ آب دہان یافتم[۲]

سیر الاولیاء میں ہے کہ خسرو کے نانا کے دولتکدہ کے پاس ہی سلطان المشائخ کی قیامگاہ تھی، خسرو نے اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا تھا، وہ جو بھی نظم کہتے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے کہا کہ اصفہان کے شعراء کے طرز میں کہا کرو، یعنی کلام عشق انگیز ہو، خسرو نے اسی پر عمل کرنا شروع کیا، اور اس کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا، ایک بار انھوں نے سلطان المشائخ کی مدح کہی، اور جب اس کو آکر سنایا تو سلطان المشائخ نے پوچھا کیا صلہ چاہتے ہو، خسرو نے جواب دیا، کلام میں شیرینی، اس وقت چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی تھی، سلطان المشائخ نے حکم دیا کہ لاؤ، اور اپنے سر کے اوپر چھڑک لو اور

---

[۱] سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ عماد الملک بڑے اولیاء کرام میں سے تھے، (اردو ترجمہ ص ۱۲۴)

[۲] مثنوی نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا ص ۲،

ور کچھ کھا بھی لو، اسی کے بعد ان کے کلام میں بڑی شیرینی پیدا ہو گئی، امیر خسرو آخر عمر میں پچھتایا کرتے کہ کوئی اور بہتر صلہ مانگتے تو وہی ملتا، امیر خسرو جب کوئی کتاب لکھتے تو پہلے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے، وہ اس کو ہاتھ میں لے کر اس پر فاتحہ (یعنی فاتحۃ الکتاب) پڑھتے،

امیر خسرو میں کمال اسی وجہ سے پیدا ہوتا گیا، سلطان المشائخ کو یہ بھی خیال رہا کہ کہیں امیر خسرو شعر و شاعری میں پڑ کر اسی میں الجھے نہ رہیں، اس لیے ان کو بہتر کام میں بھی لگایا، اور ان کی ہدایت کے مطابق تہجد کے وقت کلام پاک کے سات پارے پڑھا کرتے تھے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا ترک! تمھارا کیا حال ہے، امیر خسرو نے جواب دیا، اب رات کے آخر حصہ میں گریہ طاری رہتا ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا

"الحمد للہ اندکے ظاہر شدن گرفت"[۱]

سلطان المشائخ کو خسرو سے ایسا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے حضور میں جانے کی جب کسی کی بھی ہمت نہ ہوتی، تو اس وقت خسرو ہی ان کے پاس بھیجے جاتے، کیونکہ وہ غایت شفقت میں فرمایا کرتے کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ اپنے سر سے بھی تنگ آجاتا ہوں لیکن خسرو سے کبھی تنگ نہیں آتا،[۲]

سلطان المشائخ کی صحبت میں رہتے رہتے امیر خسرو نے جس عشق مجازی کا راگ اپنی شاعری میں الاپنا شروع کیا تھا، وہ عشق الٰہی سے بدل گیا، رفتہ رفتہ ان میں عشق الٰہی کی ایسی سوزش پیدا ہو گئی کہ سلطان المشائخ فرمایا کرتے کہ قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے تو میں کہوں گا کہ یہ ترک اللہ کا سوز سینہ،[۳] وہ ان کو محبت میں ترک بچہ کہا کرتے تھے، آخر میں ترک اللہ

---

[۱] سیر الاولیاء، ص ۳۰۲ [۲] سیر الاولیاء، ص ۳۰۲۔

[۳] سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۰

کہنے لگے تھے[1]، از راہ لطف و کرم یہ بھی فرماتے کہ بہشت میں امیر خسرو کے بغیر نہ داخل ہوں گا۔[2]

سلطان المشائخ نے اپنے مرید کی شاعری کی بھی بڑی قدر کی، سیر الاولیا میں ہے کہ ایک بار امیر خسرو ان کے سامنے اپنی ایک غزل گانے لگے، جب اس شعر پر پہنچے

رخ جملہ را نمودہ و فراگفت تو مبین ۔۔۔ زین ذوق مست و بے خبرم کین سخن چہ بود

تو سلطان المشائخ نے نگاہ محبت سے امیر خسرو کو دیکھا اور بے خود ہو گئے۔ اسی تذکرہ میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک روز امیر خسرو کے صاحبزادے امیر حاجی نے ان کی ایک غزل حضرت سلطان المشائخ کے سامنے شروع کی اور جب یہ شعر سنایا،

خسرو تو کیستی کہ درآئی درین شمار ۔۔۔ کین عشق تیغ بر سر مردان دین زدہ است!

تو سلطان المشائخ پر وجد طاری ہو گیا، اور جب امیر حاجی نے اس کو بار بار دہرایا تو سلطان المشائخ نے اسی وجد و کیف میں اپنی ایک دستار امیر حاجی اور ایک امیر خسرو کو دیدی۔[3]

سلطان المشائخ نے اپنے محبوب مرید کی شاعری پر یہ اشعار کہہ کر اپنی شفقت کا اظہار کیا ہے،

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ۔۔۔ ملکیت ملک سخن آن خسرو راست

آن خسرو ماست ناصر خسرو نیست ۔۔۔ زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[4]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی کے قصے آج تک مجلسوں میں دہرائے جاتے ہیں، ان کو ہر قسم کا دنیاوی اعزاز حاصل ہوا لیکن اس کے باوجود بھی مرشد کی خدمت ہی کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے، کبھی خلوت میں ان کے

---

[1] حضرت شیخ المشائخ کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہیں۔

برزبانت چو خطاب بندۂ ترک اللہ رفت ۔۔۔ دست ترک اللہ گیر و ہم بہ اللہش سپار

[2] سیر الاولیا ص ۳۰۳ [3] ایضاً ص ۵۱۶ - ۵۱۵ [4] ایضاً ص ۳۰۴

ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں ان کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر ان کو پسند آجاتا اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے،

خسرو کی جامعیت

قدرت نے خسرو کی آواز میں بھی بڑا درد اور سوز عطا کیا تھا، جس وقت وہ خوش گلوئی کے ساتھ اپنا کلام سناتے تو اس میں عجیب کیفیت اور تاثیر پیدا ہو جاتی، آگے چل کر وہ موسیقی کے بھی اساتذۂ فن میں شمار کیے جانے لگے، اور انھوں نے بہت سے نئے راگ بھی ایجاد کیے جیسا کہ آیندہ ذکر آئے گا، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے، غرضیکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان کے ذہن، ان کے دل اور ان کی آواز میں کونسی چیز قابلِ ترجیح تھی، مولانا شبلی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگون اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کیے ہوں گے،[۱]

خسرو اور علاء الدین کشلی خان

خسرو کی عمر ۲۰ سال کی ہوئی تو ان کے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا، نانا کی وفات کے بعد فکر معاش ہوئی، وہ سلطان غیاث الدین بلبن، اس کے شہزادوں اور امراء کے دربار میں اپنے قصیدوں کی وجہ سے متعارف ہو چکے تھے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان بلبن کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، پھر خسرو ابھی بہت ہی کمسن شاعر تھے، اس لیے بلبن ان کی طرف خاص طور پر مائل نہیں ہوا، گو خود انھوں نے اس کی شان میں بہت سے قصائد کہے ہیں، لیکن شہزادوں اور امراء کی نظریں خسرو کی طرف اٹھی ہوئی تھیں، ایک دل آویز شخصیت کے لیے جتنے اوصاف ضروری ہو سکتے ہیں وہ سب خسرو میں موجود تھے، دینداری، سخن آرائی، بذلہ سنجی اور خوش الحانی، ان ہی چیزوں کو شہزادے اور امراء اپنے ندیم خاص کے لیے پسند کرتے تھے، خسرو

---

[۱] شعر العجم جلد ۲ ص ۱۳۲

میں یہ ساری چیزیں موجود تھیں، ان کو کسی شہزادہ یا امیر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، پھر امراء کا یہ عجیب و غریب دور تھا، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ شمسی، ناصری اور بڑی حد تک بلبنی دور میں بھی خوانین و ملوک میں رشک و حسد اس پر ہوتا تھا کہ کون زیادہ فیاضی کرتا ہے، اگر کوئی خان یا ملک یہ سن لیتا کہ فلاں خان یا ملک کے دسترخوان پر پانچ سو آدمی کھاتے ہیں تو اس کو غیرت آجاتی، اور وہ یہ کوشش کرتا کہ اس کے دسترخوان پر ایک ہزار آدمی شریک رہیں، اگر ان میں سے کسی کو یہ خبر ملتی کہ فلاں ملک نے اپنی سواری کے موقع پر دو سو ٹنکے صدقے کیے ہیں، تو وہ چار سو ٹنکے صدقے میں دیتا، اسی طرح اگر ایک کو معلوم ہوتا کہ کسی نے پچاس گھوڑے اور دو سو آدمیوں کو کپڑے دیے ہیں تو وہ غایت رشک میں سو گھوڑے اور پانچ سو آدمیوں کو کپڑے عطا کرتا[1]، غرضیکہ ان امراء کے جود و سخا کی کوئی انتہا نہ تھی، ایسے ماحول میں تمام امراء خسرو کو اپنے دربار کی زینت و آرائش بنانے کے لیے چشم براہ تھے، لیکن خود انھوں نے سلطان بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے باربک علاء الدین کشلی خان (عرف ملک چھجو) کے دامن دولت سے وابستہ ہونا پسند کیا، اور دو سال تک اپنی سخن سنجی اور نغمہ سرائی سے اس کو محظوظ کرتے رہے،

خسرو اور بغرا خان

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ایک روز کشلی خان کے یہاں شعراء کا اجتماع ہوا، جس میں شہزادہ بغرا خان بھی شریک ہوا، اس مجلس میں خسرو نے بھی اپنا کلام سنایا، شہزادہ بغرا خان کو ان کا کلام کچھ ایسا پسند آیا کہ اس نے ایک طشت بھر کر خسرو کو روپے انعام دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے کا ممنون ہو، یہ ناگواری اس حد تک بڑھ گئی کہ خسرو اس کے دربار سے علحدہ ہو گئے، اور بغرا خان کے یہاں سامانہ چلے گئے، اس کا ذکر بھی آچکا ہے کہ بغرا خان نے

---

[1] برنی ۲-۱۰۱

ان کو ندیم خاص بنا کر ان کی بڑی عزت کی، احسان شناسی میں انھوں نے اس کی شان میں بھی اچھے اچھے قصیدے کہے ہیں، ۶۷۸ھ میں بغرا خان باپ کے ساتھ لکھنوتی گیا تو اس کی معیت میں وہ بھی تھے، لکھنوتی پہنچے تو یہ جگہ ان کو پسند نہ آئی، بغرا خان نے اپنے خاص درباریوں کے ذریعہ انکو روکنا چاہا، لیکن انھوں نے وہاں رکنا پسند نہ کیا، اور بلبن کے ساتھ دہلی واپس چلے آئے،

خسرو اور شہزادہ محمد سلطان

لکھنوتی کی مہم میں بلبن کو جو فتح و کامرانی حاصل ہوئی، اس کا جشن دہلی میں دھوم دھام سے منایا گیا، اس موقع پر باپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے لیے شہزادہ محمد سلطان قیمتی تحائف لے کر ملتان سے دہلی آیا، یہ علم نواز اور ہنر پرور شہزادہ خسرو کا کلام پہلے ہی سن چکا تھا، دہلی کے قیام کے دوران میں اس نے ان کو اپنے یہاں بلا کر اور ان کا کلام سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، ان کے پاس جو کچھ اس وقت نیا کلام موجود تھا، انھوں نے جا کر سنایا، شہزادہ سن کر بے حد محظوظ ہوا، خلعت اور انعام و اکرام عطا کیا،[1] اور اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور جب ملتان جانے لگا تو ان کو ساتھ لیتا گیا، حسن دہلوی بھی شہزادہ کے ساتھ گئے، فرشتہ کا بیان ہے کہ خسرو شہزادہ کے مصحف دار اور حسن دوات دار مقرر ہوئے،[2] پانچ سال تک ان دونوں جلیل القدر شاعروں نے شہزادہ کی بزم کو اپنی سخن آرائی سے بہت ہی پر رونق بنائے رکھا،

خسرو خود ہی غرۃ الکمال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"پنج سال دیگر پنج آب ملتان را از بحر لطائف فانی آب دادم"[3]

شہزادہ محمد سلطان بھی خسرو کو ہر طرح کی عنایات سے نوازتا تھا، لیکن خسرو کو دہلی کی یاد برابر ستاتی رہی، دہلی ان کے خیال میں ایک جنت تھی، اس کو قبۂ اسلام کے نام سے یاد کرتے تھے، اس کی سر بفلک عمارتوں، محل سراؤں، اس کے تالابوں، مرغزاروں، اور باغوں کی خوشبوؤں کو

[1] دیباچہ غرۃ الکمال [2] فرشتہ ج ۱ ص ۲۰۴ [3] اس عبارت میں تجنیس لفظی بھی ملاحظہ ہو،

یاد کر کے ملتان میں بے چین ہو جاتے تھے، وہ سال میں شہزادہ کے ساتھ ایک بار دہلی آتے، ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال ہے کہ اسی اثنا میں ان کی شادی بھی ہو گئی تھی[۵] اور جب وہ اپنی والدہ اور بیوی سے رخصت ہوتے تو ان کو انتہائی شاق ہوتا، لیکن ان کی زندگی کا یہ دور مسرتوں سے معمور رہا، اب وہ ایک نو مشق شاعر نہیں رہے تھے، بلکہ ان کی شہرت ہندوستان سے باہر ایران تک پہنچ گئی تھی، اور جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ جب شہزادہ محمد سلطان نے سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے اپنی ضعیفی کے سبب خود تو آنے سے معذوری کا اظہار کیا، لیکن ہندوستان کے شعراء میں خسرو کے اشعار کی تعریف کی، اور اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، لیکن خسرو کو شہزادہ محمد سلطان کی سرپرستی سے جلد ہی محروم ہونا پڑا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ہندوستان پر یورش کی، تو شہزادہ محمد سلطان نے ملتان سے نکل کر لاہور کے پاس ان کو روکا، لیکن ان سے لڑتا ہوا شہید ہوا، خسرو اس کے ساتھ تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، اس گرفتاری کا حال انھوں نے اپنے قصیدہ حکم الحکم میں بہت ہی پر درد طریقہ پر لکھا ہے، اس میں تقریباً دو سو اشعار ہیں، جو رضی نیشاپوری کے ایک قصیدہ کے ہم وزن اور ہم ردیف ہیں، اس کی ابتدا فقر و تصوف اور مواعظ و حکم سے کی گئی ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد اس کے سپاہی خاک و خون میں آلودہ ہو گئے، مغلوں نے ان کے سر کاٹ کاٹ کر فتراک میں لٹکا دیے، خود خسرو قید کر لیے گئے، ایک بد شکل چوڑے منہ، گندہ دہن اور کچی داڑھی مونچھ والے مغل کے حوالے کر دیے گئے، جو خود تو گھوڑے پر سوار رہتا، اور خسرو کو پیاسا اور برہنہ جسم رکھ کر بے دردی سے پا پیادہ گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے چلا، ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے،

---

[۵] دیکھو دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا، لکھنؤ یونیورسٹی،

ضعف سے لاغر ہو گئے، ان کی آنکھوں سے برابر اشک جاری تھے، خود فرماتے ہین،

اسیر گشتم و از بیم آن کہ خون ریزد | نمی نماند ز خون در تن نحیف و نزار
چو آب بے سر و پا می دویدم و چو حباب | ہزار آبلہ در پا ز رفتن بسیار
ز پا بپہائے من از آبلہ جدا شدہ پوست | چنان کہ باز شود در زہاے پا افزار
ز رنج سخت شدہ جان چو قبضۂ شمشیر | ز ضعف چوب شدہ تن چو دستۂ جفاہ
و مے نماند بپایم ز بود رہ تشنہ | دمے شدہ شکم من ز ماندۂ ناہار
برہنہ ماندہ تن چون درخت گاہ خزان | ہزار بارہ چو گل از خراش خار آزار
بگریہ مردمک دیدہ قطرہا می ریخت | چنان کہ بگسلد از گردن عروسی ہار
فرو جہ کہ مرا پیش کردہ رہ می رفت | نشستہ بر فرسے چون پلنگ در کہسار
کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل | فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار
زماندگی قدمے گر بماند می بستوہ | گہے طغانہ کشیدے خشم گہ تکمار

اسی سفر مین مغلون نے ان کے سر پر توبرہ چڑھا دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر کہتے ہین

من کہ بہ سر نمی نہادم گل | توبرہ بر سر نہاد و گفتا جل

اسیری سے رہا ہوئے تو خوش نہ تھے، مقتول اور بچھڑے ہوئے دوستون کی یاد مین بیچین رہے،
پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انھون نے اپنے مربی شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) کی شہادت پر بڑے
دل گداز اور المناک مرثیے لکھے، جو ایک عرصہ تک گھر گھر پڑھے جاتے تھے، ان کو ہم پہلے
نقل کر چکے ہین،

اسیری سے رہائی کے بعد خسرو دہلی آئے، ماں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، ماں بھی بیٹے
کے فراق مین نیم جان ہو رہی تھین، اس لیے ان کی مسرتوں کی بھی کوئی انتہا نہ تھی، خسرو دہلی کو

قبۃ الاسلام سمجھتے تھے، اور ماں کے قدم کے نیچے بہشت دیکھی[1]، اس لیے شہزادوں اور امراء کے درباروں سے الگ رہ کر قبۃ الاسلام کی بہشت ہی میں کچھ دنوں رہنا پسند کیا، پھر دہلی سے مومن پور عرف پٹیالی آ گئے، جہاں گنگا کے کنارے مقیم رہے،

ترتیب دیوان وسط الحیٰوۃ

اسی زمانہ میں انھوں نے اپنا دوسرا دیوان وسط الحیٰوۃ مرتب کیا، جس میں تقریباً ۵۰ قصائد، ۷ ترجیعات، ۴۲ قطعات، دو مثنویاں، ۱۵۷ رباعیات اور ۳۰۰ غزلیں ہیں[2]، ان ہی کے بیان کے مطابق دیوان میں کل اشعار کی تعداد آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے[3]، اس دیوان کی ترتیب کے وقت ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی، علی گڈھ میں یہ زیور طباعت سے آراستہ تو ضرور ہوا، لیکن غالباً اس کی عام اشاعت نہ ہو سکی، اسی لیے صرف محدود حلقہ میں یہ پہنچ سکا، اس کے شروع میں جناب فضل احمد حافظ صاحب کا ۱۵۶ صفحے کا بڑا ہی پر مغز اور فاضلانہ مقدمہ ہے، جس سے

---

[1] غرۃ الکمال میں لکھتے ہیں "چون خدا رشتہ عمرم دراز دادہ بود، خلاص یافتم و آن شہر را کہ الاقدام و تماشا قبۃ الاسلام آمدم در زیر قدم مادر بہشتی شدم"۔ [2] دیکھو مقدمہ وسط الحیٰوۃ نوشتہ فضل احمد حافظ ص ۲۳،

[3] یہ تعداد حسب ذیل اشعار میں بتائی ہے،

واسطست از پے حیات ابد — این کتاب از چنین خجستہ خطاب

در شمردن ز بیتہاے ترش — ہشت ابر آمدست ہر یک آب

غنیم یعنی کہ ہشت بار بخوان — ما بیک بارہ دیدہ ایم صواب

چارصد چل یکے ست و ہشت ہزار — ہمہ بیت از جمل کشادہ نقاب

این شمارست وضع بندہ کہ نیست — ہیچ کس را درو محل جواب

غنیم کے اعداد ۱۰۵۰، کو آٹھ گنا کیا جائے تو ۱۰۵۰ × ۸ = ۸۴۰۰ ہوئے، ابد میں ما کے اعداد ۴۱ اور ملا لیے جائیں تو کل آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہوئے، اس صنعت معمایی اشعار لکھنے پر خسرو فخر کرتے ہیں،

راقم نے کافی استفادہ کیا ہے،

خسرو وسط الحیوٰۃ کے دیباچہ مین خود تحریر کرتے ہین کہ ان کا یہ دیوان بحیثیت زمانی ہر دیوان سے بہتر ہے، کیونکہ یہ عالم شباب مین مرتب ہوا، جب کہ اس مین ایک پچپن کا تکلف، تصنع اور آورد ختم ہو کر باریک بینی، موشگافی، روانی، پختگی، جودت اور متانت آگئی تھی، اور وفور جذبات کا ظہور بدرجۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، وہ اپنے زمانہ کہولت کے کلام کو بھی عہد شباب کے کلام پر ترجیح دینا پسند نہیں کرتے، ان کا خیال تھا کہ

در جوانی سخن جوان باشد سخن پیر ناتوان باشد

گو ان کا کلام ان کی پیری میں بھی جوان رہا،

یہ دیوان مذہبی، روحانی، علمی، ادبی اور تاریخی حقایق کا ایک عجیب وغریب مجموعہ ہے،

حمد مین ربوبیت، احکم الحاکمین کی غیر متناہی وسعت، اس کی شان رزاقی اور کمال رحمت کا ذکر ہے، ایک حمدیہ قصیدہ کی خاص بات یہ ہے کہ ہر دعوی کو آیت قرآنی سے ثابت کیا ہے، یہ صنعت ان کی خاص ایجاد ہے، مختلف نعتیہ قصائد مین مواعظ وحکم کے علاوہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طبیب روحانی، معلم اول، اور محرم راز ثابت کر کے تمام کائنات کو ان کے خوان ہستی پر ریزہ دار عدم بتایا ہے، پھر اپنے محبوب مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی منقبت مین بے ثباتی عالم، زہد وطاعت، نفس کشی پر معارف وحقایق بیان کر کے مرشد کی نظر کیمیا اثر، ان کی شب بیداری اور روشن ضمیری وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اسی دیوان مین خاقانی کے طرز پر عالم العلم کے نام سے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس مین اپنی قوت تخییل سے پورا کام لے کر خاص خاص علوم وفنون مثلاً کیمیا، سیمیا، طبیعیات، نحو، منطق، فلسفہ کلام اور نجوم کے رموز بتائے ہین،

وسط الحیوٰۃ کے قصائد مین دو صنعتون کا ذکر خود خسرو اپنے دیباچہ مین خاص طور پر کرتے ہیں

ایک تو یہ کہ اس مین زیادہ تر کلام ذو معنین ہے، اس کی مثالین بکثرت ہین، دوسرے یہ کہ ممدوح کی مدح مین ایک بیت مین اسکا لقب اور دوسری مین اس کا نام لائے ہین، تا کہ ممدوح کے نام کو بھی بقا حاصل ہو، اس کی کئی مثالین خود ہی دی ہین، مثلاً

ہنوز تا چہ کند کرشمہ ہائے نیزہ ورت — اگر ز لطف برین بندہ مہربان نبود

ستودہ نصرت دنیا محمد سلطان — کہ خبر بدولت از محمدت نشان نبود

اس صنعت کا نام انھون نے خود تخلص حامل موقوف رکھا ہے، یہ صنعت آگے چل کر بہت عام ہو گئی، تاریخی حیثیت سے نہ صرف وہ قصائد اہم ہین جو خسرو نے اپنے مربیون مثلاً شہزادہ محمد سلطان بلبن، کیقباد، بغراخان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین دبیر، تاج الدین الپ وغیرہ کی مدح مین لکھے ہین، بلکہ ان کی ترجیعات بھی زیادہ تر تاریخی واقعات پر مشتمل ہین، پہلی ترجیع مین جو پانچ بندون کی ہے، شہزادہ محمد کی ستایش ہے کہ اس نے مغلون کے فتنہ کو کس طرح دبایا، دوسری ترجیع کا نام عین المعانی ہے، اس مین مغلون کو حدود ملتان سے بخارا کی طرف بھگانے کا بیان ہے تیسری ترجیع نشاط عید، اور مغلون کی مزید شکست پر ہے، چوتھی ترجیع مین معز الدین کیقباد کی مدح اور "تہنیت تاج پوشی" ہے، پانچوین ترجیع مورد الورد اور چھٹی ترجیع حدیقۃ الحدقات اختیار الدین کشلی خان کی تعریف و تحسین مین ہے، ساتوین ترجیع "نعت الغزا فی بعث الغزا" شہزادہ محمد کی شہادت اور مغلون کے مظالم پر ہے، آٹھوین ترجیع مین شہزادہ محمد کا مرثیہ ہے، جو ہر زمانہ مین بہت ہی مقبول رہا، ان ترجیعات کے علاوہ مثنویون سے بھی اس عہد کے مستند تاریخی واقعات معلوم ہوتے ہین، ایک رزمیہ مثنوی مین سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لکھنوتی مین جو لشکر کشی کی تھی، اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، اسی مثنوی مین شہزادہ محمد کی فتح دمریلہ ونگرکوٹ وغیرہ کا بھی ذکر ہے، ان فتوحات کے بعد ۶۸۲ھ مین شہزادہ نے مغلون سے معرکہ آرائی کی،

جس میں ان کا سردار تخلک اور اس کے بڑے بڑے ساتھی مارے گئے، اس میں ان جانبازوں کے نام بھی ہیں جنھوں نے بڑی پامردی اور دلیری سے جنگ کر کے مغلون کو شکست دی، پھر مغلون کے حلیہ و شباہت کا بھی بیان ہے، جس کے ذکر میں خسرو کے قلم میں غیر معمولی روانی پیدا ہو جایا کرتی تھی، خسرو کی دوسری مثنوی میں بھی شہزادہ محمد سلطان اور مغلون کی ایک اور جنگ کی تصویر کھینچی گئی ہے، پھر متعدد قصائد، ترجیعات، قطعات میں بھی مغلون کی پسپائی اور ہزیمت کا ذکر ہے، بقول جناب فضل احمد حافظ صاحب (مرتب وسط الحیوٰۃ) مغلون کی شکست کے موقع پر امیر کا قلم رقاصہ کی طرح طرب انگیز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کو شہزادہ محمد سے بڑی شیفتگی تھی، کیونکہ وہ نہ صرف علم دوست اور علم نواز تھا، بلکہ اپنی نبرد آزمائی، لشکر شکنی، شمشیر زنی اور قادر اندازی میں اپنی مثال آپ تھا، اس نے جس دلیری اور پامردی سے مغلون کی سرکوبی کی وہ ہندوستان کی تاریخ کا واقعی ایک بڑا کارنامہ ہے، خسرو اپنے ممدوح کے اس کارنامہ کا ذکر مختلف پیرایون میں کر کے نہ صرف اپنے زور قلم اور قوت بیان کا ثبوت دیتے رہے، بلکہ اپنے محبوب مربی اور سرپرست کے جوہر کو بھی اس عہد کے لوگون کے سامنے پیش کرتے رہے، اور آج یہی قصائد، ترجیعات اور قطعات وغیرہ تاریخی لٹریچر کی حیثیت سے بڑے ہی مفید اور اہم ہو گئے ہیں،

خسرو اور خاقانی پہلے کہا جا چکا ہے کہ خسرو کے شباب کی تیزی فکر، بلندی ہمت اور روانی طبع نے ان کے قلم کو جادو رقم بنا دیا تھا، اس لیے ان کے کلام میں جودت طبع کے ساتھ عذوبت، فصاحت اور بلاغت بھی پیدا ہونے لگی، ان کو خود فخر ہے کہ ان کے دریائے سخن کی موجون سے لوگون کے دامن گہر آبدار سے بھرنے لگے،

چون ز دریائے سخن موج سخا می زنم … دامن از بار گہر صد پارہ بینی خلق را

اور اسی تیزی فکر اور بلندی ہمت میں اپنے کلام کو پرانے اساتذہ کے کلام کے ہم پلہ بنانے کی کوشش کی،

تحفۃ الصغر میں تو اپنے عجز بیان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمت آسمان پیما رکھنے کے باوجود وہ خاقانی کی تقلید میں ناکام رہے۔ لیکن وسط الحیوۃ کے دیباچہ میں ان کا خود دعویٰ ہے کہ خاقانی کی تقلید کامیابی کے ساتھ کی، لکھتے ہیں:

"...... بعد ازو (یعنی خاقانی) ہیچ صاحب سخن را دین قوت و قدرت نبود کہ این صناعت را متابعت کند مگر بندہ خسرو کہ بعض اشعار خود را ہم بطرز استاد خاقانی نام شعرا در شارع ابیات راندہ است ......" (ص ۱۵)

وسط الحیوۃ میں ایسے کئی قصائد ہیں جو خاقانی کے رنگ میں کہے گئے ہیں، کچھ تو ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں، کچھ اور مثالیں بھی ملاحظہ ہوں، خاقانی نے بحر مضارع مثمن مکفوف محذوف میں ایک نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

قحط وفاست در بنہ آخر الزمان	ہان اے حکیم پردۂ عزلت بساز ہان

خسرو نے بھی خاقانی کے اسی طرز میں ایک نعت کہی جو بحر مجتث مجنون مقصور میں ہے، اس میں تقریباً ۱۸۰ اشعار ہیں، اس کا مطلع یہ ہے،

رسید کوکبۂ آفتاب در سرطان	سحاب گشت پی زمین ستارہ فشان

پورے قصیدہ میں خاقانی ہی کی طرح الفاظ کی ہما ہمی، مضامین کی سنگینی اور تلمیحات کی فراوانی ہے، جن کو سمجھنے کے لیے ذہن وشعور کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:

محمد ابن ذبیحین وصاحب قوسین	کہ زیب یافت از دو کمان دو قربان
نیامد است چنان فرخ اختری بشمار	حساب احسن تقویم را بہ ہیچ قرآن
از وچو مژدۂ لاتقنطو اد رسد باہم	ز فیض رحمت رحمٰن کر ارسا جرمان

کسے کہ سنگ روان کرد سوے گوہر او ۔۔۔ ہر آئینہ گہرے دادش از بن دندان

کمونات ہمہ روزنۂ عدم می داشت ۔۔۔ بدان امید کہ قدرت نہد زہستی خوان

معلم اوست باوراقِ علّم الاسماء ۔۔۔ خلیفہ آدم و با طفلی از دبیرستان

اسی طرح خاقانی کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے؛

عروس عافیت آنگہ قبول کرد مرا ۔۔۔ کہ عمر بیش بہا دادمش بشیر بہا

اس زمین مین بھی خسرو نے ایک طویل غیر نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جو انھون نے اس وقت کہا تھا
جب وہ اختیار الدین کشلی خان کے لشکر کیساتھ دہلی سے باہر جا رہے تھے، شدید گرمی کا زمانہ تھا
باد سموم چل رہی تھی، آسمان سے آگ برس رہی تھی، اور موسم کی سختی کے ساتھ اعزہ واقربا کی مفارقت
کا بھی غم تھا، ان ہی کیفیات کو خسرو نے خاقانی کے مذکورۂ بالا نعتیہ قصیدہ کی زمین مین منظوم کیا ہے
اور اس کا نام مروحۃ الروح رکھا ہے، جس مین تقریباً ۱۱۲ اشعار ہین، اس کی ابتدا اس طرح کی ہے؛

دو روی بست کمر آفتاب در جوزا ۔۔۔ بہ پشت ہفت زمین آتشے فگند صبا

بباد خانہ درون رفت گرم کرد مزاج ۔۔۔ کہ سوئے باد رود ہر کہ ہست در گرما

چنان ز آتش خورشید صبح می بدمد ۔۔۔ کہ نفت آن ز زمین می رود باوج سما

خود آفتاب نہ بیدہ ز صبح جز دم صدق ۔۔۔ شود کہ گرم شود از دو روئی جوزا

خاقانی نے بحر خفیف مخبون محذوف مین ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے،

الصبوح الصبوح کآمد کار ۔۔۔ الشار الشار کآمد یار

اسی بحر اور وزن مین خسرو نے بھی غیاث الدین بلبن کے لیے ایک قصیدہ کہا ہے،
جس کو وہ اس طرح شروع کرتے ہین،

روئے بنمود صبح سیم عذار ۔۔۔ ساقی صبح روئے بادہ بیار

جام دہ رو نما بہ صبح کہ باز　　　روئے بنمود صبح سیم عذار
شمع را سر آمد ست حیات　　　شربتے از قنینہ بیروں آر

خسرو جب خاقانی کی تقلید کرتے ہین تو وہی انداز، وہی ترکیبیں اور وہی استعارے استعمال کرتے ہین لیکن خود خسرو وسط الحیٰوۃ کی قصائد نگاری کے زمانے مین اس سے زیادہ تعلی بھی نہیں کرتے، جیساکہ اوپر ایک اقتباس مین ظاہر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ انھون نے کسی دور مین بھی اپنے کو کسی طرز خاص کا موجد نہین بتایا ہے، البتہ اپنی سخن وری اور شہ زوری مین کہین کہین خاقانی سے زیادہ لطیف تر اور پر کیف اشعار کہہ گئے ہین، مثلاً دونون کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہون،

خاقانی۔ جام فرعونی اندر آر کہ صبح　　　دست موسی بر آرد از کہسار
خسرو۔ جام دہ رو نما بہ صبح کہ بار　　　روئے بہ نمود صبح سیم عذار
خاقانی۔ چرخ بر کار دیار وما بہ صبوح　　　می کند لعبتان دیدہ نثار
خسرو۔ شمع را بر سر آمد ست حیات　　　شربتے از قنینہ بیروں آر
خاقانی۔ در سفال خم آتشے ست کہ ہست　　　عقل حراق او و روح شرار
خسرو۔ آتش شرق از دمیدن صبح　　　می زند شعلہ بے دخان وشرار

خاقانی کے اشعار کے "جام فرعونی" اور "دست موسی" کے مقابلہ مین خسرو کا "صبح سیم عذار" زیادہ لطیف تر معلوم ہوتا ہے، اسی طرح خاقانی نے ستارے کے لیے "لعبتان دیدہ" کا استعارہ استعمال کیا ہے، اور عقل کو "حراق" اور روح کو "شرار شراب" کہا ہے، لیکن خسرو کے استعارے زیادہ موزون اور برجستہ ہین، وہ کہنا چاہتے ہین کہ رات ختم ہونے کو ہے تو کہتے ہین،

شمع را بر سر آمد ست حیات

خسرو نے شراب کو آتش شرق اور اس کے جوش کو شعلۂ بے دخان وشرار کہہ کر اپنے

شعر کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور قریب الفہم بنایا ہے،[۱]

خسرو نے اسی قصیدہ مین مقامی رنگ پیدا کرکے اس کو اپنے ناظرین کے لیے اور بھی زیادہ پرکیف بنا دیا ہے، مثلاً کہتے ہین:

خاک عودی بہ صندلی زمین | صندلے سودہ شد ز باد بہار
می رود باد صبح و می آید | زو مرا بوئے لالہ و گلنار
آب را لب پر از نبات شدہ است | از شکر خندۂ گل و گلنار
باز پیغام گل بہ بلبل گفت | چشم نرگس بہ نوک غمزۂ خار
کو زگشتہ بنفشہ می جوید | در کہ باران بہ خاک کرد نثار
از ہوا آب می خورد غنچہ | دست در پیش داشتہ چو چنار

خسرو اور کمال اسمٰعیل

خسرو نے خلاق المعانی کمال اسمٰعیل اصفہانی کے رنگ مین بھی قصائد لکھکر اپنے زور طبع کا ثبوت دیا ہے، مثلاً کمال اسمٰعیل کے قصیدہ کا ایک مطلع ہے،

بگویم و نہ کند رخنہ در مسلمانی | تو ئی کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

اسی زمین اور قافیہ مین خسرو کا مطلع ہے،

چو زلف غالیہ گون بر عذار پیشانی | نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

اسی قصیدہ مین خسرو کے بعض اشعار کمال کے اشعار سے زیادہ بہتر ہوگئے ہین، کمال کے اس قصیدہ کا تیسرا شعر یہ ہے،

ز تاب چشم تو پیکانہاے لعل شود | بہ چشم خصم تو در لعل ہائے پیکانی

اس شعر مین پیکانہائے لعل اور لعل ہائے پیکان کے الٹ پھیر نے لذت ضرور پیدا کر دی ہے

[۱] اسی طرح کی اور مثالون کے لیے دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۸-۶۴ مرتبہ فضل احمد خان صاحب علی گڈھ ایڈیشن،

لیکن خسرو کے قصیدہ کا تیسرا شعر اس شعر سے بلا شبہہ بلند ہے، وہ کہتے ہیں،

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس | کہ نیست ہیچ کسے را غم مسلمانی

کمال کی تاب چشم کو خسرو نے دوسرے رنگ مین پیش کیا ہے، چشم کافر کی غارتگری سے دنیا مین جو ویرانی پیدا ہوئی تو پھر فکر مذہب یعنی غم مسلمانی باقی نہ رہا، اس پر اظہار افسوس جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے خسرو کے شعر مین ندرت پیدا ہو گئی ہے،

دونون اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف کرتے ہین،

کمال۔ چو ابر جود تو باران جود بارا ند | ہوا ز ابر بپوشد لباس بارانی

خسرو حدیث بخشش او باد اگر برابر برد | ہزار بار کند ابر تیرہ بارانی

خسرو نے "ہزار بار" کہہ کر اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف مین جو نکتہ پیدا کر دیا ہے وہ کمال کے شعر مین نہین پایا جاتا،

اسی طرح ایک دوسرے ہم قافیہ اور ہم ردیف قصیدہ مین کمال کا قصیدہ ہے،

زہے سنبل تر کردہ لالہ را پردہ | بر آسمان زدہ عکس رخت سرا پردہ

کمال کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ممدوح کے عکس رخ نے آسمان پر حسن کا ایک خیمہ بنا دیا ہے، اس لیے خط کو سنبل تر اور رخ کو لالہ قرار دیا ہے، اب خسرو کا مطلع ملاحظہ ہو،

بکش بگرد رخ از خط دل ربا پردہ | کہ کس ز شب نہ کند آفتاب را پردہ

خسرو نے خط دل ربا کو شب اور چہرۂ تابان کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے، اور تعجب کے لہجہ نے اس مین خاص ندرت اور بلاغت پیدا کر دی ہے،

اسی قصیدہ مین کمال کا ایک شعر ہے کہ

بکے ز چہرہ برانداز پردہ تا خورشید | فرو گذارد بر چہرہ از حیا پردہ

یعنی آفتاب رخ یار کے بے نقاب ہونے سے شرمندہ ہو کر پردہ نشین ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ مین خسرو کے شعر کے اسلوب کی لطافت اور برجستگی ملاحظہ ہو،

زبیم آنکہ رسد چشم آفتاب بتو — بہ بند د ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

یعنی ایسا نہ ہو کہ آفتاب کی نظر بہ رخِ ممدوح پر پڑ جائے، اس لیے ابر ہر وقت ہوا مین بادلون کا پردہ کیے ہوئے ہے،

وسط الحیوٰۃ کے فاضل مقدمہ نگار فضل احمد حافظ نے اپنے مقدمہ مین بہت سی مثالین دے کر کمال پر خسرو کی فوقیت ثابت کی ہے،[1] ممکن ہو کہ فضل احمد حافظ صاحب کی رائے سے بعض ارباب نظر کو اتفاق نہ ہو، لیکن اس مین شک نہین کہ خسرو نے باکمال قصیدہ نگارون کی تقلید مین قصائد کہہ کر نہ صرف اپنی غیر معمولی قدرت کلام جزالت بیان، پرواز فکر اور رفعتِ تخیل کا ثبوت دیا، بلکہ وہ اس طرح آسمانِ شاعری کے نیر اعظم بننے کے لیے ہفت خوان بھی طے کرتے جا رہے تھے،

خسرو کی غزل گوئی خسرو جس طرح باکمال قصیدہ نگارون کے تتبع مین قصائد کہہ کر اپنے شاعرانہ ذہن کو جلا دے رہے تھے، اسی طرح باکمال غزل گویون کے طرز مین غزلون پر غزلین کہہ کر اپنی سخنوری کے جوہر آبدار مین چمک دمک پیدا کرنے کی بھی کوشش کر رہے تھے،

وسط الحیوٰۃ کے مطبوعہ نسخہ کے مقدمہ مین جناب فضل احمد حافظ صاحب لکھتے ہین کہ اس مین تقریباً تین سو غزلیات ہین، اور پھر شروع مین ان غزلون پر پر مغز تبصرہ بھی کیا ہے، یہی مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے، مگر اس مین ایک غزل بھی نہین، شاید طبع ہونے سے رہ گئی ہون، اس لیے ہم ان پر اپنا مختصر تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرنے سے قاصر ہین، پھر بھی جناب فضل احمد حافظ صاحب نے اپنی وسعتِ نظر، کثرتِ مطالعہ اور لطافتِ ذوق سے جو تبصرہ کیا ہے اسی کی خوشہ چینی

---

[1] دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۰ - ۵۵

کرتے ہوئے، یہان پر ہم بعض ضروری باتین درج کرتے ہین،

وسط الحیٰوۃ کی غزلین اس کے قصائد کی طرح خسرو نے اپنے عالم شباب یعنی ۲۰ سے ۴۴ سال تک کی عمر مین لکھی ہین، اس زمانہ مین شیخ سعدی کی غزل گوئی کا غلغلہ بلند تھا، خسرو زیادہ تر ان ہی کی سادگی، صفائی اور شیرینی سے متاثر ہوئے اور اپنی غزلون مین ان ہی کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا، البتہ بعض غزلون مین انکا فطری رنگ یعنی سوز و درد زیادہ نمایان ہوگیا ہے، ان مین یہ سوز و درد فطرت کی طرف سے تو عطا ہوا ہی تھا حضرت شیخ نظام الدین اولیا، کی صحبت نے ان مین اور بھی زیادہ چنگاریان بھردین، لیکن اس سوز و درد کے ساتھ مجموعی حیثیت سے شیخ سعدی ہی کے تبع رہے، وسط الحیٰوۃ مین ایسی بہت سی غزلین ملین گی جو سعدی کی تقلید مین کہی گئی ہین، یہان پر ہم دونون کی بعض غزلونکے مطلعے ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

سعدی	گر درون سوختۂ باتو برآرد نفسے	چہ تفاوت کند اندر شکرستان مگسے
خسرو	من ترا دارم وجز لطف تو ام نیست کسے	در جہانم نبود غیر تو فریاد رسے
سعدی	فراق دوستانش باد و یاران	کہ مارا دور کرد از دوستداران
خسرو	ہمی ریزی ببازی خون یاران	ہمی باشد سزائے دوستداران
سعدی	بسکہ در منظر تو حیرانم	صورتت را صفت نمی دانم
خسرو:	اے وجود تو دیدۂ جانم	جسم پیدا و جان پنہانم
سعدی:	من آن نیم کہ دل از مہر دوست بردارم	وگر ز غصۂ دشمن بجاں رسد کارم
خسرو	بدیدۂ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم	کہ آن نظر ز تو بر روئے دیگرے آرم
سعدی:	شکست عہد مودت نگار دلبندم	برید عہد وفا یار سست پیوندم
خسرو:	چو من ز دوست بداغ درونہ خرسندم	نہ دوستی بود ار ز دل بہ مرہمے بندم

سعدی: کس نگذشت در دلم تا تو بخاطر منی | یک نفس از درون جا خیمه برون نمی زنی
خسرو: اے زغبار خنگ تو یافتہ دیدہ روشنی | چند بہ شوخی و جفا قصد ہلاک من کنی

اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حافظ شیرازی کی بعض غزلیں خسرو کے رنگ کی ہیں، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے خسرو کی غزلیں سامنے رکھ کر غزلیں کہی ہیں، مثلاً

خسرو: بیا جاناں کہ جانت را بمیرم | دگر میرم بجان منت پذیرم
حافظ: بہ تیغم گر زند دستش نگیرم | دگر تیرم زند منت پذیرم
خسرو: نظر گفتند وا ازی با فقیران | من مسکین نہ آخر ہم فقیرم
حافظ: نصاب حسن در حد کمال ست | زکاتم دہ کہ مسکین و فقیرم
خسرو: نمی آید بگوشت نالۂ من | کہ گوش چرخ کر گشت از نفیرم
حافظ: من آن مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ | رسد تا سدرہ آواز نفیرم
خسرو: رحمے کہ بر در تو غریب افتادہ ایم | وز خون دل ز دست تو چون جام بادہ ایم
حافظ: ما سرخوشان مست دل از دست دادہ ایم | ہم راز عشق و ہم نفس جام بادہ ایم
خسرو: آخر چہ شد کہ چشم بہ پستی بروئے من | زینسان کہ ما بروے تو ابرو گشادہ ایم
حافظ: بر ما بسے کمان ملامت کشیدہ اند | تا کار خود ز ابروئے جانان کشادہ ایم
خسرو: عزم آن دارم کہ از دل نقد جان بیرون کنم | آرزوت در پیش و خود را از میان بیرون کنم
حافظ: دوش سودائے رخت گفتم ز سر بیرون کنم | گفت کو زنجیر تا تدبیر این مجنون کنم
خسرو: حال خود باز بر آئین دگر می بینم | باز کار دل خود زیر و زبر می بینم
حافظ: این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم | ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
خسرو: می رسد از پے من رنج کہ من روز بروز | روزگارے دل شوریدہ بتر می بینم

حافظ: ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام　　　مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

خسرو نے شانِ خسروی میں اپنے خاص رنگ میں بھی غزلیں کہی ہیں، مثلاً وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سلوک کا اعلیٰ درجہ وجود ننگ سے چھٹکارا کرکے ہی حاصل ہو سکتا ہے، تو وہ ایک اچھوتے انداز سے ایک مسلسل غزل میں کہتے ہیں،

اگر اصحاب عشرت مے پرستند　　　بیا ساقی کہ من ساقی پرستم

مرا گویند در مستی چہ دیدی　　　کہ می گوئی دل اندر بادہ بستم

تعالی اللہ ازین بہتر چہ باشد　　　کہ از ننگ وجود خویش رستم

معرفت کے سلسلہ میں کہنا چاہتے ہیں کہ جلوۂ الٰہی ہر جگہ نمایاں ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے،

سخنت بسرو گویم خبرت زباد پرسم　　　تو درونِ دیدۂ دل زکسان چرات جویم

بدل و بدیدہ و جان ہمہ جا نہفتہ ہستی　　　چو نہ بینم آشکارا بکدام جات جویم

تو کہ بر در تو گم شد سر و تاج بادشاہان　　　چہ خیال فاسد ست این کہ من گدات جویم

یہ تو صوفیانہ رنگ کی غزلیں ہیں، عاشقانہ رنگ کی ایک غزل میں کہتے ہیں،

ما دل شدگان بے قراریم　　　ما سوختگان خام کاریم

آتش زدگانِ سوز عشقیم　　　رسوا شدگان کوئے یاریم

بودیم خراب بادۂ دوش　　　امروز ہم اندران خماریم

سوزِ عشق کی مصوری کی ہے، اس طرح کہ آتش دل، دود آہ، اور آخر میں طوفان دیدہ کی بدولت ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، بلندیٔ عشق اور ہستی فانی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں،

ما کہ در راہ عشق قدم زدہ ایم　　　بر خط عافیت رقم زدہ ایم

تا بطوفان عشق غرقہ شویم	بر سر لنہ فلک علم زدہ ایم
چونکہ اندر وجود نیست ثبات	دست در نامۂ عدم زدہ ایم
ہم چو خسرو ز نیستی اے دوست	ہستی ہر دو کون کم زدہ ایم

ہم اس کتاب میں خسرو کی یہی دو چار غزلوں کے نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، انشاء اللہ آیندہ جلد میں غرۃ الکمال اور بقیہ نقیہ کا مطالعہ کرتے وقت یہ دکھانے کی کوشش کرینگے کہ خسرو نے غزلوں کی بحروں کی موزونی، تشبیہات و محاورات کی جدت کے ساتھ سوز و گداز، تشنگی و نیاز عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلربائی، واردات عشق کی بے خودی، دنیا کی بے وفائی اور حقایق و معارف کی نکتہ آرائی سے خمخانۂ سعدی کی شراب کو دوبارہ کھینچ کر کس طرح تیز کر دیا،

حسن سجزی | حسن سجزی خسرو کے قلبی دوست تھے، وہ اپنی شاعری کے لحاظ سے خسرو کے ہم پلہ تو نہیں ہیں لیکن اپنے عہد میں خسرو ہی کی طرح ممتاز اور جلیل القدر رہے،

ان کا اصل نام نجم الدین حسن تھا، بعض تذکرہ نویسوں نے ان کا نام نجم الدین بن علا سجزی لکھا ہے، علاء ان کے والد بزرگوار کا نام تھا، اس لیے انھوں نے شاید والد کے اسم گرامی کی مناسبت ہی سے فوائد الفواد کے دیباچہ میں اپنے آپ کو حسن علاء سجزی لکھا ہے، سجزی کی نسبت سے ظاہر ہے کہ ان کے آبا و اجداد سجستان یا سیستان کے رہنے والے تھے، نسباً ہاشمی تھے، دیوان حسن سجزی دہلوی کے لایق و فاضل مرتب جناب مسعود علی محوی بی، اے (علیگ) نے اس کے دیباچہ میں حسن سجزی کے اس شعر سے

پروردۂ فضل ایزدش از شاد غیبی مرشدش	بودہ بدایوں مولدش دہلی ارت نشو و نما

ان کا مولد بدایوں بتایا ہے[1] لیکن ان کی نشو و نما دہلی میں ہوئی، اس لیے ان کے نام کے ساتھ دہلوی

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۱۰، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدر آباد دکن، اس پر مغز عالمانہ دیباچہ میں حسن دہلوی سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر دیے گئے ہیں،

لکھا جاتا ہے، ان کا سنہ پیدائش ۶۵۳ھ ہے، یعنی خسرو سے ایک سال چھوٹے تھے،

تحصیل علم کی تفصیل تو معلوم نہین، لیکن ان کے دیوان اور فوائد الفواد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی پر انکو پورا عبور حاصل تھا، فارسی کے تو ایسے شاعر ہوئے کہ سعدی ہندوستان کے لقب سے مشہور ہوئے، عربی مین قواعد النحو کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بہت مشہور ہوئی،[1] ان کے پیر بھائی مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلاطین، اکابر اور دہلی کے اولیاء اللہ کے بارہ مین ان کا علم بڑا حاضر تھا،[2]

مولانا ضیاء الدین برنی ہی کی وساطت سے خسرو اور حسن مین محبت و یگانگت پیدا ہوئی جیسا کہ وہ خود اپنی تاریخ فیروز شاہی مین لکھتے ہین

"واز محبت من میان ایشان ہر دو دوستی و قرابتے شد"[3]

خود برنی کے تعلقات ان دونون ارباب کمال سے بڑے گہرے اور مشفقانہ رہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہین کہ ان دونون کو میرے بغیر اور مجھکو ان دونون کے بغیر چین حاصل نہ ہوتا تھا،[4]

خسرو کی طرح حسن کی شاعری کی بھی شہرت ان کی کمسنی ہی مین ہر طرف پھیلی، یہ تو تمام تاریخون اور تذکرون مین ہے کہ وہ خسرو کے ساتھ شہزادہ محمد سلطان کے دربار سے وابستہ ہوئے لیکن پہلے ہم فوائد الفواد کے حوالہ سے یہ ذکر کر چکے ہین کہ شہزادہ بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا تو اس سفر مین حسن اپنے عزیز مولانا شمس دبیر کے ساتھ تھے،[5] اسی مہم مین

---

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۲۷ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ [3] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰- فرشتہ (جلد دوم ص ۴۰۲) نے حسن کے حسن وجمال اور خسرو کی شیفتگی کی جو روایت لکھی ہے، اسکی ناقدانہ تردید مسعود حسن محوی نے دیوان حسن سجزی دہلوی کے دیباچہ (ص ۲۷-۲۹) اور ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو (ص ۴۷-۵۰) مین کر دی ہے [4] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ [5] فوائد الفواد ص ۱۲۸

خسرو بھی شہزادہ بغرا خان کی معیت مین لکھنوتی گئے، خیال ہوتا ہے کہ شاید حسن بھی خسرو کے ساتھ شہزادہ بغرا خان کے یہان سامانہ جاکر اس کے ندیم خاص ہو گئے ہون، اور اس کے جلو مین لکھنوتی گئے ہون، لیکن خسرو کی طرح وہ بھی لکھنوتی مین نہ ٹھہرے، اور دہلی آگئے، لکھنوتی کی فتح پر شہزادہ محمد سلطان باپ کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے ملتان سے دہلی آیا، اور جب پھر اپنے اقطاع پر واپس جانے لگا تو جوہر شناس شہزادہ خسرو کے ساتھ حسن کو بھی ساتھ لیتا گیا، اور ان کو اپنا دوات دار مقرر کیا[1]، اور ان دونون جلیل القدر شعرا کی وجہ سے شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی گرماگرمی رہی، دونون نے اپنی کمسنی کے باوجود شہزادہ کی سرپرستی مین اپنی اپنی نظم و نثر کے کمال کا اچھی طرح اظہار کیا، شہزادہ نے بھی ان دونون کو اپنے جود و سخا سے خوب سیراب کیا، اور ان دونون سے زیادہ کسی اور کو اس سے تقرب حاصل نہین رہا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین:

"امیر خسرو اور امیر حسن اس کی (یعنی شہزادہ محمد سلطان کی) ملازمت میں تھے، اور پانچ سال تک ملتان مین اس کے ساتھ رہے، اور شہزادہ کے ندیم کی حیثیت سے اس سے وظیفہ اور انعام پاتے رہے، شہزادہ مین جو دانشمندی تھی، اس کی بنا پر اس نے اپنی چند مجلسون مین ان دونون شاعرون کے فضل و کمال عقل اور ہنر کا اندازہ کر لیا، اور اپنے تمام ندیمون مین سے ان کو خاص طور پر پسند کیا، اور ان دونون اساتذہ کی نظم و نثر لے اس کو خوش رکھا، اور اس نے بھی ان کو اپنے مخلصون مین شمار کیا، اور دوسرے ندیمون کے مقابلہ مین ان کے ساتھ زیادہ لطف کا اظہار کیا، اور ان کو زیادہ انعام اور زیادہ بہتر کپڑے دیئے" (ص ۶۸)

لیکن پانچ سال کے بعد ان ارباب کمال کی بزم درہم برہم ہو گئی، پہلے کہا جا چکا ہے کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۷۰۲

شہزادہ محمد سلطان چنگیز خانیون کے خلاف ایک معرکہ مین لڑتا ہوا شہید ہوا، مولانا شبلی شعر العجم (ج ۲ ص ۱۱۱)
مین تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی اس معرکہ مین شریک تھے، چنانچہ تاتاری ان کو
گرفتار کرکے ولخ لے گئے[1] خسرو کی طرح حسن پر بھی شہزادہ کی شہادت کا بڑا گہرا اثر پڑا، اور انھون نے
اپنے غم والم اور کرب واضطراب کا اظہار ایک منثور مرثیہ مین کیا، جو خسرو کے منظوم مرثیہ کی طرح بے حد
مقبول ہوا، ان دونون مراثی کو ہم پہلے نقل کرچکے ہین، شہزادہ کی شہادت کے بعد حسن دہلی آکر گوشہ نشین
ہوگئے اور اپنے مربی اور سرپرست شہزادہ کی یاد مین گھلتے رہے، اور ایک مدت کے بعد شاہی دربار
سے وابستہ ہوئے، جیسا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے سلسلہ مین آیندہ جلد مین ان کا ذکر آئے گا۔

[1] جناب مسعود علی صاحب محوی لکھتے ہین کہ ہمیں ابتک کوئی ایسا مواد نہیں ملا جس کی بنا پر یہ کہہ سکیں کہ امیر حسن بھی
قطعاً شریک معرکہ اور گرفتاری اور قید میں امیر خسرو کے ساتھ تھے، ہمارے مکرم استاد مولانا شبلی مرحوم نے حیات خسرو
میں ایک فقرہ تحریر فرمایا ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حسن کو بھی تاتاری گرفتار کرکے بلخ لے گئے تھے......
اگر مولانا مرحوم کا مقصد دونون حضرات کی گرفتاری سے ہے تو غالباً مولانائے موصوف نے کسی سند کی بنیاد پر ایسا
تحریر فرمایا ہوگا، جس سے ہم ناواقف ہین،

معزالدین کیقباد

سنہ ۶۸۶ ھجری - سنہ ۶۸۹ ھجری
۱۲۸۷ء ۱۲۹۰ء

غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد سنہ ۶۸۶ ہجری میں دہلی کے تخت پر اس کے لڑکے نصیر الدین محمود بغرا خان کے بجائے اس کا پوتا یعنی بغرا خان کا لڑکا کیقباد بیٹھا، بغرا خان لکھنوتی میں خود مختار، آزاد حکمران بنا رہا، تخت نشینی کے وقت کیقباد کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی، اس نے اپنا لقب معزالدین اختیار کیا، شاہانہ حسن و جمال کے علاوہ شروع میں پاکیزہ عادت و اخلاق کا بھی حامل تھا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے،

"سلطان معزالدین بادشاہزادہ صاحب مکارم اخلاق بود و طبع نظم و خلقے پاکیزہ و جمالے وافر داشت" (ص ۱۲۷)

جب تک بلبن کے زیر سایہ رہا اس کو لہو ولعب سے باز رکھا گیا، حسین عورت اور شیشہ و پیمانہ پر اس کی نظر پڑنے نہ دی گئی، اس کے اتالیق اس کو شایستہ اور مہذب بنانے میں برابر مشغول رہے، اسکے اٹھنے بیٹھنے رہنے سہنے اور بولتے چالنے میں پورے آداب شاہی کا خیال رکھا گیا، شہزادہ کے لیے جو ضروری تعلیم ہونی چاہیے وہ سب اس کو دی گئی، فوجی تعلیم میں اس نے تیر مارنا، چوگان کھیلنا اور نیزہ چلانا خاص طور پر سیکھا، اس حربی تعلیم کے علاوہ اساتذہ اس کو علم و ادب پڑھانے اور خطاطی سکھانے کے لیے برابر مامور رہے، اس کو شعر و شاعری کا ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا[1]، لیکن مکتب سے

[1] برنی ص ۱۲۷، فرشتہ ج ۱ ص ۸۴،

اٹھا کہ یکایک اس کو ایک عظیم الشان سلطنت کے تخت پر لا کر بٹھا دیا گیا، تو اس کا رنگ بالکل ہی بدل گیا، وہ شیشہ و ساغر، شاہد و ساقی اور طرب و نشاط میں ایسا مبتلا ہوا کہ بلبنی دربار کا سارا رعب و دبدبہ، اور جلال و وقار جاتا رہا، اس کمسنی میں وہ حکمرانی کیا کر سکتا تھا، اس کی رنگینیوں اور سرمستیوں کا سارا سامان فراہم کر کے ملک نظام الدین باربک سلطنت کا گویا مختار کل بن بیٹھا، بغرا خان کو بیٹے کی بے راہ روی کی خبریں موصول ہوئیں تو اس کو بڑا دکھ ہوا، پہلے تو اس کو شفقت آمیز خطوط لکھکر غفلت سے بیدار کرنا چاہا لیکن وہ بے غل و غش عیش کرنا چاہتا تھا، اس لیے باپ کے پند و نصائح کا خیال مطلق نہیں کیا،

باپ نے جب صورت حال زیادہ بگڑتے دیکھی تو بیٹے کو راہ راست پر لانے کی خاطر ایک لشکر لے کر لکھنوتی سے اودھ کی طرف چلا، اس کا مقصد لشکر کشی نہ تھا، لیکن ملک نظام الدین چوکنا ہوا، اور وہ بھی کیقباد کے جلو میں ایک بڑی فوج کے ساتھ دہلی سے اودھ کی سمت بڑھا، اس فوج کا پہلا پڑاؤ دہلی کے قریب قصبہ سیری میں ہوا، لشکر کے میمنہ یعنی داہنی بازو نے تلپٹ میں خیمے ڈالے جو دہلی سے پانچ چھ کوس پر اس وقت ایک مشہور پرگنہ تھا، اور اب متھرا جانے والی سڑک پر محض ایک گاؤں ہے، لشکر کے میسرہ یعنی بائیں بازو کا کیمپ اندپٹ میں نصب کیا گیا، یہ نواح دہلی میں ایک قصبہ تھا، جہاں بعد میں فیروز شاہ تغلق نے اپنا شاہی محل بنایا، لشکر کا قلب جس میں زیادہ تر ہاتھی تھے، اندپٹ اور تلپٹ کے درمیان مقیم ہوا، کیقباد با دل ناخواستہ اپنے عشرت کدہ سے نکل کر فوج کے ساتھ چلا، اور پہلی منزل تلپٹ اور افغان پور کے حدود میں کی، افغان پور اس مقام سے جو بعد میں تغلق آباد کہلایا تین کوس مشرق کی طرف واقع تھا، یہاں دو روز ٹھہر کر لشکر آگے بڑھا، اور دریائے جمنا کو پار کر کے ہیدرپنچا، ہو، ضلع بلند شہر کے مضافات کا ایک قصبہ ہے،

اہ یہ تفصیل ہم قران السعدین سے اخذ کر کے لکھ رہے ہیں تاکہ آیندہ اس مثنوی کو سمجھنے میں ناظرین کو آسانی ہو۔

ملک نظام الدین باربک یہاں سے ہراول لشکر لے کر آگے بڑھ گیا، اور گنگا عبور کرکے دریائے سرجو کے قریب جا پہنچا، اور یہیں کٹرہ اور اودھ کے اقطاع دار اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس سے آکر ملے، دریا کی دوسری جانب بغرا خان کی فوج تھی، اس نے نظام الدین باربک کا لشکر دیکھا تو اس کو غصہ اور اشتعال پیدا ہوا، لیکن صبر سے کام لے کر اپنے دبیر شمس الدین کو اس کے پاس اس پیام کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہے، تو وہ نمک حرامی کا ثبوت دینا چاہتا ہے، نظام الدین باربک نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے لیکن حضور کو دور سے بھی دیکھوں گا تو از راہ تعظیم ہٹ جاؤں گا، یہ جواب سن کر بغرا خان کو کچھ اطمینان ہوا، اسی اثنا میں کیقباد بھی نظام الدین باربک کے پاس اودھ آپہونچا، اور اس کا خیمہ گھاگرہ اور سرجو ندی کے بیچ میں لگایا گیا، بغرا خان نے کیقباد کو سرجو کے کنارے سیر و تفریح کرتے دیکھا تو غایت محبت پدرانہ میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور ایک کشتی میں اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کی طرف سے بیٹے کو شوق ملاقات کا پیام دے، اور جب کشتی سرجو ندی کے بیچ میں پہنچی تو اس کو ہدف تیر بنا کر ڈبو دیا گیا، حاجب بمشکل تمام اپنی جان بچا کر بغرا خان کے پاس واپس آیا، کیقباد کے ہمراہی باپ بیٹے کی ملاقات پسند نہ کرتے تھے، اسی لیے یہ کشتی راستے میں غرقاب کر دی گئی، اس واقعہ سے بغرا خان کو بڑا دکھ ہوا لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، دوسرے دن پھر ایک پیامبر کو اس کے پاس بھیجا اور باپ بیٹے کے پاس کئی بار پیامبروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر دونوں میں ملاقات طے پائی، بغرا خان نے پہلے اپنے چھوٹے لڑکے کیکاؤس کو نادر تحفے، اسلحہ اور ہاتھی دے کر کیقباد کے پاس بھیجا، جس نے اس کی خاطر و مدارات میں جشن منایا، پھر اس نے اپنے لڑکے کیومرث کو تحفے دے دلا کر باپ کی خدمت میں روانہ کیا، دادا نے پوتے کی بڑی آؤبھگت کی، اور جب پوتا واپس جانے لگا تو دادا

نے اس کو بھی بہت سے تحائف دیے، دوسرے دن بغرا خان خود اپنے بیٹے کے یہان گیا، کیقباد نے باپ کی آمد مین اپنا دربار پورے تزک و احتشام سے آراستہ کیا، اور جب دونون ایک دوسرے سے ملے تو بغل گیر ہو کر دیر تک زار و قطار روتے رہے، اور جب دونون کے آنسو رکے تو باپ نے بیٹے کو اصرار کر کے تخت پر بٹھایا، اور دربار کی رسم کے مطابق خود دست بستہ تخت کے سامنے کھڑا ہوا، لیکن کیقباد تخت سے فوراً ہی اتر آیا، پھر امرا نے دونون بادشاہون پر لعل و گہر نچھاور کیے، اس کے بعد دربار ختم کر دیا گیا، اس رسمی اور درباری ملاقات کے بعد نجی ملاقاتین شروع ہوئین، جن مین دونون طرف سے تحفے بھیجے گئے، بیٹے نے باپ کی ایک دعوت بہت دھوم دھام سے کی جس مین رقص و سرود کا جشن بھی منایا گیا، اس موقع پر باپ نے ایک تاج، ایک تخت اور ایک ہاتھی بیٹے کو عطا کیا، اور بیٹے سے فرمایش کر کے بلبن کی یادگارون مین سے چتر سپید اور کلاہ سیاہ اپنے لیے لی، ایک اور رات پھر دونون مین ملاقات ہوئی جس مین باپ نے بیٹے کو اور وکو بہت سی نصیحتین کین، وداعی ملاقات کے موقع پر بھی باپ نے کچھ رموز حکمرانی بتائے، اور جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو دونون کی آنکھون سے آنسو جاری تھے، اور کیقباد کی نظرون سے ناصر الدین بغرا خان اوجھل ہو گیا تو وہ دھاڑین مار مار کر رونے لگا، بغرا خان نے لکھنوتی کی طرف رخ کیا، اور کیقباد نے دہلی کی طرف مراجعت کی، اور جب وہ دہلی پہنچا تو کئی دن تک شاہانہ جشن ہوتا رہا، اور دہلی پہنچنے کے چھ مہینے بعد اس نے خسرو کو بلا کر اس تاریخی ملاقات کو منظوم کرنے کی فرمایش کی،

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد خسرو دہلی اور پٹیالی مین آکر گوشہ نشین ہو گئے تھے، سلطان معز الدین کیقباد جب تخت نشین ہوا تو اس موقع پر انھون نے اس کی مدح مین ایک ترجیع کہا جس مین سات بند ہین، اس کا آخری بند یہ ہے،

بادا جہان ہمیشہ بکام تو شہریار | شاہان روزگار غلام تو شہریار
محمود چون بدی شدی اندر پناہ ملک | محمود از تو باد مقام تو شہریار
ہموارہ بام فضل تو از نہ فلک یکے | بانہ فلک یکے شدہ نام تو شہریار
آن ابلقِ زمانہ کہ کس ندہدش نشان | بربستۂ دوال ستام تو شہریار
تا صیت دولت تو برد شرق را بغرب | باد صبا اسیر بکام تو شہریار
تا ہر زمان نشستہ چہ خوش بامراد وکام | ہر دم مئے مراد بکام تو شہریار
از ہفت شیشۂ فلکی دور تو مدام | و آفاق مست دور مدام تو شہریار
خسرو ز جام جود تو سیراب کے کہ ہست | امید وار جرعۂ جام تو شہریار
بادا ہمیشہ سکۂ تو چون درم درست | بر روے سکہ خطبہ بنام تو شہریار
سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاہ | یک دیدہ و دو مردمک چار بادشاہ

چار بادشاہ سے مراد یہاں پر غیاث الدین بلبن، ناصر الدین محمود (داماد بلبن) سلطان التمش (ناصر الدین محمود کا باپ) اور قطب ایبک (خسر التمش) ہے، کیقباد ان ہی کا جانشین تھا، تخت نشینی کے بعد خسرو کو اپنے دربار کی ملازمت کے لیے طلب کیا، لیکن نظام الدین باربک کا دل ان سے صاف نہ تھا، اس لیے معزی دربار سے منسلک ہونا پسند نہین کیا، اور حاتم خان خان جہان کی منادمت اختیار کر لی جس نے ان کو لطف و کرم اور مال و دولت ہر طرح سے نوازا، وہ اس کے ساتھ اودھ مین دو سال رہے، اور جب کیقباد اپنے باپ سے اودھ مین ملا ہے تو اس وقت اپنے آقا کے ساتھ خسرو بھی موجود تھے، اور جس طرح باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر مسرور ہوئے، اسی طرح خسرو اپنے پرانے مربی اور دوست شمس دبیر اور قاضی اثیر سے مل کر بے انتہا خوش ہوئے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، بغرا خان اور کیقباد کی

جب دوسری ملاقات ہوئی تو شعرا نے اپنے اپنے قصیدے سنائے، خسرو نے بھی اپنا قصیدہ سنایا جس کے کچھ اشعار یہ ہین:

زہے! ملک خوش چون دو سلطان یکے شد	زہے! عہد خوش چون دو پیمان یکے شد
دو چتر از دو سو سر بر آورد از در	زمین ز ان دو ابر ڈر افشان یکے شد
پسر بادشاہ و پدر نیز سلطان	کنون ملک ہین چون دو سلطان یکے شد
ز ہر جہان داری و بادشاہی	جہان را دو شاہ جہانبان یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطان	کہ فرمانش در چار ارکان یکے شد
دگر شہ معز جہان کیقباد ے	کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد
بدیو و پری گوے اے باد اینک	دو وارث بملک سلیمان یکے شد[1]

کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو حاتم خان خان جہان کو اودھ کا اقطاع عطا کیا، خسرو بھی اپنے آقا کے ساتھ اودھ ہی مین ٹھہر گئے، لیکن کیقباد کے جانے کے چھ مہینے بعد ان کو وطن خصوصاً ماں کی یاد ستانے لگی، چنانچہ وہ خان جہان سے اجازت لے کر دہلی پہنچے، اور ماں سے مل کر آنکھوں سے محبت کے دریا بہائے، ان کا دہلی پہنچنا تھا کہ دوسرے روز کیقباد نے ان کو اپنے حاجب کے ذریعہ دربار مین طلب کیا، اور جب اس کے حضور مین حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ خوش الحانی سے سنایا، جس کے کچھ اشعار یہ ہین،

منت ایزد کہ شہ بر تخت سلطانی نشست	در دماغ سلطنت باد سلیمانی نشست
نہ معز الدین و الدنیا کہ از دیوان غیب	تا مہ او بر نامۂ دولت بہ عنوانی نشست

[1] وسط الحیٰوۃ علی گڈھ اڈیشن ص ۱۴۳۔ مقدمہ مثنوی قران السعدین نوشتہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم میرٹھی، ص ۴۹
نیز دیکھو شعر العجم حصہ دوم ص ۱۱۷، منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۶۰

کیقباد آن گوہر تاج کیان کز زخمِ تیغ — باج از ایران بستد و بر تخت تورانی نشست

بخت راہمود کاین پیشانی دولت کراست؟ — تاج زرینش کہ بر بالائے پیشانی نشست

قصۂ دریا مگر بر گوہر والائے خویش — تا بگستاخی چرا بر تاج سلطانی نشست

بر سرش چون سائبان شد چتر می گفت آسمان — سایہ را دیدی کہ با خورشید نورانی نشست

ابر صد بار آبروئے خویش را بر خاک ریخت — پیش ابر دستِ تو کاندر در افشانی نشست

بر در قصر چو فردوس تو رضوانِ بہشت — شاخ طوبیٰ را عصا کرد و بدربانی نشست

دید قصر شاہ را با برج جوزا ہم کمر — بندہ خسرو چو عطارد در ثنا خوانی نشست

چشم تو بیدار و دولت باد تا از عون بخت — جملہ بیداران بخسپند و تو بیتوانی نشست[1]

خسرو کا خود بیان ہے کہ بادشاہ نے جب یہ قصیدہ سنا تو خلعت اور دو تھیلے دینار مرحمت کیے،

شہ کہ دُر چیدۂ من دیدۂ تر — صرہ بخشید از ندمائے دگر

داد باحسان رہے بدرم — جا گہی خاص و دو بدرہ درم[2]

اس کے بعد بادشاہ نے ان کو اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور ان کا روزینہ بھی مقرر کر دیا پھر اس نے ان کی سخن وری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم میری اور میرے والد کی ملاقات کا حال اس سحر بیانی سے نقل کر دو کہ جب میں والد کو یاد کر کے پریشان ہو جاؤں تو وہ نظم پڑھ کر اپنے کو تسلی دے لوں۔

---

[1] یہ قصیدہ غرۃ الکمال میں درج ہے جسمیں تقریباً ۲۳ اشعار ہیں، اسکے شروع میں لکھا ہے کہ "این مدح کیقباد کہ از نام او نہاد – فرزانش بر جبیں کیان داغ امتثال" جناب سید ماہروی اور مولانا اسمٰعیل میرٹھی دونوں کا خیال ہے کہ قصیدہ اس وقت پیش کیا گیا جب کیقباد نے خسرو کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ [2] قران السعدین ص ۲۲۳

گفت چناں بایدم اے سحر سنج | کز پے من روے نہ پیچی ز رنج
جسم سخن را بہ ہنر جان دہی | شرح ملاقاتِ دو سلطان دہی
نظم کنی جملہ بہ سحر زبان | قصۂ من با پدر مہربان
تا اگرم ہجر در آرد زپائے | آیدم از خواندن اں دل بجائے

اور ابھی خسرو نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ بادشاہ نے خازن دولت کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے جاکر اشرفیاں اور خلعت شاہانہ عطا کرے،

این سخنم گفت و بگنجور جود | از نظر لطف اشارت نمود
برد مرا خازن دولت چو باد | مہر زر و خلعتِ شاہیم داد

خسرو اپنی آیندہ خدمت کا پیشگی صلہ پاکر بے حد متاثر ہوئے، اور گھر آکر اس خدمت کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف ہوگئے،

ان کی عمر اس وقت ۳۶ سال کی تھی، تحفۃ الصغر اور وسط الحیٰوۃ میں اساتذہ کے رنگ میں قصیدے اور غزلیں کہہ کر اپنا کمال دکھاچکے تھے، چھوٹی چھوٹی مثنویاں بھی کہی تھیں، لیکن اب تک کوئی طویل مثنوی لکھ کر اپنی جودتِ طبع کا اظہار نہیں کیا تھا، نظامی گنجوی کی مثنوی نگاری کو پسند تو کرتے تھے لیکن اس سے مرعوب تھے، اس لیے اس فن کو ہاتھ لگانا بہت ہی مشکل کام سمجھتے تھے، خود کہتے ہیں:

در ہوس مثنویت در دل ست | حل کنم این بہ تو کہ بس مشکل ست
در روشے کز تو نیاید مرد | گفت بدم مشنو و نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو دُر | وز دُر او سر بسر آفاق پُر
پس چو تو کم مایۂ بسیار لاف | در شمری مہرۂ خویش از گزاف

چیست دران کم کہ بجوئیش باز | تا چہ نہ گفت ست کہ گوئیش باز
پختہ از و شد چو معانی تمام | خام بود پختن سودائے خام
زین دو دخیالی کہ تراگر ترست | جستن آن مایہ خیال گرست
بگذر ازین خانہ کہ جائے تو نیست | وین رہ بارِ یک بپائے تو نیست[1]

پھر بھی کیقباد کی فرمایش پر انھون نے اپنی جدت پسند طبیعت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس فن مین بھی طبع آزمائی کی، چھ مہینے خون جگر پی پی کر تین ہزار نوسو چالیس اشعار[2] کی ایک مثنوی لکھی، اور قران السعدین نام رکھ کر کیقباد کی خدمت مین پیش کی، یہ رمضان المبارک ۶۸۸ھ مین ختم کی گئی تھی،[3]

اس کے خاتمہ کا پہلا حصہ بعد مین اضافہ کیا، اس وقت ان کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی،[4]

اوپر ابھی کہا گیا ہے کہ خسرو کو یہ مثنوی لکھنے مین ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ تھی لیکن جب قران السعدین ختم کی تو فخر و پندار محسوس کرنے لگے، خود لکھتے ہین:

دیدچو ان این مثنوی بیش را | تیر قلم کرد سر خویش را
ہر یک ازین بیت کہ جنت وش است | شد خوشی دل کہ چہ بیت خوش است[5]

اور ان کو اپنی مثنوی نگاری کی کامیابی پر کچھ ایسا سرور حاصل ہوا کہ شاہانہ انعام و اکرام

---

[1] قران السعدین علی گڈھ اڈیشن ص ۲۴-۲۴، [2] ایضاً ص ۲۳۱، علی گڈھ اڈیشن مین ۴۲۵ اشعار کم ہیں،

[3] ایضاً ص ۲۳۱، [4] مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے لکھا ہے کہ اس وقت خسرو کی عمر ۵۰ سال کی ہوگی (مقدمہ قران السعدین ص ۶۸)

ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی، (دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو ص ۶۴)

[5] قران السعدین ص ۲۳۶

سے بے نیاز اور مستغنی ہو گئے، کہتے ہیں کہ

ہر ہمہ دانند کہ چندیں گہر | کش فشانند بدو سہ بدرہ زر
در دہدم گنج فریدون وجم | ہدیۂ یک حرف بود بلکہ کم
کام ازین نامۂ عنوان کشائے | نام بلندست کہ ماند بجائے[1]

یہ فخر و مباہات بے جا نہین، اس مثنوی کو لکھے ہوئے تقریباً سات سو برس گذر گئے، لیکن آج بھی یہ اپنی جدت ذہنی، واقعہ نگاری، سحر بیانی، وصف نگاری، تخیل آفرینی، تمثیل نگاری اور لفظی صنعت گری کے لحاظ سے ادب العالیہ مین شمار کیے جانے کے لائق ہے، یہ ۱۸۸۵ء مین پہلے نولکشور پریس مین چھپی، پھر اس کا ایک عمدہ اڈیشن نظام حیدرآباد دکن کی سرپرستی مین ۱۹۱۸ء مین آرٹ پیپر پر دیدہ زیب طباعت و کتابت کے ساتھ علی گڈھ سے شائع ہوا، اور گو اس کا متن ۲۵۶ صفحے ہی پر مشتمل ہے، لیکن اس پر مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے ۱۶۶ صفحے کا ایک مقدمہ لکھا، جس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجایش نہین تھی، اگر جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کو جناب سید حسن برنی نے ۱۶ صفحے کی تمہید لکھ کر پورا کیا، مولانا اسمٰعیل نے اس مثنوی کو اتنے مختلف زاویون سے مطالعہ کیا ہے کہ ان کے مقدمہ کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ آیندہ نسلون مین خسرو کے کلام کو سمجھنے والا ایسا دیدہ ور اہل قلم پیدا نہ ہو سکے گا، اس مقدمہ اور جناب سید حسن برنی کی تمہید کے بعد اس عاجز راقم کے لیے قران السعدین پر لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہ جاتا، پھر بھی ناظرین کو اگر ذیل کی سطرون میں ایک دو باتین بھی نئی نظر آجائیں تو راقم کو اس کی محنت و کاوش کا صلہ مل جائے گا،

مثنوی کے قصہ کا خلاصہ ہم شروع مین پیش کر چکے ہین، یعنی یہی کہ ناصر الدین بغرا خان اپنے

[1] قران السعدین ص ۲۳۹

لڑکے کیقباد کی بے راہ روی اور رندی کی خبریں سن کر اس کو راہ راست پر لانے کے لیے دارالسلطنت لکھنوتی سے ایک لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا، کیقباد سمجھا کہ باپ کی طرف سے یہ فوج کشی ہے، اس لیے وہ بھی اپنا لشکر لے کر دہلی سے چلا، باپ بیٹے کی ملاقات اودھ میں ہوئی اور پھر دونوں ایک دوسرے سے مل کر اپنے اپنے دار السلطنت کو لوٹ گئے، خسرو کو اسی غیر دلچسپ اور خشک واقعہ کو مثنوی میں منظوم کرنا تھا، ان کے سامنے گوناگون مشکلات تھیں، طویل مثنوی لکھنے میں مہارت نہ تھی، پھر قصہ کے پلاٹ میں کوئی دلآویزی اور رومانیت نہ تھی، ایک تاریخی واقعہ کی کثافت و خشکی کو لطافت و رنگینی میں اس طرح تبدیل کرنا تھا کہ ایک سرمست اور رند مشرب بادشاہ بھی خوش ہو اور خود ان کی شاعرانہ عظمت بھی دوبالا ہو، بالآخر اپنی طباعی اور سحر کاری سے ساری مشکلوں پر قابو پا لیا، اور جب ان کا قلم اعجاز رقم چل کر رکا تو یہ عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی مثنوی نہ صرف عیش پرست اور رنگیلے بادشاہ کو پسند آئی، بلکہ ایک اہم تاریخی لٹریچر بھی بن گئی اور فن و ادب کے جلوۂ صد رنگ سے بھی اس طرح معمور ہو گئی کہ ہر دور میں ارباب نظر اس کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے رہے ہیں، ذیل کی سطروں میں ہم پہلے اس کی تاریخی پھر ادبی حیثیت کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے،

مثنوی کی تاریخی حیثیت مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ قرآن السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتیں تمام ملحوظ رکھی گئی ہیں، اس طرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھکر ان باتوں کو نہ لکھتا (شعر العجم حصہ دوم ص ۱۵۷) اور اسی خصوصیت کی بنا پر مورخوں نے کیقباد کے عہد کے ذکر میں اس مثنوی کو ایک مستند ماخذ قرار دیا ہے، بلکہ بعض لحاظ سے یہ اس عہد کا تنہا معاصر ماخذ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں کیقباد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے لیکن وہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچے تھے، بلکہ وہ عہد ان کے بچپن کا تھا، انھوں نے ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی ملاقاتوں کی تفصیل قران السعدین ہی کو سامنے رکھ کر کی ہے،

البتہ ناصر الدین بغرا کی روانگی کے بعد کیقباد کی رندی اور سرمستی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ شاید خود ان کے شاعرانہ ذوق کا نتیجہ ہے، شاید قران السعدین ہی سے متاثر ہوکر کیقباد کی بوالہوسی اور عشرت پرستی کی مصوری ایسے انشاء پردازانہ انداز مین کی ہے کہ اس پر خود ان کو ناز ہوگیا، اور اس کو اپنی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کا نام قبۃ التواریخ رکھا، (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۶۵)۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی قران السعدین سے استفادہ کیا ہے، اور اپنی تاریخ مین اس کا حوالہ دیا ہے[۱]، فرشتہ نے تو اپنی تاریخ مین باپ بیٹے کی ملاقات کے ذکر مین جابجا قران السعدین کے بہت سے اشعار بھی نقل کردیے ہین[۲]، موجودہ دور کے مورخون مین سر ہنری الیٹ نے اپنی مشہور و معروف تالیف ہسٹری آف انڈیا مین اور مستند تاریخون کی طرح اس مثنوی کے بھی اقتباسات نوٹس صفحون مین دیے ہین[۳]، پروفیسر کوول نے ۱۸۶۰ء کے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مین اس مثنوی پر ایک مضمون لکھا تھا جس مین ان کا یہ بیان ہے کہ اس مثنوی مین تاریخی واقعات صحت کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین[۴]، کسی اور زبان

---

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۶۰ [۲] فرشتہ ص ۸۶-۸۵ [۳] الیٹ جلد ۳ ص ۵۳۴-۵۲۴ [۴] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۶۰ء ص ۲۸-۲۲۷، اس مضمون کے آخر مین پروفیسر مذکور نے اپنے کچھ غصہ کا بھی اظہار کیا ہے، ان کو شکایت ہے کہ کیقباد کے بدطینت اور مکار وزیر نظام الدین کے متعلق خسرو نے اتنا کچھ نہیں لکھا ہے جتنا کہ انکو لکھنا چاہیے تھا، اور اسکو انکی اخلاقی بزدلی پر محمول کیا ہے، خسرو کو خود نظام الدین سے بہت سی شکایتیں تھین، لیکن یہ انکی اخلاقی شرافت کی دلیل ہے کہ اس وزیر کو اپنے قلم سے مجروح نہیں کیا، پھر ایک عیش و عشرت مین ڈوبی ہوئی مثنوی مین وہ اگر اپنے تکدر اور غصہ کا اظہار کرتے تو اسکی رنگینی اور دلآویزی مین فرق آجاتا، پروفیسر مذکور کو یہ بھی شکایت ہے کہ اس مثنوی مین بہت سی ایسی چیزون کی کمی ہے جس سے یہ واقعۃً ایک اچھی مثنوی نہین کہلائی جاسکتی ہے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خسرو صنعت پسند اور تخئیل پسند بننے کی کوشش مین نظری باتین بہت نظر انداز کرگئے ہین، یہ اعتراض کہ قران السعدین اچھی مثنوی نہین کہلائی جاسکتی ہے، بالکل قابل قبول نہیں، جیسا کہ ہمارے مباحث

(باقی ص ۳۳۵ پر)

کی تاریخی نظموں مین واقعات کی صحیح ترتیب کی ایسی مثال کم ملے گی ...... اس مین رزمیہ اور بزمیہ دونون قسم کے اشعار کا دلچسپ امتزاج ہے "

مورخون نے اس مثنوی کے صرف اسی حصہ کو زیادہ اہمیت دی ہے جس سے باپ بیٹے کی ملاقات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، لیکن اس سے اور بھی بہت سی اثری، تمدنی اور عمرانی باتین معلوم ہوتی ہین، مثلاً اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہر دہلی اس وقت تین حصار سے گھرا ہوا تھا، دو پرانے حصار تھے اور ایک نیا، نئے حصار سے غالباً کیلوکھری مراد تھا،[1] یہ شہر اپنی خصوصیات کی وجہ سے قبۂ اسلام کہلاتا تھا، یہان بڑے بڑے بزرگ تھے، ہر گھر اپنی زینت و آرایش کے لحاظ سے گوشۂ بہشت کا نمونہ تھا، اس کی صنعت کاریون مین بکثرت روپے لگائے تھے،[2] پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر پہاڑی پر واقع تھا، اس کے اردگرد دو دو میل تک باغ تھے، جن کی آب یاری دریائے جمنا سے ہوتی تھی، یہان سردی اور گرمی دونون زیادہ پڑتی تھی، پھول سال کے ہر موسم مین نظر آتے تھے، پھولون سے چمن چاندی اور سونے کی طرح جگمگاتا رہتا تھا، روئے زمین پر سبزوں کی لہلہاہٹ سے سواد بہشت کا لطف آتا تھا، ہند و خراسان کے میوون سے بازار بھرا رہتا تھا، عام طور سے لوگ فرشتہ خصلت ہونے کے علاوہ صنعت، علم، ادب اور آہنگ و ساز سے دلچسپی رکھتے تھے، نیزہ، پیکان اور تیر کے فن کے بھی واقف کار تھے،[3]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) سے اندازہ ہوگا کہ پروفیسر مذکور نے شروع مین تو اس مثنوی کی بہت تعریف کی ہے، لیکن آخر مین کچھ متضاد باتین لکھ دی ہیں، شاید ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ ایک مشرقی شاعر کے محاسن کو اپنے ناظرین کے سامنے اچھالنے کے بجائے زائل ہی کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

[1] تمہید قران السعدین از جناب سید حسن برنی صاحب ص ۴۱ [2] قران السعدین ص ۲۹ [3] ایضاً ص ۳۱

دہلی مین اس وقت تین چیزین خاص طور پر نمایان تھین، مسجد جامع، منارہ اور حوض سلطانی، مسجد مین نو گنبد تھے، اس کے سامنے دروں کا سلسلہ مسقف نہ تھا، منارہ کے اوپر ایک قبہ تھا جس کا بالائی حصہ سونے کا تھا[1]، حوض شمسی دو پہاڑون کے درمیان واقع تھا، اس کا پانی ایسا صاف اور شفاف تھا کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ کی ریگ دکھائی دیتی تھی، پہاڑی زمین ہونے کے باعث اس کا پانی اندر جذب نہین ہوتا تھا، اس کی موجین دامن کوہ سے ٹکراتی تھین، شہر کے تمام لوگ اسی کا پانی پیتے تھے۔ دریاے جمنا سے اس حوض تک بہت سی نہرین نکالی گئی تھیں اس کے بیچ مین ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی، حوض کے مرغ و ماہی کی وجہ سے بڑا دلکش منظر رہتا تھا، اسی لیے یہان شہر کے لوگ تفریح کے لیے آتے اور دامن کوہ مین خیمہ زن ہوتے تھے[2]،

جمنا کے کنارے کیلوکھری مین شاہی محل واقع تھا، جو آراستہ و پیراستہ ہونے کی وجہ سے بہشت معلوم ہوتا تھا، اس کا عکس دریا مین پڑتا تھا، نیچے کا حصہ اینٹون سے بنا ہوا تھا جس پر آئینہ کی طرح صاف و شفاف چونے کا گچ تھا، اوپر کے حصہ مین سنگ سفید لگا ہوا تھا، اس کے ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف باغ تھا جس کے درختون کی شاخین محل کے اندر آکر لٹکتی رہتی تھین[3]،

موسم بہار مین باغون پر جو ایک عالم طاری رہتا تھا، خسرو نے اس کی بھی مصوری کی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین سرو، شمشاد، سنبل، چنار، بید، گربہ بید کے علاوہ حسب ذیل پھولون سے چمن آرائی ہوئی تھی،

سوسن، سمن، بنفشہ کبود، نرگس، لالہ، گل سرخ، ریحان، گل کوزہ، گل یالا، گل زردیق، گل لعل، گل سفید، سپرغم، صدبرگ، نسترن، یاسمین، دوانہ، کرنہ، نیلوفر، دھاک، ڈہلاس، چمپا، جوہی

---

[1] قران السعدین ص ۳۳ [2] تمہید ص ۴ [3] ایضاً ص ۳۳-۳۲

کیوڑہ، سیوتی، گلاب، بیلا، مولسری وغیرہ[۱]،

کیقباد نے محل میں جس طرح جشن نوروزی منایا تھا، اس سے شاہی دربار کے تمدن کا اندازہ ہوتا ہے، اس موقع پر محل میں ہر قسم کی زینت و آرایش کی گئی، اس کے کنگرے بھی سجائے گئے، محل کی نو محرابوں میں زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے، جشن گاہ میں پانچ "چتر" تھے، ایک سیاہ، دوسرا سپید، تیسرا سرخ، چوتھا سبز اور پانچواں پھولوں کا تھا، سیاہ چتر پر غیر معمولی نقش و نگار بنے تھے، اس میں جا بجا موتی اس طرح لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے، جیسے سیاہ ابر میں بوندیں پڑ رہی ہوں، سفید چتر مدور تھا، اس کی چھت دروازے اور ستون سنہرے تھے، اور یہ بھی موتیوں سے جگمگا رہا تھا، سرخ چتر میں موتیوں کے علاوہ یاقوت بھی تھے، سبز چتر میں سبز اطلس لگائی گئی تھی، اس پر موتیوں سے ایک سبز سایہ دار اور بار آور درخت بنایا گیا تھا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمردیں بنا رہا ہے، پھولوں کا چتر چمن کی طرح کھلا ہوا تھا، دریا کے دائیں بائیں سیاہ اور سرخ شاہی پرچم لہرائے گئے تھے، دونوں طرف دو ہزار گھوڑوں کی صفیں کھڑی کی گئی تھیں، گھوڑے جڑاؤ زیور پہنے تھے، دائیں طرف گھوڑوں پر سیاہ جھولیں پڑی تھیں، بائیں طرف کے گھوڑوں کی جھولیں سرخ تھیں، ان کے پیچھے ہاتھیوں کی صف تھی، ہاتھی اس طرح کھڑے تھے کہ گویا لوہے کے قلعہ پر پاکھر پڑی ہے، پھر دریا کے بیچ میں زر و جواہر سے ایک مصنوعی چمن بھی بنایا گیا تھا، مصنوعی درختوں کی شاخ میں پھل اس طرح لٹک رہے تھے، جیسے وہ ابھی ٹپک پڑیں گے، ان میں چڑیاں ایسی دکھائی دیتی تھیں کہ گویا ابھی ابھی اڑنا چاہتی ہیں، بہت سے درخت موم کے بھی بنائے گئے تھے، پھر ایسے دل فریب گلدستے بھی تیار کیے گئے تھے کہ سبزہ

---

[۱] قران السعدین ص ۶۷، ۶۸، ۶۱، ۵۸، ۵۵ و ۵۶ اور ان کے نام قران السعدین میں تو نہیں ہیں، لیکن مثنوی دول رانی خضر خان میں ہیں۔

لالہ، ریحان اور بید کا ایک چمن نظر آتا تھا، اس کے علاوہ زری کے کام سے بھی دربار کو جنت بنایا گیا تھا، اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیواروں پر لٹکے تھے، اس طرح کہ دیوار کے پتھر بھی یاقوتی رنگ کے معلوم ہو رہے تھے، فرش میں بھی موتی اور سونے کا کام تھا، غرضیکہ پورا محل سونے سے ایسا آراستہ کر دیا گیا تھا کہ فردوس بریں کا دھوکا ہوتا تھا، اور جب جشن منانے کے لیے بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو چاؤش نے نعرے لگائے، سہم الحشم یعنی بادشاہ کے محافظ دستے ادھر ادھر جنبش کرنے لگے، شحنۂ بارگاہ نے صفیں سیدھی کیں، کچھ دستے تلواریں لیے دائیں بائیں متعین ہو گئے، بادشاہ سونے کے تخت پر آ کر بیٹھا، تو اس کا تاج جگمگانے لگا، اس کی قبا میں سونے کی بہت سی صنعتیں دکھائی گئی تھیں، اس کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح ٹکے ہوئے تھے کہ پٹکے کی چمک کمر تک اور قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک تھی، اس کی آمد پر دربار کی زمین اور فضا نافۂ چینی سے معطر کر دی گئی، اور جب وہ تخت پر جلوہ افروز ہو گیا تو نذریں پیش ہونے لگیں، سب کا حساب لکھا جاتا اور حاجب پکار پکار کر تفصیل بیان کرتا جاتا تھا،[1]

کیقباد نے باپ کی ملاقات کے موقع پر ایک بڑی شاندار دعوت دی، جس کو خسرو نے بہت لطف و لذت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے اس زمانہ کے شاہی دسترخوان کے کھانوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، خسرو رقم طراز ہیں کہ دسترخوان پر ایک ہزار سے زیادہ قسموں کی نعمتیں تھیں، شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے گئے تھے، منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شربت گلاب بھی تھا، انواع واقسام کے حلوے بھی تھے، نان تنک، نان تنوری، کاک کے علاوہ سنبوسے بھی تھے، پلاؤ کی بھی کئی قسمیں تھیں جن میں سے ایک میں خرمے اور انگور پڑے تھے، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے

---

[1] خسرو نے جشن کی جو ترتیب لکھی ہے اس میں راقم نے اپنی سہولت کے مطابق تقدیم و تاخیر کر دی ہے، کسی شعر کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ تمام اشعار کو سامنے رکھ کر ان کا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے، دیکھو ص ۵۸ - ۳،

گوشت کی مختلف شکلیں تھیں، پرندوں میں بٹیر، تیتر، تیہو اور چرز وغیرہ کے بھی گوشت تھے، آخر میں پان بھی تقسیم کیے گئے، جس کی تعریف میں خسرو نے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے[1]

باپ بیٹے میں تحفے وہدایا کا جو تبادلہ ہوا، ان میں خاص خاص چیزیں یہ تھیں، عود، قرنفل، مشک ختن، عنبر، کافور، صندل خالص، زر و جواہرات، موتی، یاقوت، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، تیغ، شمشیر، تیر، کمان، تاتاری و خطائی غلام، حریر، پرنیان اور زربفت کے لباس وغیرہ، ان میں بعض ہندوستانی کپڑے اتنے باریک تھے کہ پہننے پر جسم نظر آتا تھا، اور بعض کپڑے ایسے بھی تھے جنکو لپیٹو تو انگلیوں کے ناخن میں آجائیں، اور کھولو تو بہت بڑا تھان ہو جائے،

جامۂ ہندی کہ نداند نام | گر تنگی تن بنماید تمام
مانده به پیچیده بناخن نہان | باز کشایش بپوشد جہان[2]

پوری مثنوی بقول جناب سید حسن صاحب برنی عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی اور سراپا مرقع عیش ہے، لیکن اس سے اس زمانہ کے تمدنی حالات اس قدر معلوم ہوتے ہیں کہ اس عہد کی تہذیب و ثقافت کا بھی یہ مرقع ہے،

اس مثنوی کو ختم کرنے کے بعد رند مشرب کیقباد سے تکدر پیدا ہونے کے بجائے اس سے ایک خاص قسم کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ خسرو کے سحر انگیز بیان کا اثر ہو، لیکن مولانا ضیاء الدین برنی نے کیقباد کی رندی اور بوالہوسی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بھی انشاء پردازی کا ایک اچھا نمونہ ہے، مگر اس سے کیقباد سے رغبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ صریحاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ مولانا ضیاء الدین برنی نے خود اس کے مجموعی اوصاف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] قران السعدین ص ۸۶ - ۱۸۳ [2] ایضاً ص ۱۳۲

"سلطان معزالدین بادشاہے خوش طبع، صاحب مکارم وسہل گیر وآسان گذار بود
وقہر سطوت پادشاہی انقیاد آرندہ متمردان وقوت ناکسان است در طبیعت او نبود.
ودر پادشاہی خود ہمہ آسان وسہل گیر را کار فرمود ونخواست کہ مورچہ از وی آزردہ شود......"[1]

قران السعدین کا ادبی جائزہ

یہ مثنوی بحر سریع مین لکھی گئی ہے، یعنی اس کی بحر وہی ہے جس مین نظامی گنجوی نے اپنی مشہور ومعروف مثنوی مخزن الاسرار لکھی ہے، لیکن خسرو کی ایجاد پسند طبیعت نے اس مین اتنی مختلف قسم کی نئی باتین پیدا کر دی ہین کہ یہ اپنے رنگ کی ایک خاص مثنوی ہوگئی ہے، اور بقول جناب سید حسن برنی "یہ مثنوی فارسی لٹریچر مین اپنا جواب نہین رکھتی، اور اپنے رنگ مین بالکل انوکھی کتاب ہے۔ اس مثنوی کے لیے خسرو کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ تھا، اور ہمارے علم مین خسرو کے بعد اس کا جواب نہین لکھا گیا۔"[2]

پوری کتاب مین غزل اور مثنوی کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ نظم کے اصناف ثلثہ کا پورا لطف حاصل ہوتا ہے، خسرو قصیدہ نگاری اور غزل گوئی مین مہارت حاصل کر چکے تھے، اس لیے مثنوی مین قصیدہ اور غزل کا پیوند لگانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، جہان خشکی پیدا ہونے لگتی ہے وہان موقع سے اس طرح مختلف بحرون کی غزلین آجاتی ہین کہ یہ خشکی رنگینی مین بدل جاتی ہے، مثنوی کی ابتدا قصیدہ کے رنگ کے اشعار سے ہوتی ہے،

شکر گویم کہ بتوفیق خداوند جہان بر سرنامہ ز توحید نوشتم عنوان
نام این نامۂ والاست قران السعدین کز بلندیش بہ سعدین سپہرست قران

پھر عنوان کی سرخی ایک شعر لکھ کر قائم کی گئی، سرخی کے تمام اشعار یکجا لکھ دیے جائین تو مستقل ایک قصیدہ بن جاتا ہے،[3] مثنوی کا آغاز اگر قصیدہ کے اشعار سے کیا گیا ہے تو اس کا خاتمہ

---

[1] برنی ص ۱۹۷ [2] تمہید قران السعدین ص ۰ [3] یہ التزام وسط الحیٰوۃ مین بھی رکھا گیا ہے۔

غزل پر ہوا ہے، اس تنوع سے ایک خاص قسم کی رنگا رنگی پیدا ہو گئی ہے، جناب سید حسن صاحب برنی رقمطراز ہین کہ اس مثنوی مین غزلین موقع بموقع اس طرح لکھی گئی ہین کہ گویا خارجی واقعات کو مجرد جذبات کا جامہ پہنایا گیا ہے، اور ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ جس داستان کے بعد آتی ہین داخلی حیثیت سے پچھلے واقعات کا اعادہ کرتی اور اگلی داستان کی طرف اشارہ کرتی ہین[1]، پروفیسر کوول نے لکھا ہے کہ اس مثنوی مین ان غزلون کی وہی حیثیت ہے جو ٹے نی سن کی نظم "پرنسس" میں اس کے گیتون اور یونانی ڈرامون مین "کورس" کی ہے[2]، مثنوی مین قصیدہ اور غزل کے پیوند لگانے کے سلسلہ مین مولانا اسمٰعیل فرماتے ہین کہ ہمارے نزدیک یہ جدت طرازی نہایت پرلطف و بامزہ ہے، مگر اس کی تقلید یک فنے شاعر کا کام نہین، جو شاعر مثنوی، قصیدہ اور غزل ان سہ اصناف مین ید طولیٰ رکھتا ہو وہی خسرو کی تقلید کر سکتا ہے، علاوہ برین حضرت خسرو کو اس مثنوی کا ممدوح بھی خوش قسمتی سے ایسا ہاتھ لگا ہے کہ ساقی و مغنی و شاہد و بادہ و ساغر کا ذکر محتاج تکلف نہیں، بلکہ اس کی بزم کا ایک معمولی ہنگامہ ہے، انوری کی طرح خسرو کو یہ شکایت ہرگز نہ تھی کہ

نیست معشوقے سزاوار غزل[3]

مثنوی مین قصہ کے علاوہ بظاہر بہت سی غیر متعلق باتین نظر آتی ہین، اور یہ غیر متعلق چیزین وہی ہین جو خسرو نے وصف نگاری کے سلسلہ مین لکھی ہین، اور اس طرح ان کو ۱۵ چیزون کا وصف بیان کرنا پڑا ہے، جس سے قصہ کا تسلسل قائم نہین رہتا ہے، اور اسی کے ساتھ ان اوصاف کا بیان اصل قصہ سے زیادہ بڑھ گیا ہے، اس نقص کا احساس خسرو کو خود ہی تھا، لیکن وہ کہتے ہین کہ قصہ میں کوئی

---

[1] تمہید مثنوی قران السعدین ص ۲۸-۳۰

[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، نمبر ۳ سنہ ۱۸۶۰ء ص ۲۲۸

[3] مقدمہ مثنوی قران السعدین ص ۸۰

جان نہ تھی[1]، اسی لیے ایک پھیکے اور بدمزہ قصے کی بے مائگی کو دور کرنے کے لیے انھون نے مختلف اشیا کا وصف بیان کرنا شروع کیا، لیکن اپنی سحر کاری اور اسلوب بیان کی تازگی سے کچھ ایسا کام لیا کہ یہ نقص ان کی مثنوی کا وصف بن گیا، اور یہ وصف نگاری اتنے متنوع اور گوناگون مضامین پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے ذوق اور جذبات کی تسکین کے لیے اس مین پورا سامان مل جاتا ہے، کہین تاریخی عمارتون کا ذکر ہے تو کہین فصل خزان مین نرگس ولالہ کی بے نوری اور زاغ وزغن کی ہنگامہ خیزی کا بیان ہے، کہیں موسم بہار مین شاخ گل کی شمیم انگیزی اور عندلیب وقمری کی نغمہ سرائی کی مصوری ہے تو کہین نوروز کی نشاط انگیزی اور اس کے جشن کے کیف و انبساط کی نقاشی ہے، کہین تیغ و دورباش اور تیر وکمان کی قلمی تصویرین کھینچی گئی ہین تو کہیں ہاتھی، گھوڑے، کشتی، خربزے، قلم، دوات، کاغذ پر مسلسل نظمین لکھی گئی ہین، کہین بادہ وساغر کی گردش اور جام ومینا کے ذریعہ مدہوشی وسرمستی، چنگ ورباب، دف ونے اور مطرب ومغنیہ کے طرب ونشاط کی نقش آرائی ہے، تو کہیں چتر مرصع، تاج مکلل، اور تخت زرین کی وصف نگاری ہے، کہیں انواع واقسام کے لذیذ کھانون کی تفصیل ہے، تو کہیں مختلف برجون کی بھی سیر کرائی گئی ہے، قران السعدین کی یہی بوقلمونی اور رنگا رنگی اس کو فارسی زبان مین ایک امتیازی درجہ بخشتی ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض بعض چیزون مثلاً کاغذ، قلم، دوات اور خربزہ کا جو وصف بیان

---

[1] خسرو گویا معذرت کرتے ہین (۲۵۴)

چون سخن از لطف نشانے نہ داشت	کالبدش صورت جانے نہ داشت
وصف بر آن گونہ فرو راندہ ام	کز غرض قصہ فرو ماندہ ام
خال تکلف زدمش بر جمال	نغز نماید مگر اندر خیال
عیب چنان نیست کہ بنہفتہ ام	کانچہ بگویند ہمہ گفتہ ام

کیا گیا ہے۔ اس سے موجودہ ذوق کو تسکین نہین ہوتی ہے، بلکہ بقول مولانا شبلیؒ اس مین تکلف اور مضمون آفرینی کا رنگ چڑھ گیا ہے، مگر مجموعی حیثیت سے تمام ارباب کمال نے خسرو کی وصف نگاری کی داد دی ہے، مولانا شبلیؒ فرماتے ہین کہ ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ خاص خاص چیزون پر نظمین نہین لکھی گئیں، مثلاً قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میوون اور پھولون وغیرہ وغیرہ، پر ایسی مسلسل اور لمبی نظمین نہیں ملتین، جن سے ان کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، امیر خسرو نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انھون نے قران السعدین مین اکثر اسی قسم کی نظمین لکھی ہین اور اس کتاب سے ان کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم کرنا تھا[۱]،

مولانا اسمٰعیل میرٹھی رقم طراز ہین کہ خسرو نے اس مثنوی کو وصف نگاری کے ذریعہ سے نگارستان بنا دیا کہ شاہ و گدا سب کے لیے موجب انبساط خاطر ہو[۲]، ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ خسرو نے ایک مشکل کام مین ہاتھ لگایا، اور یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ انھون نے اس کام کو حسن و خوبی سے انجام دیا، ممکن ہے کہ اس مثنوی مین یہان وہان کچھ چیزین بے جوڑ معلوم ہون، کچھ چیزین ایسی بھی نظر آئین جن پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہو، یا غیر ضروری طور پر ان کو نمایان کیا گیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے پوری مثنوی مین ہم آہنگی اور ہمواری ہے جس کو ایک بہت ہی مشاق آرٹسٹ ہی نباہ سکتا تھا[۳]،

اس مثنوی مین نادر تشبیہات و استعارات کی مثالین اتنی کثرت سے ملتی ہین کہ ان کو سمیٹنا آسان نہین، پھر بھی ہم یہان پر ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دو چار مثالین پیش کرتے ہین، آفتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے اس کو کبھی تو گازر آلودگی آب و خاک (پانی اور مٹی کی

---

[۱] شعر العجم جلد دوم ص ۱۵۱ [۲] مقدمہ قران السعدین ص ۸۲ [۳] لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو ص ۱۷۵

کثافت کا دھونے والا) کبھی چشمہ آتش کبھی طفل کہن سال، کبھی آہوئے پوئیدہ، کبھی شاہ جہانگیر اور کبھی بیلک گردون گزار (آسمان مین پیوست ہو جانے والا پیکان) کہتے ہین، اور اس کی شعاعون کو کبھی "لعاب رواں"، کبھی قرطۂ زرد (زرد لباس) کبھی جبۂ مسکین اور کبھی شمشیر تیز اور کبھی خنجر سے تعبیر کرتے ہین، ایسے اشعار ملاحظہ ہون:

روے زمین کردہ بیک چشمۂ پاک   گازر آلودگیِ آب و خاک
چشمۂ آتش نشنیدہ است کس   چشمہ بر آن آب ندیدہ است کس

حسب ذیل شعر مین یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب جاذب رطوبت بھی ہے تو یہ پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں،

چشمہ کہ داد آب فراوان شود   آب خورد چشمہ عجب آن بود

اس شعر مین آفتاب کو "طفل کہن سال" اور اس کی شعاع کو لعاب روان کہکر آسمان کو اس کی دایہ کہتے ہین

طفل کہن سال ولعابش روان   دایۂ او چرخ دے مہربان

اس مطلب کو کہ موسم سرما مین غریب آفتاب کی روشنی مین پناہ لیتے ہین، اس اچھوتے طریقہ پر ادا کرتے ہیں:

قرطۂ زردش کہ زخز و بافتہ   جبۂ مسکین ہمہ زو یافتہ

اسی طرح یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب کی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے، تو کہتے ہین کہ آفتاب کا کاھم شیر یعنی برج اسد سے نکل کر ہرن کی طرح ہر طرف چوکڑی بھرتا رہتا ہے،

آہوئے پوئیدہ سبا لا زنیز   خانۂ خود ساختہ در کاھم شیر

اسی قسم کے اور اشعار یہ ہیں:

شاہ جہانگیر بہ شمشیر تیز — چتر سیاہ شب از و در گریز

لشکر انجم ہمہ چرخ کبود — او بکشد خنجر و گوئی نبود

شمع و چراغے کہ بود شب فروز — کشتہ شود گر بدون آید بروز

الغرض آن بیلک گردون گزار — رفت چو بر چرخ یک آماج وار

ہاتھی کی صفت بیان کرتے ہوئے ہاتھی کو کوہ بے ستون کہتے ہین، کوہ بے ستون اس پہاڑ کا نام ہے جس سے فرہاد نے جوے شیر نکالنے کی کوشش کی تھی، ہاتھی کی سونڈ کو اژدرسے تشبیہہ دیتے ہین، اور ایسے اژدرسے جو پہاڑ کی اونچائی سے گر رہا ہو، اور اس کی سونڈ کے پیچ وخم کو کمند، ہودج کو کشتی اور ہاتھی کے دونون کان کو دو بادبان کہتے ہین،

پیل چو کوہے کہ بود بے ستون — چار ستون زیر کُہ بے ستون

پیچش خرطوم لبان کمند — اژدرِ افتادہ ز کوہ بلند

اژدر آن کوہ شدہ مارپیچ — مار ازو یافتہ در غار پیچ

کشتی عاج ست تو گوئی روان — گشتہ دو گوشش ز دو سو بادبان

موسم خزان کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہین کہ چنار کے پتون پر نمی اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے رعشہ والے کی ہتھیلی پہ پارہ کانپتا ہو تو کہتے ہین

نم بکف دست چنار از روش — زیبق لرزان بکف مرتعش

ناصرالدین بغراخان اور کیقباد ول کر جب ایک ساتھ تخت پر بیٹھے ہین تو خسرو نے اس موقع پر دونون باپ بیٹے کے لیے عجیب وغریب تمثیلین و تشبیہین استعمال کی ہین، کہتے ہین کہ دونون برج جوزا (دو پیکر) کی طرح معلوم ہوتے تھے، جوزا ہین دو صورتین آدمی کی طرح ہوتی ہین، پھر کہتے ہین دونون تخت پہ جلوہ فرما اس طرح نظر آتے تھے جیسے ایک برج مین دو قمر یا دو ستارے

ہون، یا ایک تخت پر دو دارا ہون، یا زمین پر دو جمشید کی شان و شوکت آگئی ہو، یا چشم جہان مین دو خورشید کا نور پیدا ہوگیا ہو، یا دو لوح جبین اور دو نور یقین کو ایک ہی روشنی مل رہی ہو، یا دو سرو کی شاخین آپس مین مل رہی ہون، یا دو آب روان مین ایک ہی موج بلند ہو رہی ہو، یا دو نہرین ایک باغ وفا مین جاری ہوگئی ہون یا ایک تلوار مین دو دھارین پیدا ہوگئی ہون، یا کشت زمین دو بارش سے سیراب ہوئی ہو، اور دنیا نے دو باغ کی خوشبو سونگھی ہو، یا آسمان دو چاند سے ایک ہوگیا ہو، وغیرہ وغیرہ۔

ہر دو بیک تن چو دو پیکر شدند	بر فلکِ تخت چو مہر بر شدند
گشت بہ برجے دو قمر جائے گیر	گشت قرین بد و سلطان سریر
برج شرف کرد دو اختر یکے	سلک نسب کرد دو گوہر یکے
ملک بیک تخت دو دارا نمود	دہر بیک آب دو دریا نمود
روے زمین فرِ دو جمشید یافت	چشم جہان نورِ دو خورشید یافت
نور یکے داد دو لوحِ جبین	لمعہ یکے داد دو نورِ یقین
شاخ ہم سود دو سرو جوان	موج ہم داد دو آب روان
گشت یکے باغ وفا را دو جوئے	گشت یکے تیغ صفا را دو روئے
کشت زمین آب دو باران چشید	مغز جہان بوئے دو بستان کشید
چرخ یکے شد بہ دو ماہ تمام	بزم یکے شد بہ دو دور مدام

اس مثنوی مین معنوی اور لفظی صنعتون کی مثالین بھی بکثرت ملتی ہین، مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے اپنے مقدمہ کے ستائیس اٹھائیس صفحون مین وہ تمام اشعار جمع کردیے ہین جن پر کسی نہ کسی صنعت کی تطبیق ہوتی ہے، ہم یہان پر اس مثنوی کے صنائع و بدائع کی صرف چند مثالون ہی پر اکتفا

کرتے ہین، گو آج کل ان صنعتون کی کوئی قدر نہین، لیکن پھر بھی ہم اپنے ناظرین کو اس فن سے روشناس کرنے کی کوشش کرتے ہین، جس کی داد آج سے پہلے بہت ملا کرتی تھی، پہلے صنائع معنوی کی مثالین ملاحظہ ہون،

تضاد[1] - یعنی شعر مین ایسے الفاظ آئین جن کے معنی ایک دوسرے کے متضاد ہون، مثلاً

پاک بازندہ برون از قیاس ۔ پُر دل وخالیِ دلِ شان از ہراس
مستیِ او مایۂ ہشیاریش ۔ خفتہ ہمہ خلق ز بیداریش

مذکورۂ بالا اشعار مین الفاظ "پر" اور "خالی" "مستی" اور "ہشیاری" "خفتن" اور "بیداری" ایک دوسرے کے مخالف ہین،

ارصاد یا تسہیم - یعنی ابتدائے کلام مین ایسے الفاظ لانا جن سے معلوم ہو جائے کہ قافیہ یا کلام کے آخر مین فلان لفظ آئے گا، بشرطیکہ روی کا حرف پہلے سے معلوم ہو، حرف روی وہ ہے جس پر قافیہ کی بنیاد ہوتی ہے مثلاً

شقۂ دیبا بر زیبا شدہ ۔ سیم بران صورتِ دیبا شدہ
آئینہ صورتش از سینہ رفت ۔ صورتِ ادراک ز آئینہ رفت

عکس[2] - یعنی کلام کے جزو مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کرنا

مردم یک خانہ وصد خرمی ۔ خانۂ یک مردم وصد مردمی

حسن تعلیل[3] - یعنی کسی صنعت کے لیے اس کے مناسب ایسی علت ٹھہرانا جو حقیقت مین اسکی علت نہ ہو، مثلاً

---

[1] اردو مین مثال ملاحظہ ہو: نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا + گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجران کا

[2] اردو کی مثال: باقی ساقی جو کچھ ہووے لے + ساقی باقی شراب دے دے

[3] " " بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے + کوئی بے تاب تہِ خاک تڑپتا ہوگا

پشتِ بنفشہ بہ سمن زارہا گوژ شد از چیدنِ دینارہا

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ بنفشہ کی پیٹھ چمن مین دینار چننے کی وجہ سے ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ دینار سے مراد پھول ہے، بنفشہ کا پودا قدرتی طور پر جھکا رہتا ہے، شاعر کا خیال ہے کہ پھول چننے کی کوشش مین اس کی پیٹھ اسی طرح جھکی رہتی ہے، جیسے کوئی شخص دینار چننے کے لیے جھکے۔

ادماج - ایک کلام سے دو یا دو سے زیادہ معنی کا اس طرح حاصل ہونا کہ دوسرے معنی کی صراحت نہ کی جائے۔ اسکی مثال میں عام طور سے خسرو کا حسب ذیل مشہور شعر پیش کیا جاتا ہے

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

زیر نظر مثنوی کا یہ شعر بھی اسی صنعت کی مثال ہے۔

لالہ چون از کوہ برفت آن شکوہ کبک ببرید دل از تیغِ کوہ

مطلب یہ ہے کہ پہاڑ پر سے لالہ ختم ہوا تو کبک کا دل بھی پہاڑ کی چوٹی سے اچاٹ ہو گیا، لیکن دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ لالہ کے نہ رہنے کی وجہ سے کبک نے تیغ کوہ سے خودکشی کر لی ہے،

استخدام - یعنی دو معنی والے لفظ سے ایک معنے مراد لے کر اس کی ضمیر سے دوسرے معنے مراد لینا۔ مثلاً

سوئے سواد اودھ آمد چو باد گرد حک از خنجرِ تیز آن سواد

اس کے یہ معنی ہین کہ جب ہوا اودھ کے گرد و نواح (سواد) مین آئی تو ہولنے خنجر تیز کی طرح سیاہی (سواد) کو دور کر دیا،

ایہام[1]، تبلیغ[2]، اغراق[3] اور غلو[4] کی مثالین تو بکثرت ہین،

---

[1] یعنی کلام مین ایسا لفظ لانا جو دو معنی رکھتا ہو۔ [2] ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً ممکن ہو [3] ایسا مبالغہ جو عادۃً ممکن نہ ہو اور عقلاً ممکن ہو، [4] ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً دونون ممکن نہ ہو،

اسی طرح صنائع لفظی مین تجنیس[1]، اشتقاق[2] و شبہ اشتقاق[3] اور تنسیق الصفات[4] کی بھی مثالین بہت ملین گی، ان کے علاوہ حسب ذیل لفظی صنعتون کی مثالین ملاحظہ ہون،

ترصیع - یعنی پہلے مصرعہ کے تقریباً تمام الفاظ دوسرے مصرعہ کے تمام الفاظ کے وزن اور روی مین مطابقت رکھتے ہون، مثلاً

بے کرمے نام فروشی کنند — بے گہرے مرتبہ کوشی کنند

مہر چہ جوئی ز وفائے کہ نیست — روئے چہ بینی بصفائے کہ نیست

مسجع - یعنی ایک شعر مین تین تین قافیے ہون اور چوتھا قافیہ قصیدہ یا غزل کا ہو، مثلاً[5]

گر شہد باشد بر زبان - یا آب حیوان در دہان — گفتار می گویم کہ آن نبود دگر گفتار تو

زین پس بخوبان ننگرم - در کوے ایشان نگذرم — گر ہیچ بگیرہ جان برم از غمزۂ خونخوار تو

رد العجز علی الصدر - یعنی پہلے مصرع کا شروع (صدر) مین جو لفظ آئے وہ دوسرے مصرع کے آخر مین بھی آئے[6]، خواہ یہ لفظ بعینہ ہو یا صنعت تجنیس یا صنعت اشتقاق یا شبہ اشتقاق کے طور پر ہو،

عود قماری کہ ہمی داد دود — غالیہ می ساخت گل از دود عود

باد کہ اندر سرہ ہدہد فتاد — تاج سلیمان ز سرش برد باد

خسرو نے آگے چل کر صنائع و بدائع مین ہر قسم کی زور آوری دکھائی، اپنی تصنیف اعجاز خسروی مین انھون نے تو بعض خاص خاص قسم کے صنائع مین ورق کے ورق لکھے ہین، بعض صنعتین تو ان ہی کی ایجاد ہین، جیسا کہ آیندہ جلد مین ذکر آئے گا،

[1] دو یا زیادہ لفظون کا تلفظ اور تحریر مین مشابہ ہونا اور معنی مین مختلف ہونا [2] چند الفاظ کا ایک ہی مادہ سے اشتقاق کر کے کلام مین لانا [3] چند الفاظ کا ایک دوسرے سے مشابہ ہونا لیکن مادے مین مختلف ہونا [4] کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر بہت سی صفتون کے ساتھ کرنا،

[5] یہ پوری غزل مسجع ہے [6] اردو شعر کی مثال: محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی — خدا سے پوچھیے شان محمدؐ

غلط نامہ بزم مملوکیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱۳	بادشاہون	بادشاہ ہونے	۷۴	۱۳	سپاہ	سیاہ
۱۰	۱۷	بمہر	مہر	۷۴	۱۵	چو	چون
۱۱	۹	اشک	رشک	۷۴	۱۷	آب چون	آب جون
۱۲	۱۱	ناس	باس	۱۰۰	۵	خط	بر خط
۱۲	۱۶	عالی	عالمی	۱۰۰	۱۳	بنا	بنان
۱۲	۱۸	آمد	آنکہ	۱۰۲	۸	آمدہ	آمدہ است
۱۶	۷	صفت	صنعت	۱۰۳	۱	ہے	کا ہے
۲۰	۱۵	چیتوان	جتوان	۱۰۵	۶	آنکہ	کہ
۲۱	۳	چیتوان	جتوان	۱۰۷	۱۷	بہ	ہر
۲۹	۲	کتاب لانساب	بحر الانساب	۱۱۰	۱۱	آ	آر
۲۹	۱۳	چاچغان (صغان)	صاغان (صغان)	۱۱۰	۱۷	موشی	موسٰی
۳۹	۱۶	طغر	طغرا	۱۱۱	۱۳	پردرد	پردردہ
۵۲	۳	راہ	ماہ	۱۱۱	۱۶	برسہ	برسر
۵۶	۱۰	نہ ہیک	مہ پیک	۱۱۷	۱۱	طغر	ظفر
۵۶	۱۰	قہرجان	مہرجان	۱۳۷	۱۳	تاریافت	تار تاریافت
۶۲	۱۱	کریلیگا	کریگا	۱۶۰	۷	طرہ	طرح

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۴	۱۶	وہ بھی	یہ بھی	۲۵۸	۶	زتقدیر	نہ زتقدیر
۱۷۷	۹	باشش	بالشس	۲۶۴	۹	بادباد	باباد
۳۰۰	۳	مضامین ندرت	مضامین ہین ندرت	۲۶۵	۱۲	فوائدالفوائد	فوائدالفواد
۳۰۸	۱۰	دریاے	درپاے	۲۷۸	۹	نفنش	سخنش
۳۱۴	۱۰	کہ زرنج	زرنج	۲۸۳	۹	تابتہ	تابتہ
۳۱۴	۱۰	چہ	چون	۲۸۳	۱۰	دولت بجنت	دولت وبخت
۲۴۵	۴	زرپاشی کے ذکرہین	زرپاشی ہین	۳۰۵	۴	پاپہاے	باپہاۓ
۲۵۲	۶	نادانی	ناوانی	۳۰۵	۷	خواشس	خراش
۲۵۲	۱۴	اژدم	تااژدم	۳۰۵	۸	عروسی ہا	عروسی ہار
۲۵۳	۱۷	پاخنجر	باخنجر	۳۱۲	۳	راسر	رابرسر
۲۵۴	۲	ساقیا	ساقیان	۳۱۲	۱۲	روح	ورروح
۳۵۶	۱۱	دیباپور	دیبال پور	۳۲۸	۱۷	ۃ	ستہ

نقطے اور مرکز کی غلطیان ناظرین خود درست کرلین۔

مؤلف کی اور دوسری کتابین

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشا کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء و فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شاہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء شعراء اور فضلاء کے گونا گون کمالات وغیرہ کی تفصیل اس کتاب مین ملاحظہ فرمائیے،

قیمت

معہ ر

بزمِ صوفیہ

جس مین عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ، حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت ضیاء الدین نخشبی، حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت جہانیان جہان گشتؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ، اور حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے مستند حالات اور تعلیمات پیش کی گئی ہین،

قیمت

ہے ر

(طابع و ناشر صدیق احمد)